وادیِ لہو رنگ
طارق اسمٰعیل ساگر

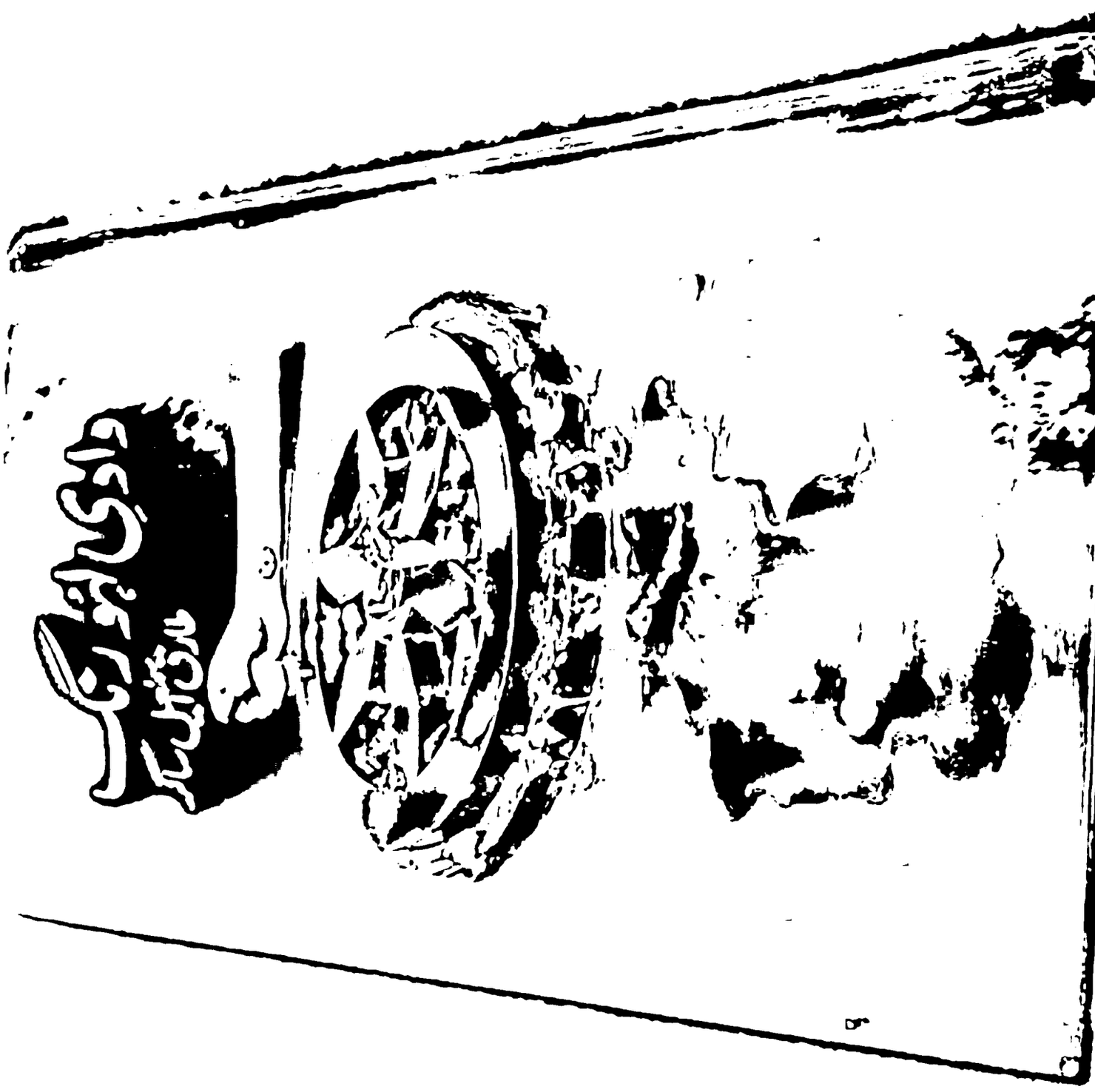

HBC

ترتیب

دیباچہ	9
خفیہ مشن	11
ماضی کے جھروکوں سے	17
پہلا معرکہ	29
شیرو	39
زہرا	53
سجاول خان	85
یلغار	101
موت کی شاہراہ	115
تجدید عہد	153
سلگتی آہیں	181
لہو کا چراغ	195
شہادت کی منزل	239
انجانی منزل کا مسافر	279
شیرو ڈکیت	315
اللہ کا سپاہی	337
جب دشمن نے للکارا	345
آپریشن نیپال	351
آخری حصار	357

پیش لفظ

"وادی لہو رنگ" کی دکھ بھری حکایت خونچکاں کو بے نقاب کرنے کے لیے——
میں نے جب بھی قلم سنبھالا——!
ضمیر نے دست سوال بن کر شیشہ دل پر ایسی ضرب لگائی کہ میں لرز کر رہ گیا——!
ذہن سلگتے ہوئے سوالات کی آماجگاہ بن جاتا—— کوئی نادیدہ طاقت مجھ سے پوچھتی تھی——!
——کیا تم اپنے آئینہ دل میں کشمیر کے مکمل خدوخال دیکھ سکتے ہو؟
——تمہاری فگار انگلیوں میں اتنی سکت ہے کہ کشمیر کے سینے میں سلگتی کہانیاں صفحہ قرطاس پر بکھیر سکو؟
——اس کے درختوں کی ہریالیوں میں سرسراتی ہواؤں کے نوحے تمہاری سماعت کے اختیار میں ہیں؟ اور کیا تم
——مظلوموں اور نارساؤں کی آہوں اور آنسوؤں کو یکجا کر کے اپنے لیے نشان منزل تلاش کر لو گے؟
ان سوالات کے جوابات کھوجنے کے لیے جب بھی میں تاریخ کا سینہ ٹٹولتا۔ یہاں مجھے مصلحتوں اور وسوسوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا۔
میں ہار کر قلم رکھ دیتا——!
لیکن میری فطرت میں چھپا سپاہی مجھے کسی پل چین نہ لینے دیتا۔
وقت کی لہروں پر ہلکورے لیتا میرا ذہن تیرہ صدیاں پیچھے لوٹتا اور مجھے اٹلانٹک کے ساحلوں پر لے جاتا—— جہاں حضرت عقبہ بن نافع کا لشکر رکتا ہے—— اور وہ

اٹلانٹک کی سرکش موجوں کو ہوا میں اچھال کر کہتے ہیں:
"رب کعبہ کی قسم!
اگر میرے راستے میں یہ سرکش موجیں نہ آ جاتیں تو خدا کی وحدانیت کا پرچم میں
یورپ کے میدانوں میں لہرا کر دم لیتا۔"
طارق بن زیاد کے وہ سوار چلے آتے جن کا امیر لشکر اپنے جہاز جلا کر اسپین کو اپنے
گھوڑوں کے سموں سے روندتا ہوا فرانس کے دروازوں پر دستک دے رہا تھا——!
میرے ذہنی افق پر خیرالدین بار بروسہ کا عزم گھومنے لگتا جس نے سمندروں کی
طغیانیوں کو زیر کر کے یورپ اور افریقہ کے ساحلوں کو کھنگال ڈالا تھا۔
اور آخر تاریخ کا سفر طے کرتا میرا تخیل مجھے اس برصغیر میں گھسیٹ لاتا جہاں محمد
بن قاسم نے ایک مسلمان زادی کی پکار کا مول چکایا تھا——!
اور جہاں سلطان محمود غزنوی پہاڑوں سے نکل کر سومنات کے غرور کو روندتا ہوا
ہندوستان کے کلیجے میں اتر گیا تھا——!
ان سرفروشوں کے سامنے "ہر ہر مہادیو" اور "بجرنگ بلی" کے نعرے دم توڑتے
دکھائی دیتے تھے——!
"دلوی لورنگ" وہی کہانی ہے۔
اپنے خون جگر سے لکھی یہ کہانی اس لیے آپ تک لے آیا ہوں کہ اب بھی اس
خاکستر میں کچھ چنگاریاں سلگتی دکھائی پڑتی ہیں——!
اللہ! کوئی بھڑکتی ہوئی چنگاری شعلے کا روپ دھار لے اور ان آنکھوں کو۔ شعلہ
بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو—— کی تعبیر دیکھنے کو مل جائے۔

طارق اسمٰعیل ساگر

۲۰ ستمبر ۸۴

خفیہ مشن

پندرہ مئی ۱۹۶۵ء کی ایک شام:
جیپ انہوں نے کھوں سے تقریباً ایک فرلانگ دور ہی روک دی تھی۔
——سورج کا آتشیں گولہ ان کے عقب میں جہاں اس سرکنڈے گھنے درختوں کے پیچھے ڈوب رہا تھا جو ایک طرح اس کھوں کی حد بھی تھی—— انہوں نے دس میل کا راستہ طے کیا تھا۔ کمپنی ہیڈکوارٹرز سے ان کی روانگی اتنی اچانک تھی کہ صوبے دار حکم داد چکرا کر رہ گیا تھا۔ کیپٹن صاحب بغیر اطلاع اچانک آئے اور انہوں نے کوئی تمہید باندھے بغیر اسے جیپ تیار کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

انہوں نے ڈرائیور کو بھی ساتھ لینا مناسب نہ سمجھا اور اس وقت تو صوبے دار حکم داد حیران ہی رہ گیا جب کیپٹن نے اسے سول کپڑے پہننے کے لیے کہا۔

"ہم لوگ آرمی کی جیپ بھی استعمال نہیں کریں گے۔" انہوں نے کمرے کے باہر کھڑے کھڑے کہا اور قبل اس کے کہ صوبے دار حکم داد ان سے سوالات کا سلسلہ شروع کرے، وہ اندر داخل ہو گئے تھے۔

صوبے دار نے رینجرز کی جیپ کسی نہ کسی طرح حاصل کر لی تھی۔ اب یہاں وہ پرائیویٹ جیپ حاصل کرنے سے تو رہا۔ احتیاطاً اس نے ٹینکی پوری بھروا لی تھی کیونکہ ابھی تک اسے اگلی منزل کا علم نہیں تھا۔

صوبے دار حکم داد پچھلے دو سال سے اسی سرحدی علاقے میں مختلف مقامات پر انٹیلی جنس ڈیوٹی کر رہا تھا۔ وہ ایف۔آئی۔یو سے وابستہ تھا اور اس علاقے کے چپے چپے پر اس کی نظر تھی۔ یہاں کے مقامی بدمعاش، اسمگلر، چور، خطرناک اور بے ضرر ہر طرح کے لوگوں سے اسے آگاہی تھی—— اس کی سروس کا زیادہ تر حصہ انٹیلی جنس ڈیوٹی ہی کی نذر ہوا تھا۔ صوبے دار حکم داد کی جہاندیدہ نظروں نے پچھلے ایک ڈیڑھ ماہ سے پیش آنے والی تبدیلیوں کا بغور جائزہ لیا تھا اور اس کے تجربے نے اسے بتا دیا تھا کہ اب کچھ کر گزرنے کا

وقت آگیا ہے۔

تین دن بعد جب وہ اگلی چوکیوں کے دورے سے واپس آیا تو کمپنی ہیڈکوارٹرز میں ایک پیغام اس کا منتظر تھا۔ جنرل ہیڈکوارٹرز سے اس کی خصوصی یونٹ کے ایک اہم مشن پر آ رہے ہیں۔ پہلے تو اس کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ یہ اچانک جی۔ایچ۔کیو والوں کو کیا سوجھی؟ اشارۃً بھی کوئی پیشگی اطلاع اسے نہیں ملی تھی اور جو کیپٹن صاحب جی۔ایچ۔کیو سے آئے، وہ بھی کچھ کم پراسرار ثابت نہیں ہوئے تھے۔ اگر ان کا شناختی کارڈ ان کے پاس نہ ہوتا تو صوبیدار حکم داد شاید انہیں گرفتار کر لیتا۔۔۔ ان کی آمد بھی ایسی ہی تھی۔

☆○☆

جیپ کے اسٹیئرنگ پر دونوں ہاتھ رکھے وہ خاصا چوکس ان کی آمد کا منتظر تھا۔ اس کی فوجی زندگی کیپٹنوں اور میجروں سے ملتے ملاتے ہی گزری تھی، لیکن اس چھریرے بدن کے سانولے رنگ والے نوجوان کیپٹن میں اسے کوئی ایسی بات ضرور دکھائی دی تھی جس کی وضاحت وہ کر نہ پایا۔ جب بھی اس نے ذہن پر زور دیا وہاں سے ایک ہی جواب ملا: "ہے کوئی خاص بات اس شخص میں!" اور بس۔

"خدا جانے یہ مجھے اندھیرے میں رکھ کر کہاں لے جائیں گے؟" اس نے سوچا۔

کیپٹن اسے جیپ ہی میں انتظار کرنے کا کہہ کر وائرلیس روم میں جا گھسے۔ انتظار کی کوفت سے بچنے کے لیے اس نے کئی بار چاہا کہ سگریٹ سلگا لے، لیکن ہر دفعہ اس کا ہاتھ جیب کے نزدیک پہنچ کر واپس آ جاتا۔ حالانکہ وہ سول کپڑوں میں تھا اور یوں بھی اس کے زائش کی نوعیت ایسی تھی کہ اگر وہ اپنے افسر کے سامنے سگریٹ سلگا بھی لیتا تو کوئی ایسی معیوب بات نہ ہوتی، لیکن نہ جانے کیوں وہ چاہتے ہوئے بھی ایسا نہ کر سکا۔ اس وقت بھی جب وہ بمشکل اپنا ہاتھ جیب کے اندر لے گیا تھا، اچانک اس کی نظر سامنے دروازے پر پڑی جہاں سے کیپٹن صاحب ایک اور کیپٹن کے ساتھ گپ شپ کرتے برآمد ہوئے تھے۔ بجلی کی سی پھرتی سے اس کا ہاتھ واپس اپنی جگہ پر آ گیا اور وہ چوکس ہو کر بیٹھ گیا۔

"کتنی دیر سے اس علاقے میں ہو؟" کیپٹن نے اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھتے ہی اس کو روانگی کا سگنل دے دیا۔

"سر! پچھلے دو سال سے اسی علاقے کے گرداگرد گھوم پھر رہا ہوں۔" اس نے اپنی آواز کو حتی الوسع پرسکون بنائے رکھا۔

"ہوں!" ---ایک ہی "ہوں" کیپٹن کے منہ سے خارج ہوئی۔ "ہم لورکوٹ کی طرف جا رہے ہیں۔ مجھے شیرو سے ملنا ہے۔" انہوں نے دونوں باتیں ایک ساتھ ہی کہہ ڈالیں۔

"شیرو سے؟" صوبیدار کے منہ سے بے ساختہ نکلا——— وہ لورکوٹ اور شیرو کے نام پر یوں بدکا تھا جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار لیا ہو۔

"کیوں کیا بات ہے؟" اس کی اس حرکت کو کیپٹن صاحب نے نوٹ کیا تھا۔

"وہ تو سر.........." وہ فقرہ ادھورا چھوڑ کر چپ ہو رہا۔

"کیا ہے وہ؟" کیپٹن نے پہلی مرتبہ اس کی طرف گردن گھما کر دیکھا تھا۔

"وہ ہمارے کام کا آدمی نہیں ہے جناب۔" بالآخر اس نے کہہ ہی دیا۔

"ونڈرفل! تو آپ نے ملاقات سے پہلے فیصلہ بھی کر لیا۔" کیپٹن کے لہجے میں چھپے طنز کو صوبیدار حکم داد محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"جناب والا! میں نے دو تین مرتبہ کوشش کی کہ اسے کسی بھی طرح راہ راست پر لاؤں، لیکن وہ نرمی یا سختی کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ وہ صرف اپنے کام سے کام رکھتا ہے جناب۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم اسے آج تک رنگے ہاتھوں پکڑ نہیں سکے۔ بڑی مشکل سے پچھلے مہینے ہم نے خصوصی ناکے لگا کر اس کا مال پکڑ لیا جو وہ جموں سے ہانک کر لا رہا تھا——— دو چار موٹی بکری گائیں، لیکن وہ——— ہر بار کی طرح نکل گیا۔"

صوبیدار بولتا بولتا خود ہی چپ ہو گیا۔ اس نے دیکھا——— کیپٹن اس کی باتوں پر کان ہی نہیں دھر رہے۔ وہ تو جیپ کی ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے کسی گہری سوچ میں غرق ہیں۔

"آج کل راستوں کی کیا پوزیشن ہے؟" انہوں نے اچانک بالکل الگ سی بات پوچھ لی۔

"ڈھلتے چاند کی راتیں ہیں جناب۔ اس کے باوجود کسی ایجنٹ نے پچھلے دس پندرہ دنوں سے اس طرف سے "لانچ" کرنے کی ہمت نہیں کی۔"

"کیوں؟" کیپٹن نے بظاہر حیرت سے پوچھا۔

"کیا عرض کروں سر! یہ تو بہت اچھا علاقہ تھا۔ ہمارے لوگ اس طرف سے تالیاں بجاتے ہوئے سرحد عبور کر جاتے تھے، لیکن برسات کی وجہ سے دوسری طرف چونکہ نالے اور ندیاں طغیانی پر ہیں، اس لیے تمام مویشی چور کمبخت اس طرف آن مرے ہیں۔ شیرو ہی کو لیجیے۔ ہمارے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وہ کبھی بھول کر بھی اس طرف کا رخ

[illegible]

[illegible]

☆○☆

نری تک پہنچنے تک کیپٹن صاحب نے باتوں باتوں میں اس سے اس علاقے کے چپے چپے سے متعلق معلومات حاصل کر لی تھیں۔ محفوظ راستے، رینجرز اور انڈین بارڈر سیکورٹی فورسز کے ٹھکانے، اسمگلروں اور سرحد کے آر پار چوریاں کرنے والوں کے راستے اور سرحد کے دونوں جانب نقل و حرکت کے لیے محفوظ تھے۔ لیکن اصلی جس کی خوش قسمتی کی وجہ سے ابھی تک ان لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہے تھے۔ اصل میں صوبیدار حکم داد کی کارگزاری یہی تھی کہ اس نے ایسے کتنے راستے ابھی تک تلاش کیے تھے۔ درحقیقت وہ جانتا تھا کہ جن راستوں سے جرائم پیشہ افراد کا آنا جانا نہیں ہو جاتا، ان سے کسی ایجنٹ کو سرحد پار کروانا کتنا خطرناک اور نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔

صوبیدار صاحب نے ندی کنارے جیپ کھڑی کر کے جب وہ لوگ نیچے اترے تو کیپٹن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اچانک اپنی طرف متوجہ کیا۔ "جتنی ضرورت آج اس ملک کو شیرو جیسے جوانوں کی ہے، اتنی آج سے پہلے شاید کبھی نہیں تھی۔" کیپٹن کے لہجے نے صوبیدار حکم داد کو چونکا دیا۔

[illegible] بات آج ہی تو اس کی سمجھ میں آئی۔

☆○☆

[illegible]

[illegible] بلکہ ان سب سے الگ تھلگ اور منفرد نظر آ رہا تھا۔۔۔۔ یہ شیرو تھا۔

"میں تو پہلے ہی کہتا تھا چاچا کہ سرحدی والوں پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ [illegible] ہیں۔۔ میرے باپ کو سرحدی والوں نے مروا دیا تھا چاچا۔ [illegible] نہیں ادا کرتا تھا لیکن اس روز۔۔۔۔" اس نوجوان نے پستول بند کر کے اپنی [illegible] "ناب" میں چھپا لیا۔

"کتنے آدمی تھے وہ؟" شیرو نے اس کی بات پر دھیان دیے بغیر اچانک "مٹھو" (بکریاں چرانے والا) کی طرف دیکھا۔

"دو ہی نظر آئے تھے مجھے چاچا۔"

شیرو کی نظریں اس کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔ مٹھو کو اس کی آنکھیں اپنے بدن میں دھنستی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ کچھ گڑبڑا سا گیا تھا۔

"تو نے پہچانا کسی کو؟" شیرو نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر جیسے کوشش کی تو اسے کچھ سکون نصیب ہوا۔

"ایک تو وہی سیکورٹی والا صوبیدار ہے جو پرسوں آیا تھا اور دوسرا اجنبی تھا۔ اس علاقے میں اس سے پہلے میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔"

"کوئی ہتھیار؟"

"نہیں چاچا۔ بظاہر تو کچھ نظر نہیں آیا۔"

"ٹھیک ہے جاؤ۔ جا شاباش۔" شیرو کی بات سنتے ہی وہ لوٹ گیا۔

سامنے والے جرگے سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے خیال کے مطابق وہ اب تھا لیکن وہ یوں اطمینان سے بیٹھا تھا جیسے اس کے انتہائی قریبی رشتہ دار آ رہے تھے۔ ایک بار جب سلہ لڑکے نے اندر داخل ہوتے ہوئے شیرو نے باہر نکل گیا تھا۔ ڈرنے والی کوئی بات نہیں۔ کوئی غلط حرکت تم لوگ بھی ... اس نے اپنے اردگرد بیٹھے لوگوں سے کہا ... نوجوان نے کچھ کہنا چاہا "بیٹھو بیٹھو —— پنڈال والے لوگ بڑوں کی بات میں مداخلت نہیں کیا کرتے۔" شیرو نے اسے بڑی شفقت ... دوسرے ہی لمحے کمرہ خالی ہو چکا تھا۔

☆○☆

صوبے دار تم دلو پہلے داخل ہوا، کیپٹن باہر کھڑا رہا۔ اس کی متلاشی نظریں کمرے میں موجود کسی بھی ممکنہ مداخلت کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"آؤ جی صوبے دار صاحب۔ جی آیاں نوں۔" شیرو نے چارپائی پر بیٹھے بیٹھے ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ صوبے دار نے بادل نخواستہ اس سے ہاتھ ملایا۔ اگر کیپٹن نے راستے میں اسے بریفنگ نہ دی ہوتی تو وہ اس کی طرف ہاتھ بڑھانے کے بجائے پوری قوت سے شیرو کے منہ پر ٹھوکر رسید کرتا۔ تم دلو بے بسی سے صرف ہونٹ چبا کر رہ گیا۔

"گرفتار کرنے آئے ہو؟" شیرو نے اگلا سوال داغا۔

"نہیں شیرو۔ ہم تمہیں گرفتار کرنے نہیں آئے۔" اس کے سوال کا جواب صوبے دار کے بجائے کیپٹن نے دیا جو صوبے دار کے بعد اندر داخل ہوا تھا۔

کیپٹن پر نظر پڑتے ہی شیرو یوں بے ساختہ اٹھ کھڑا ہوا جیسے طاقت ور اسپرنگ نے اسے فضا میں اچھال دیا ہو۔ اس نے کچھ کہنا چاہا، لیکن اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ پھر کسی میکانکی عمل کے تحت اس کے بازو پھیل گئے۔

"شرفو!" اس کے حلق سے نکلنے والی آواز کسی کربناک چیخ سے مشابہہ تھی۔

"شیرو" کیپٹن اشرف خان بانہیں پھیلا کر اس سے لپٹ گیا۔

دونوں نے اپنے اپنے جذبات پر قابو پانے کے لیے ایک دوسرے سے زیادہ ضبط کا مظاہرہ کیا تھا، پھر بھی دونوں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

شیرو نے کیپٹن اشرف خان کو الگ کیا اور کچھ کہنا چاہا لیکن اس کے رندھے ہوئے گلے سے بمشکل "اشرف خان" نکلا اور دوبارہ اس نے کیپٹن کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ صوبے دار حیرت سے باری باری دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس ملاپ سے وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

صوبے دار نے محسوس کیا جیسے وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت کچھ کہنا سننا چاہتے ہیں لیکن کہہ نہیں پاتے۔ شیرو کے وہ ساتھی جو چند منٹ پہلے یہاں سے چلے گئے تھے اب واپس آگئے تھے اور ابھی "مہمانوں" کی خدمت میں لگے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے دودھ کے گلاس رکھے ہوئے تھے، لیکن صوبے دار تم دلو واضح طور پر محسوس کر سکتا تھا کہ دونوں اس دسترخوان پر موجود ہی نہیں ہیں —— وہ کسی اور ہی عالم کے مکین بنے ہوئے تھے۔

یوں بھی وہ کسی طور شیرو کے دل میں نہ جھانک سکتا تھا جس کی نظریں اشرف خان کے چہرے پر گڑی تھیں اور جس کا ذہن پونچھ کے کوچہ و بازار میں بھٹک رہا تھا۔

—— اس پونچھ میں جہاں نہ کوئی کیپٹن اشرف رہتا تھا اور نہ ہی شیرو ڈکیت۔ وہاں تو دو جگری دوست قیام پذیر تھے۔

ایک جو بلور خان کا بیٹا تھا —— شرفو کہلاتا اور دوسرا شیرو —— دونوں یک جان و دو قالب تھے۔

پھر —— ایک روز اس کا ساتھی اس سے بچھڑ گیا اور آج پھر اچانک وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

وہ کیسے یہاں آیا؟ وہ کیوں یہاں پہنچا؟

یہی کچھ سوچتا وہ ماضی کے ان اوراق میں گم ہو گیا جہاں جہاں اس کا اور شرفو کا نام ساتھ ساتھ آتا تھا ——!

اور آخر اس کی انگلیاں ٹٹولتے ٹٹولتے اس صفحہ تک آ پہنچیں جس کا عنوان ۱۹۴۷ء سے شروع ہوتا تھا۔

یہاں آ کر وہ رک گیا اور بکھرے ہوئے نقوش یکجا کرنے لگا۔

HBC

ماضی کے جھروکوں سے

۲۷ اگست ۱۹۴۷ء کی ایک شام

پاکستان کے قیام کو آج ۱۳ دن ہوئے تھے۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو انگریز نے دو مملکتوں کے قیام کا جو اعلان کیا تھا' اسے عملی جامہ پہنا دیا گیا تھا۔ دولت مشترکہ کی دو آزاد اور خودمختار مملکتیں دنیا کے نقشے پر ابھری تھیں' لیکن ابھی تک دونوں میں سے کوئی مملکت بھی اپنی عملداری رائج نہیں کر سکی تھی ـــــ نظم و نسق کا یہ عالم کہ جنگل کے قانون کا سا سماں تھا۔

۴۰ کروڑ آبادی اور ۱۷۷۷۳۳۸ مربع میل رقبے پر پھیلے ہندوستان کی ۵۶۸ ریاستیں دونوں میں سے کسی ایک مملکت کے ساتھ الحاق کے مراحل سے گزر رہی تھیں۔ کچھ نے فیصلہ کر لیا تھا اور کچھ ابھی سوچ رہی تھیں۔ بعض ریاستوں کا جغرافیائی محل وقوع ایسا تھا کہ ان کے فیصلے محض رسمی حیثیت رکھتے تھے۔ انہی میں سے ریاست جموں و کشمیر بھی تھی جس کی چالیس لاکھ آبادی میں سے پچھتر فیصد مسلمان تھے' لیکن جس کی قسمت کا فیصلہ بدقسمتی سے ایک ہندو ڈوگرہ مہاراجہ کو کرنا تھا جو ابھی تک گومگو کے عالم میں تھا۔

اس ریاست کو صرف اسی لیے اہمیت حاصل نہیں تھی کہ یہاں سے جو دریا پھوٹتے تھے' وہ پاکستان سے گزرتے تھے بلکہ اس کی زیادہ اہمیت اس لیے تھی کہ ریاست جموں و کشمیر پاکستان اور بھارت دونوں سے ملحق تھی جب کہ شمال میں اس کے اور روس کے درمیان افغانستان کا علاقہ تھا اور اس کی سرحد چین سے بھی مشترک تھی۔

برصغیر کے مسلمانوں کے کبھی وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس ریاست کا الحاق کوئی نزاعی مسئلہ بن جائے گا کیوں کہ یہاں کی پچھتر فیصد آبادی مسلمان تھی اور بھارت کے ساتھ اس کا کوئی زمینی اور دریائی راستہ بھی نہیں تھا ـــ اس طرح اقتصادی طور پر اس کا بھارت سے کوئی رابطہ ہی نہیں رہ جاتا تھا۔

اس حقیقت کا احساس ان انگریز بازی گروں کو بھی تھا ـــ اس لیے ریڈکلف ایوارڈ

[illegible]

تھی---- مجاہدین قبیلے کے سابق انڈین آرمی کے ملازمین نے انہیں بندوقوں اور ہتھیاروں
کی خفیہ تربیت دے کر چند ہی مہینوں میں اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ اب کسی بھی باقاعدہ فوج
سے ٹکر لینے کے لیے تیار تھے۔ ابھی تک انہوں نے اپنی اس طاقت کو خفیہ رکھا ہوا تھا
لیکن اب وقت آ گیا تھا کہ وہ اپنے ان تربیت یافتہ چھاپہ ماروں کے جوہر دکھانے کے لیے
انہیں میدان کارزار میں لے آئیں---- وہ لوگ آج پہلا باقاعدہ معرکہ لڑنے جا رہے تھے
اور اسی معرکے کے نتائج پر کشمیر میں لڑی جانے والی طویل جنگ آزادی کا انحصار تھا----
یہ لوگ آج اپنے خون سے جو تاریخ رقم کرنے جا رہے تھے اسے آنے والی نسلوں
کے لیے مشعل راہ بننا تھا۔

یہ ایسا مجاہدانہ فیصلہ تھا کہ تاریخ حریت پڑھنے والے دنیا بھر کے آزادی پسندوں نے ہمیشہ
ان مجاہدوں کو خراج عقیدت پیش کیا---- تذکرہ افواج رائفلز، مشین گنوں اور اسٹین گنوں

[illegible]

Agreement

[illegible]

☆○☆

[illegible]

[illegible]

ان کے ... رات کے اندھیرے میں جب بھی ڈوگرہ فوج کے سپاہی ان کے تعاقب پر مجاہدوں کی تلاش میں چھاپے مارتے' اچانک سامنے آ کر وہ بھاگ جاتے۔ ان لوگوں نے ایسی ترتیب دے لی تھی کہ مقامی ہندو آبادی اور تھانوں کی تنبیہ کے باوجود وہ ... کو گرفتاری سے محفوظ رکھتے تھے۔

ابھی تک ——— ان دونوں سے مقامی پونچھ اور تھانوں میں موجود پولیس کی نگرانی کی جاسوسی کا کام ہی لیا جا رہا تھا۔ ایک روز انہیں راولاکوٹ کی طرف جانے اور جیرہ کے مقام پر مورچہ بند ہو کر گھات لگانے کا حکم ملا۔

جیرہ دو تھان سے آگے پونچھ اور راولاکوٹ کے درمیان واقع ہے۔ یہاں ڈوگرہ فوج نے اپنا کیمپ بنا رکھا تھا اور جیرہ کے گرد اگرد موجود "باغیوں" کی سرکوبی کے لیے یہیں سے فوجی دستے روانہ کیے جاتے تھے۔ دو تھان پر مورچہ بند مجاہد گوریلوں کے کمانڈر نے جو اس علاقے میں دور دور تک پھیلے ہوئے مجاہدین کی کمان کر رہے تھے' حسین خان کو یہ مشن دے کر روانہ کیا تھا کہ وہ پونچھ کی طرف سے آنے والے مجاہدوں کے ساتھ مل کر جیرہ کے ڈوگرہ کیمپ کو گھیرے میں لے رکھیں اور جب ڈوگرے کمک منگائیں تو وہ انہیں تباہ کر دیں۔

[illegible]

... محلے کے ایک مکان کے کمرے میں ... بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک جس کی عمر بیس سال ... اشرف خان جو عمر میں شیرو سے کم تھا' لیکن ... شیرو آٹھویں جماعت کے ... اس کے بس کا روگ تھا ہی نہیں۔ یہ تو اس کی ماں ... اور عزیز ترین دوست تھا ... تھی جہاں شیرو ایک دفعہ مٹکے کے ... چوری کرنے آیا تھا ... اس کی قمیص کا گلا پیسوں سے بھرا ہوا ... دونوں کی عمروں کا فرق ان کی پر خلوص ...

... اس کا ایک بڑا بھائی تھا جو ... کا ایک باغ ورثے میں ... دوسری شادی کر لے۔ ... تیار تھا' لیکن شیرو کی ماں نے ...

[illegible] کھانے [illegible] جب [illegible]
کی [illegible] ہم [illegible] ابھی [illegible]
کے بعد ہم [illegible] دیہاتوں میں آبادی [illegible] سے [illegible]
وقت ممکن ہے [illegible] یہاں [illegible] لیکن [illegible] اس
[illegible] اگر تم [illegible] کی راہ [illegible] دل میں [illegible]
میں خدا کی عدالت میں [illegible] کھانے کے لائق نہیں رہوں گا۔

"ایسا کبھی نہیں [illegible] مرتے [illegible] بھی نہیں۔"

اس نے [illegible] قول [illegible] نہیں تھا۔ [illegible] کی موت نے [illegible] خلاوند کی
شہادت کا [illegible] اس کے جیتے جی [illegible] اس کی [illegible] اسے [illegible] کے
مرنے کے بعد ہی ہوا تھا [illegible] کہ اس کے پاس اب صرف [illegible] تو بس [illegible]
اس کا دل [illegible] گیا لیکن خلاوند کی روح کو شرمسار کرنا اس کی غیرت نے گوارا نہیں [illegible]
اپنی شادی سے اپنے سہاگ کی شہادت تک [illegible] ایک لمحہ یاد تھا۔

اس کا [illegible] تو کٹ رہا تھا لیکن اس نے دل پر پتھر رکھ کر اپنے بیٹے سے کہا تھا "بیٹا
اس راستے پر نکلے ہو تو یہ مت بھولنا کہ تم کس باپ کے بیٹے ہو۔ میدان جنگ میں اگر
میری یاد نے تمہیں بزدل بنا دیا تو میں تمہیں اپنی [illegible] نہیں بخشوں گی۔ ہم [illegible]
بیٹا۔ [illegible] وطن کے لیے مر جانا ہی ہماری زندگی کا اصل مقصد ہے۔"

☆○☆

اصولاً انہیں رات کے پہلے پہر تک [illegible] پہنچ جانا چاہیے تھا لیکن معمول کے تقریباً
سبھی راستوں پر [illegible] فوجی گھوم رہے تھے۔ انہیں [illegible] پہنچنے تک کئی مرتبہ اصل راستے کو
چھوڑ کر اس کے متبادل لیے اور پیچ دار راستوں پر سفر کرنا پڑا تھا۔ اس کی وجہ وہ [illegible] اور
گولیاں تھیں جو شیرو نے اپنے لباس میں چھپا رکھی تھیں جب کہ اشرف خان کے پاس
صرف ایک کلہاڑی اور ایک لمبا شکاری چاقو تھا۔

وہاں سب [illegible] کا یہی حال تھا۔ ابھی چند روز پہلے [illegible] سرکار نے بڑی مکاری اور چالاکی
سے مقامی غداروں کے ذریعے ان کی پرائیویٹ رائفلیں چھین لی تھیں اور یہ [illegible] اصل میں
[illegible] فوجیوں سے اسلحہ چھیننے کے لیے ہی کیا جا رہا تھا تاکہ وہ انہی کے خلاف استعمال میں
لایا جا سکے۔

[illegible] مجاہدوں کے ساتھ [illegible]
[illegible] ایک [illegible]
[illegible] کی طرف سے [illegible] اس طرف [illegible] کی اطلاع
[illegible] کی طرف سے [illegible] کے [illegible] بھی [illegible]
[illegible] مجاہدوں [illegible] تو بھی [illegible]
[illegible] سمجھ میں نہ آیا تو اس نے
[illegible] کی طرف دیکھا۔

[illegible] اپنے ساتھیوں کی طرف [illegible]
[illegible] ایک ساتھی نے [illegible] کوئی [illegible] راستہ نہیں۔" [illegible]
[illegible] کر سکتے ہیں۔ [illegible] کوئی مصیبت مول لینے کی پوزیشن میں نہیں
[illegible] کوئی لشکر ان کے تعاقب میں ہے تو انہیں راستے ہی میں
[illegible]
[illegible] اندھیرے کی چادر میں غائب ہو گیا۔

☆○☆

[illegible] مسلسل سفر کر رہے تھے۔
[illegible] اس کا احساس دونوں کو تھا۔ اس
[illegible] کے وقت [illegible] لیکن جس طرح دل پر پتھر رکھ کر اس نے اپنے بیٹے کو
[illegible] اس روز اس کا شوہر بھی رات کے
[illegible] اسی طرح ایک [illegible] نہیں آیا۔ اس کا جی نہیں چاہتا تھا کہ اپنے
[illegible] جس کے شعلوں نے اس کے خاوند کو نگل لیا تھا
[illegible] اپنے خاوند سے کیا ہوا قول ابھی تک یاد تھا۔ بالکل ایسے ہی
[illegible]

[illegible] کے [illegible] نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔ "میں جس
[illegible] سے واپسی کے امکانات بہت کم ہیں۔ معلوم نہیں یہ لوگ میری
[illegible] لیکن یہ مقصد اتنا عظیم ہے کہ اس [illegible] سے
[illegible] میں دیکھ رہا ہوں ایک وقت آنے والا ہے جب میرے

یہ لوگ جاگم جاگ وہاں پہنچے اور وہاں سے [illegible] ڈوگرہ فوج کی آمد سے مطلع کیا۔ ممکن یہاں آ کر انہیں اطلاع ملی کہ یہ علاقہ [illegible] نے انہیں اس لیے چھپا لی گئی تھی کہ ڈوگرہ فوج کے وہاں پہنچنے تک کوئی کارروائی نہ کریں۔

☆○☆

اب ان کے لیے صرف ایک ہی ایسی جگہ رہ گئی تھی جہاں وہ ڈوگرہ دستوں کو شکست دے سکتے تھے۔ باقاعدہ فوج کو دست بدست لڑائی کی پوزیشن میں لانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔۔۔ وہ لوگ پیدل مارچ کرتی ہوئی فوج پر تو شکست لگا سکتے تھے۔ کیپٹن فوجی ترتیب سے آگے بڑھتی ہوئی ڈوگرہ فوج پر لاٹھیوں اور کلہاڑیوں کے ساتھ حملہ کرنا تقریباً ناممکن تھا۔

اشرف خان سے پہلے شیر محمد کا مطلب لیا۔
"ابھی کچھ دیر ہے" اشرف خان نے کہا۔ "خدا جانے اب وہ لوگ کہاں ہوں گے؟"
[illegible] کر رہا ہوں [illegible] ان لوگوں سے کیوں ملیں ہم [illegible]"
[illegible] تک [illegible] کہ اچانک شرفو کے منہ سے نکلا۔ "وہ دیکھو!"
اچھا ہے کہ عمل کی ہی تھی کہ اچانک سامنے بیٹھے ہوئے دیکھ لیے۔ ابھی اس نے اپنی جگہ سے پیچھے کی بازی کی احتیاط سے [illegible]
اس نے اپنے سامنے والی بازی کی بس طرف شرفو نے انگلی سے اشارہ کیا تھا اس سے پہلے کہ شیرو اس سمت دیکھتے اچانک ونڈز اپ کی آوازیں سنائی دیں۔ ان کے ایسی اپنے دائیں بائیں سے اچانک ونڈز اپ کا گھیرا مکمل ہو چکا تھا پانچ چھ مجاہدوں نے جو دائیں اور بائیں آگے پیچھے درخت پشتوں کا حصہ بنے ہوئے تھے انہیں گھیر رکھا تھا ان میں سے ہر ایک کے پاس بھی رائفل یا پستول نہیں تھا وہ سب ہی کلہاڑیوں سے مسلح تھے۔
ان میں سے ایک کی کرخت آواز سنائی دی۔
"کون ہو تم؟" "ان میں سے ایک میرا ساتھی شیر محمد۔ ہم لوگ پونچھ سے بجرہ جا رہے ہیں۔ میں حوالدار بہادر خان کا بیٹا ہوں اور یہ حسین خان کی کمان میں پہنچا ہے۔" شرفو نے نوواردوں کو پہچان لیا تھا۔
حوالدار بہادر خان کا نام سنتے ہی ان کے عقب سے ایک مجاہد آگے آیا۔ اس نے چاندنی میں جھک کر اشرف خان کا چہرہ دیکھا۔
"یہ تو حوالدار صاحب کا بیٹا ہے۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور وہ سب دھیمے پڑ گئے۔

☆○☆

ٹی ایچ کیپٹن حسین خان، شیر محمد اور تین دیگر مجاہدوں کے ساتھ پونچھ کے مدارپور والے پل کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہوں نے جھولنے والا یہ پل توڑ کر اس طرف سے ڈوگرہ فوج کی ممکنہ پیش قدمی روکنے کے لیے پیش بندی کرنی تھی۔
ابھی یہ لوگ بجرہ سے باہر نکلے ہی تھے کہ قریبی دیہات سے کچھ ہندو اور دو تین مسلمان دوڑتے ہوئے ان کی طرف آئے۔ انہوں نے آتے ہی شور بپا کر دیا۔
"تیلاں میں ڈوگرہ فوج کا پورا رجمنٹ اترا ہے۔ اس نے وہاں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔" کیپٹن حسین خان ان کی چال میں آ گیا۔ اس نے مدارپور کی طرف جانے کی بجائے وہیں تلاش مناسب جانا اور اپنے ساتھیوں کو واپسی کا حکم دے دیا۔

HBC

پہلا معرکہ

۳۰ اگست ۱۹۴۷ء کے تاریخی لمحات:
ڈوگرہ فوج کی ایک کمپنی جبیرہ سے راولا کوٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔
ـــــ اور اسی طرح کی ایک دوسری کمپنی کے باغ ے راولا کوٹ کی طرف بڑھنے کی بھی اطلاعات ملیں۔ ان دونوں کمپنیوں کا ملاپ راولا کوٹ پر ہوتا تھا جہاں کشمیری مجاہدین جذبہ جہاد سے سرشار ہاتھوں میں کلہاڑیاں اور لاٹھیاں پکڑے آزادی کشمیر کے نعرے بلند کر رہے تھے۔

ان کے گرداگرد پھیلی پہاڑیاں پچھلی ڈیڑھ صدی سے ان کے سربلند ارادوں اور کوہ شکن ولولوں کی گواہی دیتی آ رہی تھیں' لیکن ـــــ آج ان پر جو سرشاری کی کیفیت طاری تھی' چشم فلک نے اس سے پہلے اس کا نظارہ کب کیا تھا۔

دن کے تقریباً چار بجے کا عمل تھا جب ان لوگوں کو ڈوگرہ فوج کی پلٹن اس طرف آتی دکھائی دی' لیکن توقعات کے بالکل برعکس وہ لوگ مارچ کرتے ہوئے نہیں بلکہ جنگی حالت میں فارمیشن بنا کر آگے بڑھ رہے تھے۔ کچھ سیکشنز سڑک کے دائیں بائیں پہاڑیوں پر پھیل کر پوزیشنیں سنبھال چکی تھیں اور ان کی قائم کردہ "پکٹوں" کے زیر سایہ باقی جوان ایڈوانس کر رہے تھے۔

اب صورت حال یہ تھی کہ اوپر کی "پکٹوں" کا ایڈوانس ہو رہا تھا اور نیچے سے باقی ماندہ پیدل نفری ان کے زیر سایہ گزر رہی تھی۔ یہ صورت حال خاصی پریشان کن تھی۔ اس کمپنی پر حملہ کرنے کے لیے پہلے "پکٹوں" کو تباہ کرنا ضروری تھا۔ جب کہ مجاہدین کے پاس نہ تو کوئی مشین گن اور نہ اسٹین گن' وہ بے چارے تو لاٹھیوں اور کلہاڑیوں سے گھات لگائے بیٹھے تھے۔

حسین خان دونوں آنکھوں پر ہتھیلیوں کا کٹورا بنائے بڑی بے بسی سے ایڈوانس کرتی فوج کا نظارہ کر رہا تھا۔ اسے صرف ایک فکر پریشان کیے ہوئے تھی "اگر آج کامیاب گھات

[illegible]

[illegible] آزادی کے فلک شگاف نعروں سے فضا [illegible]

[illegible] اٹھی۔

ڈوگرہ فوج کو اس حملے کی اطلاع تو تھی، اسی لیے وہ جنگی فارمیشن میں آگے بڑھ رہی تھی لیکن ابھی تک انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ حملہ آور کس مقام پر حملہ کرنے والے ہیں۔ مجاہدین نے پیدل فوج پر بڑے بڑے پتھر لڑھکانے شروع کر دیئے جو انہوں نے پہلے ہی سے تیار کر رکھے تھے۔ ان کے ولولہ انگیز نعروں اور پتھروں کی بوچھاڑ نے ایک مرتبہ تو ڈوگرہ فوج کے قدم اکھاڑ دیئے۔

ہراول دستے کے پیدل جوان جو آگے آگے چل رہے تھے، پہلے ہی حملے میں ڈھیر ہو گئے۔ لیکن دن کی روشنی ہونے کی وجہ سے "پکٹوں" نے مجاہدین کی پوزیشن نوٹ کر لی تھی۔ انہوں نے اپنی مشین گنوں کا رخ اس طرف موڑ دیا۔

مجاہدین کے ہاتھ فوراً رک گئے اور وہ اس ناگہانی آفت کے لیے پہلے سے تیار کردہ محفوظ آڑوں میں جا چھپے۔ انہوں نے پچھلے دو دنوں میں بڑے بڑے پتھروں کو اس ترتیب سے اپنے گرداگرد پھیلا رکھا تھا کہ انہیں ایک طرح سے بنکروں کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ وہ لوگ ان بنکروں میں سر دیئے دشمن کی فائرنگ سے کافی حد تک محفوظ تو ہو گئے۔ مگر بے بسی سے دشمن کی اندھا دھند فائرنگ کے دھماکے سن رہے تھے۔

☆○☆

[illegible]

حسین خان کو اگر فکر تھی تو اس بات کی، شیر محمد کی زندگی کا یہ پہلا باقاعدہ معرکہ تھا۔ اس کی نشانہ بازی پر اسے مکمل اعتماد تھا لیکن اپنی آدھی فوجی زندگی جنگوں اور میدانوں کی بھینٹ چڑھا دینے والا حسین خان سوچ رہا تھا کہ اس نے شیر محمد کو اپنے ساتھ آنے کی اجازت دے کر اچھا نہیں کیا۔ مقابلے پر ڈوگروں کا کوئی منتشر گروہ نہیں بلکہ مہاراجہ کشمیر کی تربیت یافتہ فوج تھی۔

حسین خان ایک عجیب سی تشویش محسوس کر رہا تھا، لیکن اس نے یہ فیصلہ بالکل فراست ہی سے کیا تھا۔ اگر وہ اسے اجازت نہ دیتا تو کچھ بعید نہیں تھا کہ شیرو خود ہی اس طرف روانہ ہو جاتا۔ حسین خان اس کے مرحوم والد کا دوست تھا۔ اس نے شیرو کے والد کا کمال پرتو اس کے بیٹے میں دیکھ لیا تھا۔ اسی طرح ایک روز وہ دونوں ڈوگرہ فوج سے نمٹتے ٹکرا گئے تھے۔ اس کا دوست سب سے آگے ہونے کی وجہ سے فوراً ہی مرتبہ شہادت سے سرفراز ہو گیا تھا جب کہ حسین خان کسی نہ کسی طرح بچ کر آ گیا تھا۔

آج اس کے مرحوم دوست کا بیٹا اسی طرح جان ہتھیلی پر رکھے اس کے سامنے موت کے سفر پر روانہ ہوا تھا، لیکن حسین خان نے دل ہی دل میں قسم کھائی کہ وہ آج اپنے مرحوم دوست کے بیٹے کو خود سے آگے نہ نکلنے دے گا۔ ایک مخصوص جگہ پہنچ کر اس نے شیر محمد کی پیٹھ پر تھپکی دے کر اسے رکنے کا اشارہ کیا۔

"میں دائیں طرف سے چکر کاٹ کر سامنے والی پکٹ پر پیچھے سے حملہ کروں گا۔ تم دوسری پکٹ والوں کو نشانے پر رکھنا۔" اس کا جواب سنے بغیر حسین خان نے "اللہ بیلی" کہا اور تیزی سے دائیں طرف رینگ گیا۔

[illegible]

...حسین خان نے دونوں ڈاکوؤں ... اس طرف متوجہ ہوئے لیکن ان سے ... [illegible] ... دونوں پہاڑوں کے ... [illegible] ... حسین خان نے تمام احتیاطی ... اس طرف بڑھے۔ ... [illegible] ... آج حسین خان کی زندگی کا آخری دن ...

"مشین گن کی باڑھ آنے سے ... کی کایا ہی پلٹ گئی۔ ڈاکوؤں نے پیچھے ہٹ ... [illegible] ... فائر دیتے ہوئے پسپا ہونے لگے۔ ... [illegible] ... ان کے پاس اسلحہ کی کمی ... [illegible] ... مشین گن کی باڑھ سے ... فوجی تو ...

[illegible]

...دونوں دوست چھپتے چھپاتے ... [illegible] ... زیادہ تر ... [illegible] ... شرفو نے ... اس نے ہاتھ کے اشارے سے شیرو کو رکنے کے لیے کہا لیکن اپنی فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور شیرو دبے قدموں ... نزدیک پہنچ گیا تھا۔

"کیا ہے؟" اس نے شرفو کے کندھے پر سے آگے کی سمت جھک کر دیکھنا چاہا۔

"شش!" اشرف خان نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے لے آیا۔

"کیا بات ہے؟" شیرو نے دبی دبی زبان میں اس سے ہاتھ چھڑواتے ہوئے پوچھا۔

"آگے فوجی ہیں۔ میں نے انہیں سامنے درختوں کی اوٹ میں پوزیشن لیتے ہوئے دیکھا ہے۔" شرفو نے تیز سرگوشی کی۔

"فوجی کی اولاد ہو نا۔ تمہیں تو بے چارے گڈریے بھی فوجی نظر آتے ہیں۔" شیرو نے اس کا مضحکہ اڑایا۔

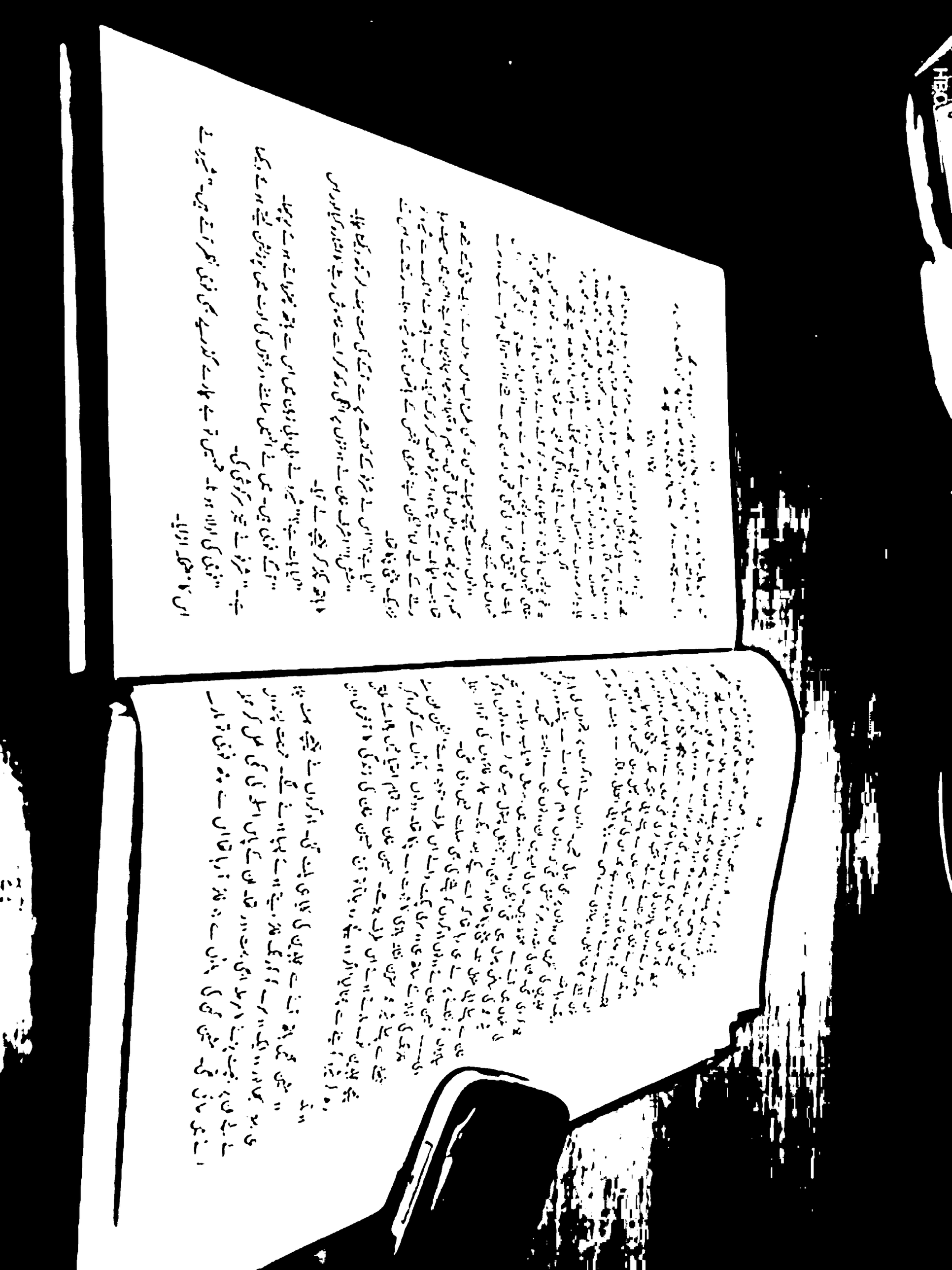

[illegible] اس نے [illegible] ایسے [illegible] برقی [illegible] ایک [illegible] سے [illegible] گئی۔ اس کے ہاتھوں سے [illegible] کے ہوں [illegible]
[illegible] کر [illegible] ہوش اس وقت آیا جب پہاڑوں [illegible]
[illegible] ہوئی تھیں۔
[illegible] سامنے آچکا [illegible] کی [illegible] لڑائیں ہو جانے کتنے ارمان [illegible] ایک لمحے کے لیے شیرو کے سامنے اس کی [illegible] نظر اپنے نوجوان دوست شرفو پر پڑی۔ [illegible] کی تھی۔ پھر اس کی [illegible] پہنچ کر مطمئن ہو رہا۔
[illegible] سے [illegible] لمحے کے لیے اس نے [illegible] ایک فیصلہ پر اپنے جگری یار کو مخاطب کیا۔ "تم واپس [illegible] شیرو!" اس نے بڑے مضبوط لہجے میں [illegible] حالات نارمل ہوتے ہی لوٹ آئیں [illegible] کی طرف [illegible] ہاں [illegible] کہ اس نے چاہا کہ آگے بڑھ جائے' لیکن شرفو نے اس کو [illegible] میں انہیں [illegible] بولا۔

"نہیں شیرو! نہیں۔ میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔" اس نے قریباً شیرو کو اپنی طرف [illegible] لیا۔

[illegible] جھٹکا دے کر اسے خود سے الگ کیا "طاقت ور ہوتا مجھ سے' اسی لیے اپنا [illegible] طرف [illegible] ۔ "میٹرک کے طالب علم نے چاہا کہ جذباتی فضا پیدا کر کے شیرو کو [illegible] ہے۔

[illegible] ارادے سے باز رکھے۔ اس کے عقب میں گولی چلنے کی آواز [illegible] شیرو نے ایک لمحے کو رک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اپنے دوست کے ماتھے کا بوسہ لیا "اللہ بیلی" [illegible] کہ کر اس کی طرف دیکھے بغیر آگے بڑھ گیا۔

اشرف خان اس کے پیچھے "شیرو شیرو" ہی چلاتا رہ گیا اور اس کا جگری یار' اس کا بڑا [illegible] اسے ایک لمبے عرصے کے لیے اکیلا چھوڑ کر چلا گیا اور وہ بے بسی سے ہاتھ ملتا رہ گیا۔

[illegible] اسے ایک ساتھ کئی رائفلیں فائر ہونے کی آواز سنائی دی۔ پھر یکے بعد دیگرے اس نے [illegible] پستول کے بھی سنے۔ بادل نخواستہ وہ اپنے دوست سے الگ ہو کر چلنے لگا۔

[illegible] نہیں [illegible] اس کا دوست کبھی اکیلا واپس نہیں جائے گا۔ اس نے

گولیوں کی آواز میں [illegible] اس سمت [illegible] یہ [illegible] کے پاس رائفلیں تھیں اور تعداد [illegible] جہاں [illegible] سے کم نہیں تھے۔
[illegible] ہو گیا کہ [illegible] جب [illegible] لوگ اسے گھیر کر [illegible] تک [illegible] گے۔ وہ اس پستول سے ان لوگوں [illegible] سے تو [illegible] میں تھے' لیکن ایک کام وہ ضرور کر سکتا تھا۔ کسی نہ کسی طرح ان لوگوں کو [illegible] الجھائے رکھے۔ اس طرح اس کے دوست کو [illegible] مہلت [illegible] جائے [illegible]
اسے علم تھا کہ یہاں سے صرف چار پانچ میل [illegible] جنگل میں چھپے ہوئے ہیں ——— اور اگر کسی طرح اس کا دوست وہاں تک پہنچ جاتا تو وہ محفوظ ہو جاتا تھا۔
اسی خیال کے پیش نظر اس نے [illegible] سے سامنے کی سمت چار فائر وقفے وقفے سے کر دیئے تھے۔ اس کا فائدہ شرفو کو فوراً پہنچا۔ ڈوگروں کے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ لوگ مسلح ہوں گے۔ ان کی اطلاعات کے مطابق تو پورے پونچھ شہر میں ایک بھی مجاہد کے پاس رائفل یا پستول نہیں تھا' جب سامنے سے گولیاں آئیں تو وہ رکنے پر مجبور ہو گئے۔

انہیں احساس تھا کہ پہاڑیوں کا فائدہ دونوں فریقوں کو یکساں حاصل ہے۔ شیرو کے آڑ میں ہونے کی وجہ سے جب تک وہ اسے گھیر کر گرفتار کرتے' وہ ان کے دو تین ساتھیوں کو چاٹ جاتا۔ میجر رام سنگھ نے بڑی سختی سے انہیں ہدایت کی تھی "وہ تخریب کاروں کو زندہ گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کریں۔"

میجر رام سنگھ کو مہاراجہ نے خاص طور سے اس علاقے میں تازہ دم فوج اور بے شمار اسلحے کے ساتھ سدھنوں کی سرکوبی کو بھیجا تھا۔

———مقامی غداروں کا ایک ٹولہ گھر کے بھیدیوں کی شکل میں پہلے ہی یہاں موجود تھا جو سرکاری حکام کو خبریں پہنچا رہا تھا۔ ان لوگوں کی وجہ سے ان کا کام خاصا آسان ہو گیا تھا۔ ورنہ حریت پسندوں کا مقامی نظام جاسوسی اتنا بھرپور اور مکمل تھا کہ ان میں سے کسی کو گرفتار کرنا مہاراجہ کے تنخواہ دار سپاہیوں کے لیے کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا۔

☆○☆

شیر محمد کے پاس بمشکل پچیس تیس راؤنڈ باقی بچے تھے جو اس نے پوزیشن بدل بدل کر اس طرح فائر کیے کہ دشمن تعداد کے دھوکے کا شکار ہو جائے۔ وہ کبھی باقاعدہ فوجی تو رہا نہیں تھا' لیکن حوالدار کی محض چند ماہ کی جان توڑ محنت نے اس میں ایک گوریلے کی سی

HBC

[illegible] معلوم ہو رہی تھی۔ باہر [illegible]

"[illegible]" شیرو [illegible] جانتے ہو؟ [illegible] سے [illegible] تھا۔

[illegible]

شیرو کی پسلیوں میں [illegible] شروع کر دیے لیکن وہ ابھی تین چار [illegible] ہی مار پایا تھا کہ شیرو نے غصے سے تلملاتے ہوئے اپنی لات اس کی طرف گھما دی جو آگے کی سمت جھکے ہوئے حوالدار کے پیٹ میں اتنی زور سے لگی کہ وہ اپنی جگہ کھڑا نہ رہ سکا اور لڑکھڑا کر گر پڑا۔

اس کی اس حالت پر اس کے ساتھیوں نے ایک زوردار قہقہہ بلند کیا۔ سکھ حوالدار کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے دیوانہ وار جھپٹ کر اپنی رائفل اٹھائی اور سنگین سیدھی کر کے شیرو کے پیٹ میں مارنا چاہی کہ اچانک ایک گرجدار آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

اس کا کمانڈنگ افسر ایک طرف سے اچانک نمودار ہوا تھا۔ وہ ان سب کو گھور گھور کر کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ "اسے چوکی لے چلو۔" اس نے اپنے جوانوں کو ہونٹ چباتے ہوئے حکم دیا اور جس طرف سے آیا تھا اسی طرف لوٹ گیا۔

شیرو

شیرو کو ہوش آیا تو وہ تھانے کی حوالات میں پڑا تھا۔ [illegible] اس نے [illegible] بند [illegible] رہا تھا۔

شیرو کو اپنے بدن میں لرزاہٹ کا احساس ہو رہا تھا۔ حلق میں ایک عجیب سی تلخی رینگ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھا۔ اس کے ہاتھ کھول دیے گئے تھے اور وہ اکیلا ایک کوٹھڑی کے فرش پر پڑا تھا جس کی چھت خاصی اونچی تھی۔ ایک روشندان تھا جو چھت سے بمشکل ایک آدھ فٹ نیچے تھا اور فولادی سلاخوں سے بند کیا گیا تھا۔ روشنی کی کرنیں کوٹھڑی میں آ رہی تھیں جو اس بات کا اعلان تھا کہ صبح ہو گئی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کل رات سے اب تک بے ہوش رہا ہے۔ اس نے چاہا کہ اٹھ کر بیٹھ جائے لیکن جیسے ہی اس نے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانا چاہا ایک کراہ اس کے ہونٹوں سے پھسل گئی اور وہ ہونٹ چبا کر رہ گیا۔ پسلیوں میں لگنے والی ٹھوکروں نے اس کا جسم دکھتا ہوا پھوڑا بنا دیا تھا۔

آخر کسی نہ کسی طرح وہ دیوار کے سہارے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے ٹیک لگا لی۔

ابھی تک کوئی سنتری وہاں نہیں آیا تھا۔ اس کے حلق میں کانٹے سے چبھنے لگے۔ بمشکل اس نے تھوک نگلا اور اسی سوچ میں تھا کہ کسی کو آواز دے کر پانی طلب کرے یا خاموش رہے کہ اسے قدموں کی چاپ سنائی دی —— اس کی آنکھیں حوالات کی سلاخوں پر جم گئیں۔

آنے والا کوئی مسلمان سپاہی تھا۔ اس نے شیرو کو ہوش میں آتے دیکھا تو سلاخوں والے دروازے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بڑی عجیب سی نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ شیرو اندازہ نہ کر سکا کہ اس کی آنکھوں میں اس کے لیے ہمدردی ہے یا نفرت۔ اسے شیرو پر رحم آ رہا ہے یا غصہ۔ بس وہ چپ چاپ ٹکٹکی باندھے اسے ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔

اس کا دل چاہا کہ اس سے پانی مانگ لے، لیکن اس کی غیرت نے دشمن کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے احتراز برتا۔ [illegible] نے جب دیکھا کہ وہ کچھ بولتا ہی نہیں تو نہ [illegible]

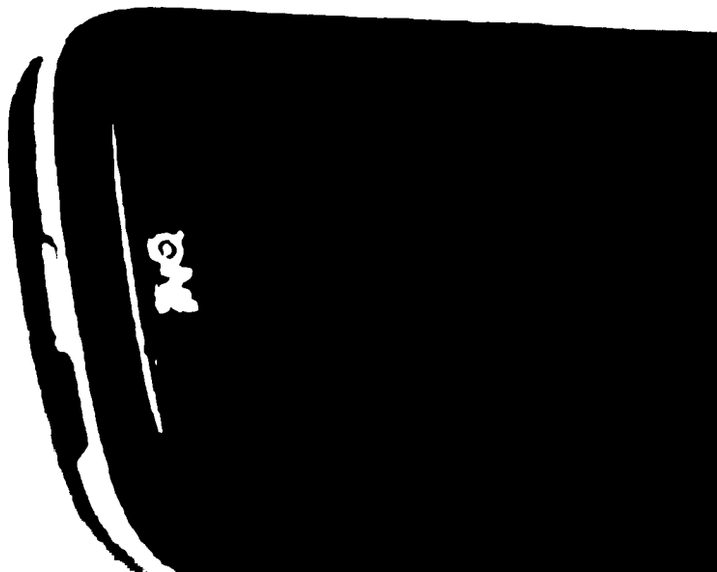

HBC

[illegible] قدم پیچھے ہٹ گئے تھے۔ اس نے [illegible] مداخلت کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر وہ واپس مڑا اور [illegible] گیا۔

"کیسی ہے کوئی صورت ہے؟" اس نے اپنے [illegible] دروازے کی سلاخوں سے [illegible] دریافت کیا۔ شیرو نے اس کے بولنے پر چونک کر اس کی طرف دیکھا اور [illegible] بولنے کے بعد [illegible] جھکا لیا۔ اس کے اس عمل پر سنتری کو دکھ سا ہوا [illegible] شیرو نے اسے جواب دینے کے قابل ہی نہیں [illegible] کسی بے جان [illegible] اس نے ایک مرتبہ پھر اپنا وہی سوال دہرایا۔ اس مرتبہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے [illegible] بے اختیار نکل گیا۔

"مجھے پانی پلا دو ..."

[illegible] اسے فوراً شاید اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ اس نے نظریں ادھر ادھر [illegible] سنتری کوئی بات کیے بغیر وہاں سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔ اس کی واپسی [illegible] منٹ بعد ہی ہو گئی۔ اس نے ہاتھ میں پیتل کا لوٹا پکڑا ہوا تھا جو پانی سے بھرا تھا۔ [illegible] نے شیرو کو نزدیک آنے کا اشارہ کیا اور لوٹا دروازے کی سلاخوں سے لگا دیا۔ شیرو [illegible] جسم سے درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، لیکن کسی نہ کسی طرح اس نے [illegible] اپنے ہونٹ دانتوں سے کاٹتا ہوا دروازے کے نزدیک ہو گیا۔ سنتری نیچے بیٹھ کر [illegible] رہا تھا۔ شیرو نے دونوں ہاتھوں کی اوک بنا کر بمشکل دو گھونٹ پانی [illegible] اسے یوں لگا جیسے اس کا گلا بند ہو چکا تھا اور اب دو گھونٹ پانی اندر جانے سے [illegible] بات کہ اس کا حلق دکھنے لگا تھا۔ تکلیف برداشت کرتے ہوئے اس نے [illegible] منہ پر پانی کے چھینٹے مارے تو اسے کچھ سکون ملا۔

"تم نے بھی [illegible] کیا ہے۔ کم از کم اپنی اکیلی ماں کا ہی خیال کیا ہوتا۔" سنتری نے [illegible] ہوئے آہستہ سے کہا۔

شیرو نے اس کی طرف اس طرح دیکھا جیسے اس نے شیرو کو کوئی گالی دی ہو۔ اس کی آنکھوں کا رنگ اور چہرے کی بدلتی ہوئی کیفیت کو سنتری نے بخوبی محسوس کر لیا تھا۔ اسے [illegible] سا ہوا کہ اس نے شیر محمد سدھن سے ایسی بات کیوں کہہ دی۔

"[illegible] تمہارا جنم کسی میری ماں جیسی کشمیری ماں کے بطن سے ہوا ہوتا تب تم [illegible] بات مجھے نہ کہتے۔" شیرو کے جواب نے سنتری کو اپنی جگہ منجمد کر کے رکھ دیا۔

[illegible] سنتری [illegible] سامنے [illegible] انسپکٹر [illegible] اس کے [illegible] تھا کہ وہ کسی بھی [illegible] ہے۔

میجر رام سنگھ نے [illegible] کر اس کی طرف دیکھا جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے [illegible] کا ارادہ رکھتا ہو۔ شیرو اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنی آنکھیں [illegible] میجر رام سنگھ کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔ ایک [illegible] زندگی میں [illegible] پر پہلی مرتبہ آیا تھا۔ اگر دونوں کے درمیان سلاخیں حائل نہ ہوتیں تو وہ شیرو کی آنکھیں نکال دیتا۔

اس کے چہرے سے چھلکتے غیظ و غضب کو انسپکٹر میر نے محسوس کر لیا تھا۔ [illegible] ہونے پر کچھ زیادہ ہی ناز تھا۔ وہ آگے بڑھا اور [illegible] میں آتی ہوئی تمام گالیاں اسے دے کر شیرو کو حکم دیا کہ وہ میجر سے نظریں جھکا کر بات کرے۔

"میں تمہاری طرح نہ تو اور کشمیر کا کوئی بے غیرت نطفہ ہوں نہ ہی [illegible] کا [illegible] تک۔" شیرو نے غصے سے کھولتے ہوئے اسے جواب دیا۔

انسپکٹر میر نے اسے جواب میں بے شمار مغلظات سے نوازا اور اپنے سنتریوں کو اسے باندھ کر لانے کا حکم دے کر غصے میں کھولتا ہوا اس کمرے کی طرف چل دیا جو کشمیری حریت پسندوں کے لیے خاص طور سے تیار کیا گیا تھا۔

میجر رام سنگھ اس کے ساتھ قدم ملا کر چلا آ رہا تھا۔ دونوں اس کمرے میں پہنچنے تک شیرو کو گالیاں بکتے آئے تھے۔ وہ اس کی بوٹیاں نوچ لینے پر تلے ہوئے تھے۔

کمرے میں پہنچنے تک ایک شیطانی منصوبہ میجر رام سنگھ کے ذہن میں آ چکا تھا اور ایک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ناچنے لگی تھی۔ انسپکٹر میر اس کے موڈ کی اچانک تبدیلی پر حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

☆○☆

شیرو کے ہاتھ ہتھکڑی سے باندھ کر اسے گھسیٹتے ہوئے وہ لوگ میجر رام سنگھ کے سامنے لائے تھے کیوں کہ اس نے اپنے قدموں پر چل کر آنے سے انکار کر دیا تھا۔ کمرے میں [illegible] اس پر وحشیوں کی طرح [illegible] سر [illegible] کا کچھ [illegible]

متاثر ہو کر رہا تھا اگر رام سنگھ شیرو کو دو گالیاں دیتا تو انسپکٹر میر اسے دس گالیاں دیتا۔ اگر رام سنگھ اسے ایک ٹھوکر مارتا تو وہ اسے چار ٹھوکریں رسید کرتا۔
رات سے وہ بھوکا پیاسا یہ اذیت برداشت کر رہا تھا۔ جلد ہی وہ ادھ موا ہو کر گر پڑا اس پر بے ہوشی طاری تھی۔

"لے جاؤ اسے۔ کہیں کمبخت مر ہی نہ جائے۔ اس سے ہمیں بہت کچھ اگلوانا ہے۔ اسے کھانا کھلاؤ۔ میں شام کے بعد آؤں گا۔" اس نے اپنے سنتریوں کو حکم دیا جو اسے پکڑ کر لائے تھے اور وہ لوگ شیرو کو ڈنڈا ڈولی کرتے واپس لے گئے۔

"بڑا ڈھیٹ معلوم ہوتا ہے کمبخت۔" انسپکٹر میر نے اپنی پگڑی سر پر جماتے ہوئے میجر رام سنگھ سے کہا۔

جواب میں رام سنگھ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "میر صاحب! یہ طوطے کی طرح ٹیں ٹیں کرے گا۔ میرے ذہن میں ایک علاج آیا ہے اس کا۔ میرے آدمی کام کر رہے ہیں جیسے ہی مجھے مطلوبہ اطلاع مل گئی' پھر دیکھنا میرے ہاتھ۔ ایسے مجاہدین تو میری جیب میں پڑے رہتے ہیں۔" اس نے خاص طرز سے کہا۔

شیرو کو ہوش آیا تو وہی سنتری اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کا رواں رواں فریادی تھا' لیکن اس نے اب اس اذیت کے متعلق سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ اب اسے صرف ایک ہی فکر پریشان کر رہی تھی کہ اس کی ماں اور اس کا دوست شرفو کس حال میں ہیں؟

اسے ہوش میں آتے دیکھ کر وہی سنتری ایک طرف چل دیا۔ اس کی واپسی دو آدمیوں کے ساتھ ہوئی جو اس کے لیے کھانا اور قہوہ لیے چلے آ رہے تھے۔

"میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ لے جاؤ۔ غدارو! بے شرمو!" اس نے آنے والوں کو دیکھتے ہی جوش غیظ و غضب کا مظاہرہ کیا۔

"یہاں رکھ دو اور چلے جاؤ۔" اسی سنتری نے آنے والوں سے کہا۔

وہ لوگ سامان خورد و نوش وہیں رکھ کر چلے گئے۔ اب وہاں سنتری اور اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ سنتری نے اسے اپنی طرف مخاطب کیا اور شیرو نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

"میرا نام سجاول ہے بیٹا۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں شیرو کو مخاطب کیا۔ "اگر میری بات پر اعتبار کر سکتے ہو تو جان لو کہ میں تمہارا ساتھی ہوں۔"

شیرو نے اس کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اس نے کوئی بڑی عجیب سی بات کہہ

دی۔

"ٹھیک ہے تمہاری زبان پر اعتبار کرنے میں تمہاری چکنی چپڑی باتوں میں آ کر اپنے کسی ٹھکانے کا انکشاف کر دوں اور تمہیں مہاراجہ کی خدمت کرنے کا ایک سنہری موقع مل جائے۔" شیرو نے بڑے طنزیہ لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"تم اس وقت جو جی چاہے کہہ لو بیٹا' مگر ایک بات یاد رکھو۔ وقت بہت کم ہے۔ اگر ہم دونوں ایک دوسرے سے اس کی وفاداری کا ثبوت ہی مانگتے رہے تو ممکن ہے رام سنگھ اپنے گھناؤنے منصوبے پر عمل کر گزرے۔ فی الوقت صرف کھانا کھاؤ جو تمہارے لیے بہت ضروری ہے۔ باقی باتیں شام کو ہوں گی۔ میری ڈیوٹی اب ختم ہونے والی ہے۔ کسی نہ کسی طرح آج کا گشت بھی کٹ لو' کل قدرت یقیناً کوئی بہتر سبب پیدا کر دے گی۔" شیرو نے کچھ کہنا چاہا ہی تھا کہ سجاول نے اس کی توجہ اس سمت آتے قدموں کی آواز کی طرف مبذول کر کے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اسے گالیاں دے دے کر کھانا کھانے کا حکم دینے لگا۔

☆○☆

میجر رام سنگھ بڑی بے چینی سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اسے کسی کی آمد کا انتظار تھا۔ بالآخر وہ آ ہی گیا۔ ایک کشمیری پنڈت اس کے سامنے ہاتھ جوڑے اسے نمسکار کر رہا تھا۔

"ہاں لالہ جی؟" میجر رام نے بے چینی سے پوچھا۔

"مہاراج جی! اس کا تو کوئی نام و نشان نظر نہیں آتا۔" پنڈت گھگھیایا۔

"کیا مطلب؟" رام سنگھ کو اچانک جھٹکا لگا۔

"میں نے ایک ایک گھر پر اپنے مخبر لگا رکھے ہیں مائی باپ لیکن وہ بڑھیا تو یوں غائب ہوئی جیسے اسے آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی۔"

"پنڈت مہاویر پرشاد!" میجر رام سنگھ نے اسے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔ "نہ تو میں دودھ پیتا بچہ ہوں نہ تم۔ دماغ کو حاضر رکھ کر بات کرو پنڈت جی۔ پونچھ کوئی لاکھوں کی آبادی کا شہر نہیں کہ یہاں سے کسی کے غائب ہونے کا پتہ نہ چلے۔ مجھے شیرو کی ماں آج شام تک ہر صورت میں چاہیے ورنہ........" اس نے فقرہ نامکمل چھوڑ دیا۔

"میں اپنی مقدور بھر کوشش کر رہا ہوں مائی باپ۔ آپ دھیرج رکھیے۔ جائے گی کہاں؟" پنڈت نے بڑی مکاری سے دانت نکالے' لیکن اس کا چہرہ یک دم سنجیدہ ہو گیا جب رام

سنگھ نے اچانک اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے تمہاری باتیں نہیں' شیرو کی ماں چاہیے۔ اسے کہیں سے بھی پیدا کرو' کہیں سے بھی۔ دفع ہو جاؤ۔"

"جاتا ہوں مہاراج' جاتا ہوں۔ دو گالی' بے دو گالی۔"

اور پنڈت مہاویر پرشاد باہر نکل آیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس مقتل کے اندھے میجر کو کیسے سمجھائے کہ شیرو کی گرفتاری کے فوراً" بعد ہی اس کی ماں گھر سے غائب ہو گئی تھی۔ شاید اس نے اپنے انجام کا اندازہ لگا لیا ہو گا یا اسے حسین خان کے آدمیوں نے یہاں سے کسی محفوظ مقام پر منتقل کر دیا ہو۔

پنڈت مہاویر پرشاد کے باہر جاتے ہی میجر رام سنگھ نے میز پر رکھی گھنٹی پر ہاتھ مارا اور ایک سنتری اندر داخل ہوا۔

"لے آؤ اسے۔" اس نے سنتری کے ایڑیاں بجاتے ہی حکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنے شیر محمد اس کے سامنے موجود تھا۔ میجر رام سنگھ اس کی ماں کو تڑپ کا پتہ بتانا چاہتا تھا' لیکن اس کی پراسرار گمشدگی نے اس کے سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔ اب وہ اپنی تمام ناکامیوں کا بدلہ اسی سے لینا چاہتا تھا۔

اس کے اشارے پر ایک سپاہی نے ہتھکڑی کا دوسرا سرا وہاں دیوار ہی میں گڑی ایک مضبوط سلاخ میں پھنسا کر تالا لگا دیا۔

"حسین خان کہاں ہے؟" اس نے بید ہاتھ میں پکڑے اسے سرد آنکھوں سے گھورا۔

"تمہارے سامنے کھڑا ہے۔" شیر محمد نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"تم لوگ اس طرح نہیں ماننے والے۔" رام سنگھ نے اپنے دانت پیسے۔

"یہاں کا ہر آزادی پسند حسین خان ہے۔ تم کس حسین خان کی بات کر رہے ہو؟"

شیرو نے اس کا تمسخر اڑایا۔ اس کو اپنی بات کا جواب بازو پر پڑنے والے زوردار بید کی شکل میں ملا جو سنسناتا ہوا اس کے گوشت میں اتر گیا تھا۔

"کہاں ہے حسین خان۔۔۔۔؟" رام سنگھ جوش غیظ و غضب میں چلاتے ہوئے اس پر [illegible] برسانے لگا۔

[illegible] ضرب شیرو کو اپنی ہڈیوں میں گھستی محسوس ہو رہی تھی' لیکن اس نے اذیت [illegible] بجائے فریاد کناں ہونے کے رام سنگھ کو گالیاں دینے لگا۔ اس کی ہر [illegible] اضافہ [illegible] رہی تھی۔ وہ اس کو مارتے مارتے اب بے بس

[illegible] کی طرح ہانپنے لگا تھا۔ اس کے ہاتھ شل ہو گئے تھے۔ شیرو کے بدن پر [illegible] کی تک [illegible] رہے تھے۔ اس کے قریباً سارے جسم سے خون بہہ رہا تھا' لیکن وہ [illegible] آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔

رام سنگھ بے بس ہو کر ایک آرام کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ [illegible] ایک [illegible] میں [illegible] لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔

"بس بزدل!" شیرو کی آواز میں [illegible] کڑک رہی تھی۔

جواب میں رام سنگھ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے گھنٹی پر ہاتھ مارا اور اندر آنے والے سنتری کو کچھ اشارہ کیا۔ دوسرے ہی لمحے دو لاٹھی بردار سنتری وہاں [illegible] تھے۔

"مارو اسے!" رام سنگھ نے ہانپتے ہانپتے اس کی طرف اشارہ کیا۔

جواب میں شیر محمد کا زوردار قہقہہ اسے پاگل ہی تو کر گیا۔ اس نے چاہا کہ وہ بھی اٹھ کر ان مار پیٹ کرنے والوں میں شامل ہو جائے' لیکن وہ بے بسی سے تلملا کر رہ گیا۔ دونوں لاٹھی بردار اسے روئی کی طرح دھنک رہے تھے۔۔۔۔ آدھ گھنٹے تک اذیت برداشت کرنے کے بعد وہ بالآخر بے ہوش ہو گیا۔

اس کے بے ہوش جسم کو پاؤں کی ٹھوکریں مار کر میجر رام سنگھ نے حکم دیا: "اسے اس کی کوٹھڑی میں پھینک آؤ۔" اس نے بڑے بڑے مجرموں کے کس بل نکال دیئے تھے۔ کشمیر بھر کے انٹروگیشن سینٹرز میں وہ قصائی کے نام سے پہچانا جاتا تھا' لیکن اس ۲۰ سال کے نوجوان کشمیری نے اسے ناکوں چنے چبوا دیئے تھے۔

شام کے بعد پنڈت مہاویر پرشاد پھر اس کے سامنے حاضر ہوا۔ پنڈت پچھلے دس سال سے سرکاری مخبر کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اسے پرنام کیا اور قبل اس کے کہ میجر رام سنگھ اس سے کچھ دریافت کرے' نہایت مکاری سے ایک آنکھ دباتے ہوئے اس نے رام سنگھ کو مخاطب کیا: "مہاراج بڑھیا تو نہیں ملی' ایک اور شے ہاتھ آئی ہے۔ مائی باپ شیرو تو کیا اس کے باپ کی قبر سے اس کی ہڈیاں بھی بولنے لگیں گی۔"

"کیا؟ کون ہے وہ؟" رام سنگھ نے بڑی بے چینی سے پہلو بدلا۔

"زہراں!" پنڈت نے بڑی بے شرمی سے آنکھ اور ہاتھ کا اشارہ کیا۔

"لیکن اس کا تو........" رام سنگھ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ وہ پنڈت مہاویر پرشاد کی رگ رگ سے واقف تھا۔

☆○☆

تقسیم ہند سے چند ہفتے پہلے جب قائداعظمؒ دلی میں قیام فرما تھے' ایک وفد نے ان سے ملاقات کی۔ اس وفد میں موجود بیشتر لوگ مسلم لیگ سے متعلق تھے' لیکن ان میں ایک مسلمان فوجی افسر بھی شامل تھا جو "آرمڈ فورسز پارٹیشن سب کمیٹی" کا ممبر ہونے کی وجہ سے کچھ خدشات کی تہہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے قائداعظمؒ کو بتایا کہ مہاراجہ کشمیر پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے سے گریز برت رہا ہے۔ اس نے اس خدشے کا اظہار بھی کیا کہ آزادی ہند کی تحریک کا ہیرو شیخ محمد عبداللہ جو تصور پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش رہا ہے' دراصل مہاراجہ کے ہاتھ مضبوط کر رہا ہے۔

قائداعظمؒ نے اس مستقبل کے جرنیل (طارق) کو تشفی دی اور فرمایا کہ دو افراد کا فیصلہ کبھی ساری قوم کا فیصلہ نہیں کہلاتا۔ نظریہ پاکستان کشمیری مسلمانوں کے دل میں بھی گھر کر چکا ہے۔ شیخ عبداللہ کی مخالفت کے باوجود کشمیری غیور مسلمان پاکستان سے الحاق کے حق میں ووٹ ڈالیں گے۔

لیکن ستمبر ۱۹۴۷ء ہی میں مری پہنچنے والے کشمیری مہاجرین کی تباہ حالی چلا چلا کر اس جرنیل کے خدشات کی تصدیق کر رہی تھی۔ ان لوگوں کی زبانی علم ہوا کہ مہاراجہ کی ستم رانیاں اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہیں۔ اس کی فوج اور مسلح غیر مسلموں نے کشمیری مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ وہ لوگ بے دریغ قتل عام اور لوٹ مار میں جتے ہوئے ہیں تاکہ مسلمان گھبرا کر ریاست سے بھاگ جائیں اور انہیں اپنے گھناؤنے مقاصد میں خاطر خواہ کامیابی بھی حاصل ہو رہی ہے۔

یہ بڑی سنگین اور روح فرسا خبر تھی۔ حکومت اس سے آنکھیں بند نہیں کر سکتی تھی۔ نہ صرف کشمیری مسلمانوں بلکہ نوزائیدہ مملکت پاکستان کے تحفظ کا تقاضا بھی یہی تھا کہ کشمیر کو بھارت کی جھولی میں نہ گرنے دیا جائے۔ ہر ذی شعور یہ محسوس کر سکتا تھا کہ اگر بھارتی افواج نے کشمیر کی سرحدوں پر ڈیرے ڈال دیئے تو راولپنڈی سے لاہور تک ۱۸۰ میل لمبی سڑک ان کے براہ راست حملوں کی زد میں آ کر بالکل غیر محفوظ ہو جائے گی۔ اس رابطہ لائن کے دفاع کے لیے فوج کا ایک بڑا حصہ مختص ہو جاتا اور لاہور فرنٹ کمزور پڑ جاتا۔ جس کے بعد بھارت کے لیے ہماری رابطہ لائن توڑ کر لاہور' سیالکوٹ' جہلم اور گجرات کو پاکستانی افواج [illegible] راولپنڈی سے کاٹ دینا چنداں مشکل نہ رہتا۔

[illegible] مری [illegible] سے دو سو میل دور تھے' لیکن کشمیر میں بھارتی فوج کے آ جانے سے [illegible] بیٹ [illegible] امن اور جنگ دونوں صورتوں میں یہ حالات ہمارے سر

[illegible] دھارے کی تلوار بن کر لٹک رہے تھے۔ زرعی زراعت کا دارومدار بھی ان دریاؤں پر تھا جو کشمیر سے نکلتے تھے۔ مرالہ ہیڈورکس سرحد کے صرف ایک میل اندر اور منگلا ہیڈورکس کشمیر میں واقع تھے۔ دوسری طرف خود کشمیر کی اقتصادیات بھی پاکستان سے وابستہ تھی۔ کوہالہ مظفرآباد کی تجارتی شاہراہ کشمیر کی وہ واحد شاہراہ تھی جو سارا سال کھلی رہتی تھی اور یہ مظفرآباد سے کوہالہ کے راستے پاکستان میں داخل ہوتی تھی۔ دیودار اور چیل کی لکڑی جو ریاست کی آمدن کا سب سے بڑا ذریعہ تھی' دریائے جہلم کے راستے پاکستان میں داخل ہوتی تھی۔

یہ ثبوت تھے اس بات کے کہ کشمیر کا پاکستان سے الحاق صرف "خواہش" نہیں بلکہ ایک لازمی ضرورت اور پاکستان کی سالمیت کا بھرپور تقاضا بھی ہے۔ کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت پاکستان سے الحاق کی حامی تھی۔ ان پاکستان دوست کشمیریوں کو جب جبراً بے گھر اور بے وطن کیا جانے لگا اور کشمیر سے بھارت کے "جبری الحاق" کی راہیں استوار ہونے لگیں تو درد مند پاکستانیوں کے دل دہل گئے۔

☆○☆

کشمیر میں جنگ آزادی اور مہاراجہ سے نجات کا جو شعلہ بھڑکا تھا' اس کی تپش کو قائم رکھنا ازحد ضروری تھا۔ وقت کا تقاضا تھا کہ پاکستانی افواج آگے بڑھیں اور اپنا جائز اور پیدائشی حق حاصل کر کے رہیں' لیکن قباحت یہ تھی کہ پاکستانی فوج کا کمانڈر انچیف انگریز تھا اور کلیدی اعلیٰ افسران بھی انگریز ہی تھے' جن سے کسی مدد کی توقع دیوانے کا خواب تھی۔

اس سلسلے میں پاکستانی افواج کے جو محب وطن افسران جان ہتھیلی پر رکھ کر ملک کی حفاظت اور کشمیر کی آزادی کے لیے تل گئے تھے' ان کی کمانڈر اسی "فورسز پارٹیشن کمیٹی" کے ممبر کے حصے میں آئی' جس نے تقسیم ملک سے پہلے ہی قائداعظمؒ کو اس خدشے سے آگاہ کر دیا تھا اور یہ تھے سابق میجر جنرل اکبر خان جو بعد میں طارق بن زیاد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کشمیر کی جنگ آزادی میں جنرل طارق کے نام سے مشہور ہوئے۔

مسلم لیگ کے سرکردہ رکن اور قائداعظمؒ کے معتمد ساتھی میاں افتخار الدین مرحوم کو قائداعظمؒ نے کشمیری رہنماؤں سے مل کر جنگ آزادی سے پیدا شدہ صورت حال اور [illegible] دی جانے والی ممکنہ امداد کے لیے جائزہ لینے سری نگر روانہ فرمایا تھا۔ میاں افتخار الدین نے [illegible] میں جنرل طارق سے درخواست کی کہ وہ اس سلسلہ میں کوئی مسی [illegible] فورا [illegible] جنرل ان پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح تھی بلکہ کہ بھی [illegible]

HBC

کے وقت وہ اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ جو بھی کارروائی ہو گی' غیر سرکاری سطح پر ہو گی۔ پاکستانی فوج یا اس کے افسران کے اس میں عملاً حصہ لینے کی کوئی گنجائش نہیں۔

☆○☆

یہی تھے وہ غیر واضح' ناکافی اور مبہم حقائق جن کی روشنی میں طارق بن زیاد کے سپاہی جنرل طارق (میجر جنرل اکبر خان) مسلم کانفرنس کشمیر کے لیڈر سردار ابراہیم سے ملنے جا رہے تھے جو کشمیری حریت پسندوں کے لیے امداد حاصل کرنے پاکستان آئے ہوئے تھے۔

جنرل طارق کو حریت پسندوں نے بتایا کہ فی الوقت پانچ سو رائفلیں مل جائیں تو وہ اپنے ساتھیوں کی مدد سے پہلے سے جاری شدہ تحریک آزادی کشمیر کو خاصی تقویت پہنچا سکتے ہیں۔ انہی کی زبانی جنرل طارق کے علم میں یہ بات بھی آئی کہ حریت پسند جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپے بے چینی سے کسی مدد کے منتظر ہیں۔ وہ تمام سابقہ انڈین آرمی کے تربیت یافتہ فوجی ہیں اور ان کے حرکت میں آتے ہی جنگ آزادی کا نقشہ پلٹ جائے گا۔

جنرل طارق کے خیال کے مطابق انہوں نے بہت کم رائفلیں مانگی تھیں۔ کشمیر میں بغاوت کو سنبھالا دینے کے لیے اس سے کہیں زیادہ تعداد میں اسلحہ درکار تھا' لیکن سوال اس بات کا نہیں تھا کہ اسلحے کی کتنی مقدار درکار ہے۔ سوال یہ تھا کہ وہ لوگ کتنا اسلحہ حاصل کر سکتے ہیں۔

جنرل صاحب ان دنوں جنرل ہیڈکوارٹرز میں جنگی اسلحہ اور ساز و سامان کے ڈائریکٹر تھے اور اس ناطے سے یہ بات ان کے علم میں تھی کہ پاکستانی فوج کے پاس کتنا اسلحہ ہے؟ ہندوستان کی تقسیم کے نتیجے میں پاکستانی فوج کے حصے کا ایمونیشن ابھی تک انڈیا میں پڑا تھا۔ اگر یہ سارا اسلحہ پاکستان میں بھی ہوتا تو وہ اسے کشمیر میں استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ اس مقصد کے لیے کمانڈر انچیف کو اعتماد میں لینا ضروری تھا اور انگریز کمانڈر انچیف کے کانوں تک اگر ایسی کوئی اڑتی ہوئی خبر بھی پہنچ جاتی تو تکمیل شروع ہونے سے پہلے ہی بگڑ کر رہ جاتا کیونکہ وہ نہ صرف یہ کہ پاکستان آرمی کو کچھ نہ کرنے دیتا بلکہ اپنے خصوصی روابط کے پیش نظر بھارت کے کمانڈر انچیف کو بھی جو انگریز تھا' مطلع کر کے پہلے سے پیش بندی کی ہدایت کر دیتا۔

تو پھر کیا کیا جائے---؟

اسلحہ کہاں سے اور کیسے حاصل ہو---؟

اس سلسلے میں قدرت نے دو راستے خود بخود پیدا کر دیئے۔ جنرل ہیڈکوارٹرز میں پولیس کے لیے چار ہزار رائفلوں کی منظوری ہو چکی تھی' لیکن ابھی تک پولیس نے اس کی ڈیمانڈ نہیں

کی تھی۔ جنرل طارق کا پلان یہ تھا کہ وہ یہ چار ہزار پولیس کو جاری کروا کے پھر پولیس سے حاصل کر لیں۔

دوسری طرف آرڈیننس ڈپو کے کرنل اعظم خانزادہ آگے بڑھے۔ ان کی نظر میں اوری ایمونیشن کا ایک ایسا سٹاک موجود تھا جسے ضائع کرنے اور سمندر میں پھینک دینے کے احکامات جاری ہو چکے تھے۔ کرنل خانزادہ نے وعدہ کیا کہ وہ کاغذوں میں یہ اسلحہ سمندر میں پھینک دیں گے۔ کارروائی مکمل ہوتے ہی یہ اسلحہ بھی مجاہدین کو دے دیا جائے گا۔

مری کے ایک مکان کو یہ تاریخی شرف حاصل ہے کہ وہاں بیٹھ کر وہ منصوبہ تیار کیا گیا جو آزاد کشمیر کی فتح پر منتج ہوا۔ اس روز شام کے بعد جنرل طارق اور دوسرے حریت پسند اپنے محدود ذرائع اور وسائل کی کمیابی کے باوجود ایک منصوبہ ترتیب دینے بیٹھے تھے۔

☆○☆

مہاراجہ کی فوج نو ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی جن میں دو ہزار مسلمان تھے۔ اس منصوبے کی بنیاد اس مفروضے پر رکھی گئی کہ یہ دو ہزار مسلمان سپاہی کشمیر میں بغاوت پھیلتے ہی مہاراجہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور اپنے ہتھیاروں سمیت مجاہدین سے آ ملیں گے۔ کم از کم ان سے یہ امید ضرور تھی کہ وہ اس "بغاوت کی سرکوبی" کے دوران خود کو بے اثر بنائے رکھیں گے اور ضرورت پڑنے پر اپنے بھائیوں سے آن ملیں گے۔

بہرحال ان کے نکل آنے سے مہاراجہ کی فوج کی نفری سات ہزار رہ جاتی اور کشمیر جیسے پہاڑی علاقے کی حفاظت کے لیے یہ نفری نہ ہونے کے برابر تھی۔ سب سے بڑا خطرہ بھارتی مداخلت کا تھا کیوں کہ مہاراجہ ریاست کو خطرے میں دیکھتے ہی بھارت سے مدد طلب کر سکتا تھا۔

یہ اجلاس اس صورت حال پر بڑی سنجیدگی سے غور کر رہا تھا کہ ممکنہ بھارتی مداخلت کو کیسے روکا جائے۔ اس سلسلے میں بحث و تمحیص کے بعد بالآخر طے پایا کہ ان تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی جائے جہاں سے غیر ملکی فوجوں کو داخل ہونا تھا۔

ایک راستہ تو کٹھوعہ سے جموں تک کا تھا جہاں گوریلا دستہ اچھی بھلی فوج کے لیے بھی دشواریاں پیدا کر سکتا تھا۔ یہ صورت حال بھی صرف ڈیڑھ دو ماہ تک رہتی' اس کے بعد بارشوں سے یہ راستہ کیچڑ اور پانی کی وجہ سے تقریباً" بند ہو جاتا ہے۔ پھر دسمبر کے مہینے میں درہ بانہال پر شدید برف باری سے یہ راستہ بالکل بند ہو جاتا تھا۔

اس راستے کو مستقل روکے رکھنے کے امکانات تو کم تھے لیکن اندازہ [illegible] کہ اگر راستہ روک دیا جاتا تو مجاہدین کو تیاری اور ضرب لگانے کا خاصا وقت مل جاتا۔

دوسرا اور اہم طریقہ فضائی حملہ تھا۔ کشمیر میں ان دنوں صرف ایک سری نگر کا ہوائی اڈہ ایسا تھا جہاں فوج اتاری جا سکتی تھی لیکن یہ اڈہ شہر سے دور تھا اور چھاؤنی [illegible] فوری حفاظت کے انتظامات بہت ہی کم رہ جاتے تھے۔ جنرل طارق کا خیال تھا کہ اگر دو سو مسلح آدمی بھی ہوائی اڈے کے گرداگرد پھیل جائیں تو دشمن فوج کے [illegible] اترتے وقت زبردست نقصان پہنچائیں گے۔ دشمن فوج کو اترتے وقت ہی اتنا نقصان پہنچ سکتا ہے کہ اس کے لیے شہر میں داخل ہونا ناممکن ہو جائے گا۔

اس اجلاس نے حتمی طور پر حاصل ہونے والی چار ہزاروں رائفلوں کو اس طرح تقسیم کیا کہ ایک ہزار رائفلیں کوہالہ پل بند کرنے کے لیے، دو سو سری نگر ہوائی اڈے کے لیے، باقی [illegible] ہزار [illegible] رائفلیں پاکستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ والے علاقوں میں بانٹ دی جائیں گی۔ اسی سلسلے میں ایک اور پلان بھی زیر بحث آیا جس کی رو سے سابقہ انڈین نیشنل آرمی کے لوگوں کو جو پاکستان میں موجود تھے ایک فوجی افسر کی کمان میں پنجاب کے سرحدی علاقوں سے کشمیر میں داخل کیا جائے اور دوسرا گروپ میجر خورشید انور کی کمان میں کشمیر کی طرف سے داخل ہو جائے۔

☆○☆

[illegible] اچانک چونک پڑا۔ بات ہی ایسی تھی۔ نقاہت تھی یا مسلسل بیداری کہ اسے مدہوشی یا شاید نیند نے آ لیا۔ وہ دیوار کی طرف منہ کیے لیٹا ہوا تھا جب اس کے سینے اور دیوار کے درمیان کمر میں لپٹا کاغذ کا ٹکڑا آن گرا۔ [illegible] اس نے آنکھ کھولی اور [illegible] سے وہ کاغذ کا پرزہ اسی طرح اٹھا کر مٹھی میں بند کر لیا۔

پہلے اس نے اپنی دھڑکنوں کو نارمل کیا پھر کوٹھڑی کے دروازے میں لگی سلاخوں سے [illegible] سامنے اور دائیں بائیں حد نظر تک دیکھ ڈالی۔ وہاں کسی سنتری کا نام و نشان [illegible] تھا۔ [illegible] اس لمحے تجسس کی ایسی کیفیت نے آن لیا کہ اسے اپنے زخموں سے [illegible] تک نہ رہا۔ اس نے بڑی بے تابی سے کاغذ کا پرزہ کھول کر [illegible]

[illegible] کل رات فرار کے لیے تیار رہنا۔ روشن دان کی

[illegible]

[illegible] میجر رام سنگھ [illegible]

اب اسے اس بات سے کچھ ملامت نصیب ہوئی تو [illegible] طرف پانچ ماہ ایک معمولی ہستی کے ساتھ ہی اسے [illegible] دھوکوں کے زہریلے ناگ اس کے دل و دماغ کو ڈستے [illegible] مفروضہ اپنے ذہن میں قائم کر کے اس پر سوچتا [illegible] سوچا اگر ان لوگوں کو زہر سے اس کی نسبت [illegible] گزرے۔

میجر رام سنگھ یا انسپکٹر میر کس حد تک گر سکتے ہیں اس بات کا اندازہ [illegible] بھی وہ جانتا تھا کہ اس کے ہم وطن جب ضمیر فروشی پر اتر آئیں تو وہ کس حد تک جا سکتے ہیں۔ اور وطن کے انہی بے غیرتوں کے سبب وہ ابھی تک ڈوگرہ فوج کے ظلم و ستم کی چکی میں پستے آ رہے تھے ورنہ وہاں تو غیر مسلموں اور خصوصاً ڈوگرہ فوجیوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ اگر اس کے کشمیری جانباز ایک دفعہ جمعیت کی صورت دشمن کے خلاف اٹھ جاتے تو جس طرح ان کے اسلاف نے ۱۹۳۱ء میں شعلہ آزادی کی [illegible] سے بھڑکائی تھی پھر بھی یہ مشعل بجھنے نہ پائی۔

یہ انہی ملت فروشوں کا دم قدم تھا کہ آج لاکھوں غیور اور بہادر کشمیریوں کو چند ہزار ڈوگروں نے انسانوں سے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں بدل کر رکھ دیا تھا۔ کشمیر کے جس کونے سے بھی کوئی چنگاری سلگتی' یہ غدار ملت فروش وہیں حق نمک ادا کرنے پر تل جاتے اور وہ کام جو شاید مہاراجہ کے تنخواہ دار درندے برسوں میں انجام نہ دے پاتے' ان ننگ قوم ضمیر فروشوں کی مدد سے چند دنوں میں انجام پا جاتا۔

محض چند ٹکوں کے لالچ میں اگر کسی گھر کے بھیدی نے زہراں اور اس کی نسبت کی لنکا ڈھا دی تو کیا ہو گا؟ زہریلے ناگوں کی طرح یہ پریشان کن سوچیں اس کے ذہن میں پھن پھیلانے لگیں۔

زہراں

معمول کے مطابق آج بھی زہراں اپنے باپ کا کھانا لے کر آئی تھی۔ وہ دوپہر کو کھانا لے آتی اور شام ڈھلتے ہی واپس چلی جاتی۔ اس دوران وہ پھل توڑنے یا درختوں کے گرد اگی گھاس پھوس کی صفائی میں اپنے والد کا ہاتھ بٹاتی تھی۔

آج جب وہ واپسی کے لیے روانہ ہوئی تو نہ جانے کیوں ایک بے نام سے خوف نے اسے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ چلتے چلتے ایک دفعہ تو اس کے جی میں آئی کہ وہ واپس اپنے باپ کے باغ میں چلی جائے' لیکن کچھ سوچ کر اس نے اس فیصلے پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ اسے اپنی بزدلی پر اب غصہ آنے لگا تھا۔ پچھلے دس سال سے اس کا یہی معمول تھا۔ پہلے وہ اپنی ماں کے ساتھ آیا کرتی تھی۔ ایک روز جب اس کی ماں رات کو نماز پڑھنے کے بعد اس پر پھونکیں مار کر سوئی تو دوبارہ کبھی نہ اٹھی۔

آٹھ دس دن تک تو اس نے ماں کا سوگ منایا' پھر ننھی زہراں نے یہ گوارا نہ کیا کہ اس کا باپ روزانہ دوپہر کو گھر آ کر کھانا کھائے اور پھر تین چار میل کا پہاڑی راستہ طے کر کے واپس جائے۔ اس نے اپنے باپ سے ایک روز کہہ ہی دیا۔ "لالہ تم دوپہر کو نہ آیا کرو۔ کل سے میں تمہارے لیے کھانا لے آیا کروں گی۔"

باپ نے بڑی عجیب سی نظروں سے بیٹی کی طرف دیکھا۔ "لمبا فاصلہ ہے اور ـــــ پھر گھر پر بھی تو کسی کو ہونا چاہیے۔"

"بے بے جو ہے لالہ۔" ننھی زہراں نے باپ کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا جس کی آنکھیں کسی بھی لمحے چھلک جانے کو تیار بہ تیار تھیں۔

پہلے بھی ایسا ہی ہوتا تھا ان کے یہاں۔ ان کی بے بے ہی گھر رہا کرتی تھی۔ دونوں ماں بیٹی روٹی لے کر جایا کرتی تھیں اور دو تین گھنٹے باغ میں گزار کر واپس آ جاتی تھیں۔

لالہ نے اس خدشے کے پیش نظر کہ کہیں اس کے آنسو دیکھ کر ننھی زہراں رونا ہی نہ شروع کر دے' وہاں سے اٹھ جانے ہی میں مصلحت جانی اور جلدی جلدی دو چار نوالے

زہر مار کر کے وہاں سے اٹھ گیا۔

اگلے روز جب وہ دوپہر کو گھر کی طرف آ رہا تھا تو اپنے باغ سے بمشکل ڈیڑھ فرلانگ دور واقع اس پہاڑی موڑ پر جہاں گزرے درختوں سے ٹیک لگا کر "ماہیا" گایا کرتے تھے، اسے دور سے ننھی زہراں آتی دکھائی دی جس نے اپنے سر پر ماں کی طرح کپڑے کا "اینوں" بنا کر رکھا ہوا تھا اور اس پر بڑے سلیقے سے کھانے کے برتن سجائے ہوئے تھے۔ ——ایک پرسوز سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے چپک گئی۔ دور سے آتی زہراں بالکل ماں کا عکس نظر آتی تھی۔ بچوں کی شکلیں عموماً اپنے ماں باپ ہی سے ملتی ہیں، لیکن جس حد تک زہراں اپنی ماں سے مماثلت رکھتی تھی، اس پر کبھی کبھی خود لالہ بھی حیرت زدہ رہ جاتا۔

اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر اپنی لاڈلی کے سر سے برتن اتار کر زمین پر رکھے اور اسے اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ بے اختیار اس کے دونوں گالوں پر آنسوؤں کے قطرے بہہ نکلے، لیکن اس نے دوسرے ہی لمحے اپنی حالت پر قابو پا لیا۔ "ابھی تو چھوٹی ہے بیٹی۔" اس نے رندھے ہوئے گلے سے زہراں کو مخاطب کیا۔ "اکیلی تھک جایا کرے گی۔"

"نہیں لالہ۔" ننھی زہراں نے بڑی خود اعتمادی سے جواب دیا۔ "میں تھکنے والی نہیں ہوں۔"

لالہ اسے باغ میں لے آیا اور شام تک اسے ساتھ ہی رکھا۔ شام کو وہ گھر لوٹے تو پریشان حال بے بے نے خدا کا شکر ادا کیا۔

یوں تو شام کو دونوں باپ بیٹے اکٹھے ہی گھر واپس جایا کرتے تھے، لیکن جب درختوں پر پھل پکنے کے دن آتے تو لالہ ہفتے میں ایک آدھ دن ہی گھر آیا کرتا تھا۔ ان دنوں اس کا زیادہ وقت دن کو پرندے اڑانے اور رات کو جنگلی جانوروں سے پھلوں کی حفاظت ہی میں گزر جاتا۔ زہراں ان دنوں اکیلی شام کو گھر لوٹا کرتی تھی۔

☆○☆

وہ بھی پھلوں کی تیاری کے دن تھے۔ اس کا باپ تو وہیں رہ گیا اور وہ خراماں خراماں گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

——سورج کا سرخ آتشیں گولہ اس کی داہنی سمت آنے والے پہاڑی سلسلے کی اوٹ میں نیچے ہی نیچے ہوتا چلا جا رہا تھا۔ پہاڑیوں کی چوٹیاں لہو رنگ ہونے لگی تھیں۔ اسے ڈوبتے سورج کا منظر بہت پسند تھا اور اکثر وہ کافی دیر تک کسی جگہ رک کر اس منظر سے دل

بہلایا کرتی تھی۔ پہاڑی والے موڑ کے نزدیک بہتے نالے کے پاس وسعت قدرت نے بڑے بڑے سفید اور سیاہ رنگ کے پتھر بڑی نفاست سے سجا رکھے تھے۔ وہ گرمیوں کے دنوں میں ننگے پاؤں پتھروں پر سے پھسلتے پانی پر مچلتی سے پاؤں ڈال کر بیٹھ جاتی اور اس کی پنڈلیاں تک بے خبری میں پانی کی پھوار سے بھیگ جاتیں، لیکن وہ بے فکری سے ڈوبتے سورج کی شعاعوں میں ایسی غرق ہوتی کہ اپنے تن بدن کا اسے ہوش تک نہ رہتا۔

ایک روز یوں ہی بیٹھے بیٹھے جب اس نے دریا سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر رکھی تھیں تو اچانک کسی نے اس کا نام لے کر پکارا۔ زہراں ہڑبڑا کر اٹھی اور جب اپنے سامنے اس نے شیرو کو دیکھا تو گھبراہٹ سے اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ اس سے پہلے اس نے شیرو کا نام ہی سنا تھا یا بچپن کی وہ دھندلی سی یادیں تھیں جن کے سہارے اس نے محبوب شیرو کا ایک سراپا اپنے ذہن میں سجا رکھا تھا۔ شیرو اس کے تصورات سے بھی بڑھ کر خوبرو ہو گیا۔" جھرنے کی ساری گنگناہٹ اس کے بدن میں در آئی تھی۔

وہ لوگ تو پہاڑی کے پرلی طرف والے محلے میں بستے تھے جب کہ اس کا چچا زاد بھائی—— شیرو، بازار والے محلے میں رہتا تھا—— ان دونوں کو مقامی رسوم کے مطابق پیدائش کے فوراً بعد ہی ایک دوسرے سے منسوب کر دیا گیا تھا اور جیسے جیسے زہراں کا شعور بیدار ہوتا گیا، ایک حجاب سا اس میں پیدا ہونے لگا—— لڑکپن ہی میں اس نے شیرو سے پردہ کرنا شروع کر دیا تھا اور آج جب وہ اچانک اس کے سامنے آیا تو اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیسے اپنے حواس بحال کرے؟ تاہم اس نے بمشکل کھڑے ہو کر سلام کیا۔

"چچا سے ملنے جا رہا تھا، راستے میں تم نظر آ گئیں۔ سوچا حسین بھی دیکھتا چلوں کیسی ہو گئی ہو اب؟" شیرو نے جرأت کا مظاہرہ کیا۔

زہراں نے جواب میں صرف ایک مرتبہ نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے پر اکتفا کیا پھر کچھ کہے بغیر نظریں جھکا لیں، لیکن گونگے جذبوں کی زبان نے شیرو کے کانوں میں سرگوشی کی...... "ہاں تو کیسی لگتی ہوں؟"

"میرے تصورات سے بھی بڑھ کر خوبصورت ہو تم زہراں۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"جی——!" زہراں کی گھبراہٹ اور بڑھ گئی۔

اس دفعہ تو شیرو بھی گھبرا گیا۔ کسی نادیدہ طاقت نے بے اختیار اس کے جذبات کی ترجمانی اس کی زبان سے کروا دی تھی۔ اس کا یہ فعل قطعاً غیر ارادی تھا، پھر جیسے وہ مطمئن سا ہو

گیا ۔۔۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے یہ بات کہہ کر اس نے اپنے سر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا ہو۔ "ہاں زہراں۔" اس نے سنبھالا لیا۔ "میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ تم ۔۔۔۔۔۔" وہ اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔

پہاڑی کی اوٹ سے گذریا اور بھیڑیں ابھی نمودار ہوئی تھیں۔ شیرو کو امید تھی کہ زہراں بھی کچھ کہے گی، لیکن وہ خاموشی سے دوپٹے کے پلو کو انگلی کے گرد مروڑتی رہی۔ البتہ دو تین مرتبہ اس نے زمین پر گڑی اپنی نظریں اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ جیسے شیرو کے کہے الفاظ کی صداقت کو کریدنے کی کوشش کر رہی ہو اور وہاں سے جواب میں "حق حق" کی صدائیں سن کر پھر نظریں جھکا لیں۔

"اچھا میں چلتا ہوں۔" شیرو نے ڈھلان اترتی بھیڑوں اور رکھوالے پر نظریں جمائے کہا۔ زہراں کے سینے میں اس کی روانگی کے اعلان سے ایک ہوک سی اٹھی۔ بھیڑوں کے تعاقب میں آتا گذریا نمایاں ہونے لگا تھا۔ جب شیرو نے روانگی کے لیے پہلا قدم اٹھایا۔ زہراں کا ہاتھ بے اختیار روکنے کے سے انداز میں اس کی سمت اٹھا اور اٹھا ہی رہ گیا۔

"پھر آؤں گا۔" اس کے آگے کی سمت بڑھے ہاتھ کی لرزش نے شیرو کے اعصاب پر کپکپی طاری کر دی تھی۔ اس نے پلٹ کر بمشکل یہی ایک فقرہ کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس راستے کی طرف گھوم گیا جس پر چل کر زہراں یہاں آئی تھی۔

جانے والا تو چلا گیا لیکن زہراں کو ایک خوبصورت درد ہمیشہ کے لیے بخش گیا۔ یہ عجیب سرور بخش درد تھا جس کی لذت اس کی جان لیے جاتی تھی۔ جب تک بھیڑیں اپنی پیاس بجھانے کے لیے اس جھرنے پر زہراں کے گرد دست قدرت کے بکھرے پتھروں پر نہ پھیل گئیں۔ وہ ٹکٹکی لگائے اس راستے کو گھورتی رہی جو چند فرلانگ کے بعد گھوم کر اس کے لالہ کے باغ تک جا پہنچتا تھا۔ پھر اس نے اپنی بے قابو دھڑکنوں کو سمیٹا اور ایک سرشاری کے عالم میں اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور جھرنے سے گھر تک کا فاصلہ اس نے شیرو کے تصورات کی نذر کر دیا۔

☆○☆

اس کے بعد تو زہراں کا معمول ہو گیا کہ وہ اکثر یہاں سے گزرتے ہوئے "کسی" نہ آنے والے کی منتظر رہتی۔ دو ماہ اس اندوہناک انتظار میں بیت گئے، لیکن شیرو نہ آیا۔ پھر ایک روز وہ اس دن کی طرح اچانک ایک پہاڑی موڑ سے نمودار ہو کر اس کی راہوں میں آن کھڑا ہوا۔

اس دن شیرو کو دیکھتے ہی نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں میں نمکین پانی بہنے لگا اور ۔۔۔ اس کے گالوں سے پھسلتے آبدار موتیوں کو دیکھ کر شیرو کے دل پر کوئی ایک گھونسہ سا لگا۔

"کیا بات ہے زہراں؟" اس نے پہلی ملاقات کی طرح آج بھی بے اختیار آگے بڑھ کر زہراں کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ یہ انکشاف ہمدردی تھا یا اظہار، سسکیاں لے کر زہراں لپک کر اس کے سینے سے لگ گئی۔ "آپ کہاں تھے ۔۔۔ اس دن کے بعد سے؟" وہ سسک پڑی۔

"ارے پگلی کہیں کی، بات ہی ایسی ہو گئی تھی۔ ورنہ تو تمہیں بتانے آیا ہوں۔" اس نے زہراں کی پیٹھ پر تھپکی دے کر کہا۔

"کیا بات تھی ۔۔۔؟" زہراں یک لخت جیسے نیند سے بیدار ہو گئی۔ اس احساس نے کہ وہ بے اختیار شیرو کے سینے سے لگ گئی تھی، اس کی دھڑکنوں کی رفتار بڑھا دی ۔۔۔ حجاب اور احساس ناکردہ گناہ نے اس کے گالوں کی لوئیں تک سرخ کر دی تھیں۔

"آؤ زہراں، وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔" شیرو نے بہت سنجیدہ لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

شیرو کے لہجے کی سنجیدگی اور اس کی اس طرح پراسرار آمد نے زہراں کو چونکا دیا۔ وہ مجسس سی اس سمت اس کے تعاقب میں بڑھ گئی۔ جہاں وہ اس گزرگاہ پر آنے جانے والوں کی نظروں سے بالکل چھپ کر بیٹھ سکتے تھے۔ شیرو اسے یہاں تک لے تو آیا تھا، لیکن یہ بات اسے بھی پریشان کرنے لگی تھی کہ آخر زہراں کو وہ سب کچھ کہہ بھی پائے گا جو کچھ کہنے کے لیے اسے یہاں لایا ہے۔ کیا اس کا معصوم دل یہ صدمہ ۔۔ سہہ بھی سکے گا؟

وہ تو ایک مرتبہ مل کر دوبارہ نہ ملنے پر بلکنے لگی تھی۔ شیرو کو کچھ نہ سوجھتا تھا کہ آخر زہراں کو وہ کیسے مطمئن کر پائے گا۔ اس کا اس دنیا میں لالہ، بے بے اور شیرو کے سوا اور ہے ہی کون؟ دو تین ماہ بعد جب وہ لوگ پھلوں کی ایک فصل سے فارغ ہو جاتے تو لالہ دونوں کو رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیتا۔ اب جو اچانک وہ اسے ایک لمبی جدائی کے سامنے سے دوچار کرنے آیا ہے تو کیونکر وہ اس حادثہ جانکاہ سے سنبھل سکے گی؟ پھر ایک مضبوط ارادے نے، ایک قوی خیال نے جیسے اس کے خیالات کی ڈولتی ناؤ کو کنارہ دکھا دیا۔

اس نے سوچا وہ کوہساروں کی بیٹی سے مخاطب ہے۔ وہ ۔۔۔۔ اس نسل کا نمائندہ ہے جس کو حالات نے مادر کشمیر کو غیروں کے استبداد سے نجات دلانے کے لیے جدوجہد کرنے کی سعادت نصیب کی ہے ۔۔۔۔ وہ کشمیر کو ڈوگرہ فوج سے آزاد کروانے جا رہا ہے ۔۔۔۔ وہ

... ہی باہیں پھیلائے
اس کی سمت لپکی لیکن یہ کیا؟

اس نے دروازہ کھٹکھٹانے پر بھی جب کوئی باہر نہ نکلا تو وہ خود ہی دروازہ کھول کر اندر جا ... سارا گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ لالہ نے دیوانہ وار گھر کے تینوں کمروں میں

... کر لیا تھا۔

زہراں کی اچانک گمشدگی بوڑھی عورت کے حواس پر بجلی بن کر گری۔ لالہ نے محلے کی دو تین عورتوں کو مدد کے لیے بلا لیا تھا۔ سب نے مل کر اس کے تلووں کی مالش کی تب کہیں جا کر اسے ہوش آیا، لیکن وہ دیوانوں کی طرح ایک ایک سے اپنی زہراں کا پتہ پوچھنے لگی۔

[illegible]

"خدا کی قسم اسے اس جرم کی اتنی بھیانک سزا بھگتنا ہو گی کہ پونچھ کی پہاڑیاں بھی اس
[illegible] سے پناہ مانگیں گی۔ رات کا انتظار کرو دوستو! آج کی رات فیصلہ کن ہو گی۔
[illegible] مہلت نہ دیں گے۔" حسین خان کو اپنی آواز اجنبی لگ رہی تھی۔

"کیا خبر لائے؟" اس نے چھٹتے ہی بڑی بے چینی سے پوچھا۔

"حیرت ہے۔" نعیب نے عجیب سے لہجے میں جواب دیا۔

"پہیلیاں نہ بجھواؤ نعیب۔" حسین خان نے سخت اضطراب کا مظاہرہ [illegible]

بیپ کو بڑے مخدوش راستوں سے گزار کر لائے تھے۔ انہوں نے

بمبار اور راکٹوں سے مجاہدین کی صف بندیوں اور فوجی دستوں پر حملوں کی خبر نے اسے نہ

زہراں کو لاد رکھا تھا۔

——— زہراں کی شکل پر نظر پڑتے ہی ایک سنسناہٹ سی اس کے بدن میں دوڑ گئی: "یہ لوگ اس حد تک بھی گر سکتے ہیں؟" اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا لیکن——— مہاویر جیسے شیطان کو وہاں دیکھ کر اسے تعجب بھی نہ ہوا۔ سجاول نے وہاں رک کر خود پر کسی کو شک کرنے کا موقع نہ دیا اور وہاں سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا۔

اپنی رائفل جمع کرواتے وقت اس نے نے کوئی ایسی غیر معمولی حرکت نہ کی جس کی بنا پر بعد میں بھی کوئی اس پر شک کر سکتا۔ اب اسے گھر لوٹ جانا تھا۔ اس کی ڈیوٹی کل شام

نے اس کو کریدنے کے سے انداز میں پوچھا۔

"مجھے ذرا باغ تک جانا ہے' بڑا ضروری کام تھا حوالدار جی۔ میں تو آج چھٹی کرنے والا تھا' لیکن میر صاحب نے ایمرجنسی کی وجہ سے درخواست قبول نہیں کی——— میں نے سوچا چلو شام کو چلا جاؤں گا۔ خواہ مخواہ کیوں معمولی سی بات کے لیے افسروں کی منتیں کرتا پھروں۔" سجاول خان نے اسے مطمئن کر دیا۔

بیرک کی طرف جاتے ہوئے جہاں اس کے سویلین کپڑے رکھے ہوئے تھے' سجاول خان

[redacted]

رہے۔

جب ... نے ... والا حصہ عبور کر لیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس نالے کے کنارے ... تھا ... دوات کے بالکل ساتھ ہو ... تھا۔ ... کی ساری گندگی اسی نالے ... تصور میں بھی یہ بات ... کہ کوئی اس نالے میں کبھی

[redacted]

... رہا تھا ایک عجیب ...

بچے اس نے کوئی حرکت کی تو نہ جانے کیا قیامت گزر جائے۔

---اس کا حلق دہشت سے خشک ہو رہا تھا۔ سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔

... آہستہ اس کا ذہن بیدار ہونے لگا اور اسے ترتیب واقعات ... کی طرح ...

پنے ہونٹ پر ہاتھ مارتے ہوئے مد

میجر رام سنگھ کا حکم سنتے ہی اس کے دونوں ماتحت "جان بچی سو لاکھوں پائے" کا ورد کرتے باہر کو لپکے۔ چند منٹ بعد ہی فوجیوں کی مختلف ٹولیاں مختلف سمتوں میں زہراں اور اس کے اغوا کنندہ کی تلاش میں روانہ ہو گئیں۔

زہراں اور شیرو کی ماں دونوں اس کے ہاتھ آتے آتے نکل گئی تھیں۔ رام سنگھ سوچ رہا تھا کہ شیرو کی ماں تک تو ان کی رسائی ہی نہیں ہو سکی' لیکن زہراں کی یہاں موجودگی کا علم حریت پسندوں کو کیسے ہوا؟

رام سنگھ جانتا تھا کہ لالہ مہاویر کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں۔ وہ اس میدان کا پرانا کھلاڑی تھا اور ایسا گھاگ آدمی کبھی اتنا غیر محتاط نہیں ہو سکتا کہ وہ زہراں کے اغوا کا علم کسی کو ہونے دے ۔۔۔ اغوا ہونے سے تھانے پہنچنے تک اس نے تو کسی کو کانوں کان اطلاع نہیں ہونے دی تھی۔ اس کے خصوصی عملے کے سپاہی جو اس مہم پر اس کے ساتھ گئے تھے' ان میں سے بھی کسی کی وفاداری پر وہ شبہ نہیں کر سکتا تھا۔

۔۔۔ پھر اس نے فرض کیا کہ اگر حریت پسندوں کو اس بات کی خبر بھی ہو گئی تھی تو وہ بھی اتنی تیزی سے حرکت میں نہیں آ سکتے تھے۔ انہیں اس جگہ پہنچنے کے لیے رات کا انتظار کرنا چاہیے تھا اور جس راستے سے زہراں کو نکالا گیا تھا' اس طرف تو کوئی ذہن جا ہی نہیں سکتا تھا۔

اس کا ذہن مکمل بیدار تھا اور وہ تمام امکانات پر دماغ سوزی کر رہا تھا تاکہ جلد از جلد کسی نتیجے پر پہنچ کر کوئی راہ نکال سکے۔ میجر رام سنگھ بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ حرکت ضرور وہاں موجود لوگوں میں سے کسی کی ہے۔

۔۔۔ شاید کسی مسلمان فوجی یا پولیس والے نے زہراں کو اغوا کر لیا ہے یا وہ حریت پسندوں کا کوئی ساتھی ہے جس کی اطلاع پر وہ لوگ فوراً حرکت میں آ گئے اور اطلاع دینے والے ہی نے انہیں اغوا اور فرار کے لیے اس راستے اور طریق کار کی نشاندہی کی ہو گی۔

رام سنگھ کی ترقی کا شاید سب سے بڑا راز ہی یہی تھا کہ اس نے جوش میں بھی کبھی ہوش کا دامن نہیں چھوڑا تھا اور اب چونکہ وہ بڑی تیز رفتار سے اپنے ذہن میں ترتیب پا جانے والے منصوبوں پر عمل پیرا تھا۔ اس نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ اس واقعے کی [illegible] وہاں موجود مسلمان سپاہیوں کو نہ ہونے پائے۔

[illegible] معلومات کے مطابق صرف سجاول ہی چھٹی کر کے گیا تھا۔

[illegible] اس نے کسی کو بتائے بغیر وہاں موجود پولیس کے مسلمان اور غیر مسلم تمام

سپاہیوں سے اپنے طور پر اس بات کی تصدیق کر لی تھی [illegible] کوئی غیر معمولی حرکت نوٹ نہیں کی۔

پھر اسے خیال آیا کہ اگر وہ حریت پسند [illegible] آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ لوگ پونچھ سے [illegible] اتنی جلدی کوئی واپس نہیں آ سکتا اور ۔۔۔ اگر ان کے [illegible] سجاول کے کہنے پر فوراً حرکت میں آ گئے تھے تو بھی ابھی [illegible] بھجوا کر واپس نہیں آیا ہو گا۔

۔۔۔ اس سوچ کے دماغ میں آتے ہی اس نے جانکی داس [illegible] گھر کی طرف روانہ کر دیا تھا۔

☆○☆

"یار! میجر رام سنگھ کے کمرے سے ایک انتہائی خطرناک زیر تفتیش ملزم فرار ہو گیا ہے۔" حوالدار جانکی داس نے قہوے کا لمبا گھونٹ بھرتے ہوئے انتہائی وحشت میں اسے "اہم اطلاع" دی۔

"تمہاری عقل کیا گھاس چرنے چلی گئی ہے۔ وہاں سے کون مائی کا لال فرار ہو سکتا ہے' چاروں طرف تو رام سنگھ کے فوجی پہرہ دے رہے ہیں۔ پولیس والوں کو تو اس طرف جانے کی بھی اجازت نہیں۔" سجاول نے بظاہر اس کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہا۔

"یہی تو بات ہے۔" جانکی داس نے اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کے سے لہجے میں کہا۔ "رام سنگھ کا بھی یہی خیال ہے کہ وہ خود فرار نہیں ہو سکتا۔ ضرور اسے کسی نے فرار ہونے میں مدد دی ہے۔"

"میں اس سلسلے میں اب کیا عرض کروں۔ ہم تو معمولی سے بندے ہیں' اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے۔ صبح میر صاحب آ جائیں گے تو یہ معاملہ حل ہو جائے گا۔ وہ تو مفرور کو کبھی معاف کریں گے ہی نہیں۔ تم تو جانتے ہو انہوں نے آج تک کتنے اشتہاری مجرم گرفتار کروائے ہیں۔"

"بھگوان کے لیے۔" جانکی داس نے اس کے زانو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "اس بات کو اپنے تک ہی محدود رکھنا۔ اگر اسے ذرا سا بھی شک ہو گیا کہ میں نے تمہیں بتا دیا ہے تو وہ مجھے فوراً گولی مار دے گا۔" پھر جانکی داس نے اس کے بالکل ساتھ جڑتے ہوئے اس کے کانوں میں سرگوشی کی۔ "اس نے تو مجھے تمہاری چیکنگ کے لیے روانہ کیا ہے۔ وہ اپنی تسلی

HBC

کرنا چاہتا تھا کہ تم گھر ہی پر موجود ہو یا نہیں۔"

حوالدار جانکی داس سیدھا سادا بوڑھا آدمی تھا۔ اس نے قہوے کی دو پیالیوں کے دوران ساری کہانی سجاول کو سنا دی اور اس بات کا یقین بھی دلا دیا کہ وہ اس کی طرف سے مطمئن رہے۔ جانے سے پہلے اس نے ایک مرتبہ پھر سجاول سے درخواست کی کہ وہ اس بات کا ذکر اپنے کسی ساتھی سے بھی نہ کرے۔

جانکی داس کی روانگی کے تھوڑی دیر بعد سجاول جس طرح اپنے گھر میں داخل ہوا تھا اسی طرح دیوار پھلانگ کر باہر آ گیا۔ پہلے اس نے گھوم پھر کر اطمینان کر لیا کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا اور پھر ایک لمبا چکر کاٹ کر لالہ کے مکان کے عین سامنے جا پہنچا۔

----پریشان حال لالہ اتنی رات گئے سجاول کو اپنے دروازے پر دیکھ کر چونک پڑا۔ اس کی صاحب سلام تو سجاول سے تھی، لیکن اس سے کچھ زیادہ تعلقات نہ تھے۔ ویسے اسے اس بات کا علم ضرور تھا کہ سجاول پولیس میں ملازمت کرتا ہے۔ سجاول نے اسے مختصر لفظوں میں سارے واقعات سے آگاہ کرنے کے بعد فوراً بے بے کو ساتھ لے کر یہاں سے ہٹ جانے کو کہا۔ اسے علم تھا کہ جلد یا بدیر لالہ، میجر رام سنگھ کے انتقام کی بھینٹ چڑھ جائے گا۔ کسی ممکنہ خطرے کے پیش نظر اس نے فی الحال زہراں اور چاچی کا پتہ بتانے سے معذرت کی، لیکن اس بات کا وعدہ بھی کر لیا کہ وہ مناسب موقعے پر اسے زہراں سے ملا دے گا۔ وقت کی کمی کا احساس لالہ کو دلا کر وہ رخصت ہو گیا۔

صبح بستی والے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ لالہ اور بے بے بھی گھر سے غائب ہیں----!

سجاول خان

مملویہ پرشاد تھانے سے آیا تو بہت خوش تھا۔ اس نے اس بات کا انتہائی خیال رکھا تھا کہ آنے جانے والوں کی نظروں سے بچا رہے۔

----شیرو کی ماں کے بدلے اس کی بھتیجی کو میجر رام سنگھ کے حوالے کرنے کے بعد وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا۔ دراصل اس نے زہراں کو دے کر خود کو میجر رام سنگھ کے عتاب سے محفوظ کر لیا تھا ورنہ تو پچھلے دو تین سال سے جب سے وہ رام سنگھ کے ساتھ کام کر رہا تھا، اس نے بخوبی اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ ناکامی کی صورت میں رام سنگھ کی حالت زخمی سانپ کی سی ہو جاتی ہے۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر اپنی بیٹی کملا کے ستے ہوئے چہرے پر پڑی جو اسے دیکھتے ہی "پتا جی" کا نعرہ لگا کر اس سے چمٹ گئی تھی۔

"خیریت بیٹی؟" مملویہ پرشاد نے سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی انجان بنتے ہوئے استفسار کیا۔

"پتا جی" کملا سسک پڑی۔ "زہراں غائب ہے۔ کہاں چلی گئی وہ؟"

"ارے واہ، اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے۔ کہیں چلی گئی ہو گی۔ آ جائے گی۔" مملویہ نے کمال مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا۔

لیکن کملا بضد رہی کہ وہ خود اسے تلاش کرے۔ اسے مطمئن کرنے کے لیے مملویہ اپنی بیٹی کے ساتھ لالہ کے ہاں گیا اور اس سے بہت زیادہ ہمدردی کا اظہار کرنے کے بعد اسے یقین دلایا کہ زہراں کی تلاش میں وہ زمین آسمان ایک کر دے گا۔ کملا اپنے مکار باپ کی یقین دہانی پر قدرے مطمئن سی ہو گئی، لیکن مملویہ کے لاکھ اصرار کرنے پر بھی اس نے رات کا کھانا نہ کھایا۔

"جب تک زہراں نہیں آ جاتی میں "جل بھوجن" نہیں کروں گی۔" اپنی ماں کے اصرار پر اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور اپنے سونے کے کمرے کی طرف چل گئی۔

[illegible]

☆○☆

حسین خان نے ایک مرتبہ پھر ڈیرے کے پچھلے حصے [illegible] اس کی جائزہ لیا۔ راشن اس نے کمرے میں لپیٹ کر اس طرح کندھے پر رکھ لی تھی کہ اس کی [illegible] ممکن نہ رہی۔

اشرف خان نے اپنے پہلو میں کھڑے دیوان کو مخاطب کیا۔ "اصولاً مجھے تمہیں اس مہم میں نہیں لے جانا چاہیے تھا کیونکہ تم ابھی زیادہ تجربہ کار نہیں ہوئے، لیکن اس بات کے پیش نظر کہ تم کہیں اپنے دوست کی موت کا انتقام نہ لے سکنے کی وجہ سے احساس محرومی کا شکار نہ ہو جاؤ، میں یہ خطرہ مول لے رہا ہوں۔ ہاں ——! تم صرف ایک بات یاد رکھنا کہ ہمارا استقبال وادی کے دو خبیث ترین انسانوں میجر رام سنگھ اور صوبیدار پرشاد سے ہے اور ہم میں سے کسی ایک کی معمولی سی غلطی بھی ہم سب کو تباہ کر کے رکھ دے گی۔"

"تب [illegible] میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔" اشرف خان نے بڑے مضبوط لہجے میں اسے یقین دلایا۔ پستول اس نے بھی اپنے جسم سے باندھ رکھا تھا، لیکن اس طرح کہ بوقت ضرورت وہ اسے استعمال میں لا سکتا تھا۔ ان کا تیسرا ساتھی اس لیے غیر مسلح تھا کہ کوئی اسلحہ اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ صرف کلہاڑی اٹھائے ہوئے تھا۔

نواز، میر دلی اور ان کے دوسرے ساتھی انہیں پہاڑی راستوں کے اختتام تک رخصت کرنے آئے تھے۔ روانگی سے پہلے میر دلی نے حسین خان کو مخاطب کر کے کہا تھا۔ "حسین [illegible] اس طرف واپس نہ آنا۔ ہم صرف تمہارے منع کرنے پر رکے رہے ہیں ورنہ [illegible] کی قسم ابھی کسی مائی کے لال میں نہیں جتا کہ سرحدوں کی غیرت کو للکار سکے۔"

حسین خان [illegible] ہونٹوں پر مسکراہٹ [illegible] اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے کہا

[illegible]

☆○☆

رات کے تیسرے پہر وہ تینوں اس محلے کے باہر کھڑے اصیب کے منتظر تھے جس کے ایک مکان میں صوبیدار پرشاد آنے والی قیامت سے بے خبر شراب کے نشے میں مدہوش کر دینے والی نیند کے مزے لوٹ رہا تھا۔ انہیں اس جگہ رات کے پچھلے پہر کھڑے ابھی بمشکل چند منٹ ہی گزرے تھے جب ایک مکان کی دیوار سے ایک سایہ ان کی سمت بڑھنے لگا۔ جھٹکا دیا —— شرفو کی گرفت پستول پر مضبوط ہو گئی۔

"حسین خان!" آنے والے کی سرگوشی نے انہیں مطمئن کر دیا۔

حسین خان آگے بڑھ آیا۔ اصیب نے اس کے کان سے منہ لگا کر اسے کچھ سمجھایا۔ اس کی باتوں پر کبھی تو حسین خان سر ہلانے لگتا اور کبھی سراپا سوال بن جاتا۔

چند منٹ بعد وہ تینوں اصیب کی سربراہی میں صوبیدار کے مکان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ تینوں ایک دوسرے کے بعد مکان کی دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہو گئے۔ حسین خان سب سے آگے تھا، دونوں اس کے پیچھے۔

اب وہ کمروں کی دو رویہ قطار کے سامنے کھڑے تھے۔ شرفو کو اس گھر کے ایک ایک کمرے سے آشنائی تھی۔ اس کا بچپن اس حویلی میں کھیلتے کودتے گزرا تھا۔ حسین خان نے کلہاڑی بردار کو دروازے پر کھڑا کیا۔ شرفو اس کے اشارے پر زنان خانے کی طرف بڑھ گیا جب کہ وہ خود چند سیکنڈ کے بعد صوبیدار پرشاد کے سر پر رائفل تانے کھڑا تھا۔

"ک .... ک .... کون ہو تم؟" خوف اور دہشت سے صوبیدار پرشاد کو اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

[illegible]

ترسے [illegible] ایسا میں کر رہے ہیں

[illegible] کی طرح نہیں ہیں کہ دہائیاں کرتے ہوئے وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر

[illegible] مر گئے۔

[illegible] آزادی پسندوں سے ہے لیکن [illegible] زبیرل کے افواہیں غلط ہونے کا شک کیا [illegible]

[illegible] کمرے کے دروازے سے قدم باہر رکھتے ہی اس نے چلانا چاہا۔ ابھی اس کے منہ سے [illegible] حسین خان نے راشن کا بٹ گھما کر اس کے سر پر مارا [illegible] اس آواز نکالنے کی مہلت نصیب نہ ہوئی۔

[illegible]

[illegible] کے جاسوسوں نے اردگرد کی پہاڑیاں، پہاڑی آنے اور جانے والے خفیہ راستے [illegible] لیکن زبیرل کو [illegible] سے۔ ساری رات خود اس نے [illegible] کی کارکردگی کا جائزہ لینے [illegible] آنے اور جانے [illegible] اس نے خود شہر کو آنے اور جانے [illegible]

[illegible] تھوڑی ہی دیر بعد انسپکٹر میر کو واپس آ جانا [illegible] کے [illegible] فرار کا راز کسی اور پر کھلے لیکن یہ خبر چھپی [illegible]

[illegible]

[illegible] کا انکار کریں گے۔

[illegible] نے اپنا کوئی ہم بھی نہیں کھاتا [illegible] ہم کہ جانے [illegible]

[illegible] نیکرا اس [illegible] لوگ اس کے ساتھ [illegible] پہلے ہی [illegible]

[illegible] سوچ رہا تھا کہ اگر زبیرل [illegible] سے [illegible] ہے تو یہ کون لوگ [illegible] حریت پسندوں کی طرف سے ہے تو زبیرل کو [illegible] اسے کوئی دھمکی کی بات نہیں سوجھ رہی تھی۔ اس نے [illegible] کو [illegible] کی بجائے [illegible] دماغ سے معاملے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

[illegible] اس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ اس کی حالت اس بھوکے بھیڑیے کی سی تھی جس کے منہ سے کوئی چیتا شکار چھین کر لے گیا ہو۔ وہ جھنجھلاہٹ [illegible] سنگین صورت [illegible] اس کے پیش نظر تھی۔

[illegible] کی مقامی آبادی میں بیداری اور آزادیٔ وطن کی جو لہر دوڑی تھی، اس نے [illegible] میں جو یہاں کے "مقامی حکمران" کی سی حیثیت رکھتے تھے، تشویش کی زبردست [illegible] وہ لوگ جو خود عملی کارروائیوں میں حصہ نہیں لے رہے تھے، وہ بر ملا [illegible]

[illegible]

امراؤ ... مارے مارے ... جب اس کے ہاتھ شل ہو گئے تو اس نے شیرو کو ... کوٹھڑی میں
پھینک دینے کا حکم دیا اور خود اپنی آرام گاہ میں ... سو گیا۔

شیرو کو شام کے وقت ہوش آیا تو وہی سنتری اس کے سرہانے کھڑا تھا۔

اس نے پانی سے بھرا مٹی کا پیالہ اس کی طرف بڑھایا۔ اس لیے شیرو کو اس کی اس
... نہ جانے اتنا غصہ کیوں آ گیا۔ اس نے ... سے جھلا کر سنتری سے کہا
"دیکھو اگر تم اس طرح میری ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہو تو یہ تمہاری بھول
ہے۔ مجھے ڈوگروں سے بھی اتنی ہی نفرت ہے جتنی ان کے وفاداروں سے۔"

سنتری نے اس کی بات کا جواب نہ دیا صرف مسکرا کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اس
نے ضد کر کے اور شیرو کی لعن طعن سننے کے باوجود زبردستی اور دوسرے لوگوں سے چوری
چھپے اسے دودھ بھی پلا دیا۔ دودھ میں اس نے ... ہلدی اور گھی خاص طور سے گرم کر
کے ملا دیا تھا۔

شیرو کو قدرے افاقہ محسوس ہو رہا تھا لیکن وہ ایک عجیب کشمکش کا شکار تھا۔ کبھی تو وہ
اپنے اس پراسرار محسن کے لیے اپنے دل میں احترام کے جذبات موجزن پاتا اور کبھی
جھنجلاہٹ کا شکار ہو کر اسے برا بھلا کہنے لگتا۔

آج اس کی ڈیوٹی رات آٹھ بجے ختم ہو رہی تھی۔ رخصت ہونے سے پہلے اس نے
شیرو کو اس کی استقامت اور ثابت قدمی پر مبارک باد دی اور اس بات کا یقین دلایا کہ خدا
ضرور اس کی مدد کرے گا۔

شیرو اس کی طرف احسان مندی سے دیکھتا رہا اور پھر آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہو
گئیں۔

☆○☆

رات کا پہلا پہر تھا جب شیرو اچانک ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا ---- ایک سنگر روشن دان سے

[illegible]

... اطمینان سے اپنا کام مکمل کیا اور واپس چلے گئے تھے۔

... بندوں کے علاوہ جن کی قیادت حسین
علی ... آ گیا تھا اور اس گروپ کے ارکان
... کے ہاتھ میں تھی ... کے منہ سے چھینا تھا۔

... اس کے خیال میں زہراں کو رام گڑھ ... کی طرف مبذول
... اس کی توجہ اب حسین علی کی طرف ... معظم اور ہوشیار تھا اور سب سے
... اس کے خیال کے مطابق ...
بڑھ کر یہ کہ وہ قانون کی حد تک ایڈر بھی

رام گڑھ کے ذہن میں اب یہ سوال سلگ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ کم از کم کوئی
... ان لوگوں سے سودے بازی کر سکے۔ جہاں
... اس کے ہاتھ میں ... کے عوض وہ ... تھا وہ تشدد کے ذریعے اس سے کچھ
تک شیرو کا سوال تھا ... اس کے کسی کام کا نہیں تھا ... یقین تھا کہ وہ مر جائے گا لیکن اپنے کسی
نہیں اگلوا سکتا تھا کیونکہ اس کے ساتھیوں کو ...
... کی ہرزنہ دے گا۔

... اس نے سوچا "زہراں کا باپ شاید اس کے لیے ترپ کا پتہ ثابت ہو۔" اور
دوسرے ہی لمحے اس کے دو مستعد نائب اس کے سامنے کھڑے تھے۔

"فوراً ... کو گرفتار کر کے لاؤ۔" اس نے اپنے انتہائی قابل اعتماد نائبین کو صورت حال
سے آگاہ کیا۔

دونوں تیز رفتاری اور پھرتی سے باہر کو لپکے مگر دس پندرہ منٹ بعد ہی ان کی واپسی ہو
گئی اور یہ اطلاع اس کے لیے بم کا دھماکہ ثابت ہوئی کہ زہراں کا باپ بھی غائب ہے۔

"جہنم میں جاؤ تم سب۔" اس نے سر پر ٹوپی جماتے ہوئے بڑبڑا کر کہا۔ زندگی میں پہلی
مرتبہ اسے اس طرح پے در پے شکستوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ ہارے ہوئے جواری کی
طرح اٹھا اور ... باہر نکل گیا۔

بہر حال ... کچھ نہیں سوجھ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ اس کا سارا زور
... اور وہ اپنی بدبختی، تباہی اور نامرادی کو ... کی نذر کرتا رہا۔

اس پر تن کر کھڑا تھا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں کو سلاخیں اکھاڑنے ... اس کے ... دونوں ہاتھوں سے روشندان میں اتنی جگہ بنا دی تھی جس میں سے شیرو ... آسانی سے گزر سکے۔ اس کے ساتھ ہی ایک رسہ اندر آیا جس کا ایک سرا دیوار سے ... تک رہا تھا اور دوسرا باہر۔

شیرو نے دھڑکتے دل سے رسے کو پکڑا تاکہ اس کے سہارے دیوار کو ... روشندان تک پہنچ سکے، لیکن ابھی اس نے پہلا ہی قدم بڑھایا تھا کہ اس کی دھڑکنیں رکنے لگیں --- پہرے دار کی ٹارچ کی روشنی اسے دروازے کے باہر سے آتی دکھائی دے رہی تھی۔

شیرو بیک وقت دو باتوں کا شکار تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ باہر والوں کو ... کی اطلاع کیسے دے کہ وہ رسی باہر کھینچ لیں اور دوسری طرف وہ پہرے دار کے ... پہنچنے سے پہلے باہر کود جانا چاہتا تھا۔ عجیب مخمصے میں پھنس گیا تھا وہ۔

پہرے دار کی ٹارچ کی روشنی اس کے سامنے والی دیوار پر لرز رہی تھی، پھر یک بیک روشنی غائب ہو گئی۔ شیرو نے اطمینان کا سانس لیا کیوں کہ اب پہرے دار کے قدموں کی آواز بھی دور ہی دور ہوتی جا رہی تھی --- اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ رہی تھیں۔ اس نے اپنے جسم پر لپٹے چیتھڑوں سے دونوں ہاتھ پونچھے اور رسی کی طرف لپکا۔

---اس کی جسمانی حالت تعلی اس قابل نہیں رہ گئی تھی کہ وہ رسی کے سہارے دیوار میں بنے روشندان تک پہنچ سکتا، لیکن اس لمحے نہ جانے کہاں سے اتنی توانائی اس میں عود کر آئی کہ اس نے دونوں ہاتھوں سے بڑی مضبوطی کے ساتھ رسی کو تھاما اور دیوار پر پاؤں ٹیکتا روشندان کی طرف لپکا اور ابھی وہ بمشکل دو تین فٹ ہی اوپر پہنچا تھا کہ اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی۔ اسے اپنی کمزوری پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ تاہم رسی کو ہاتھوں سے پکڑے ہوئے اس نے دو تین لمبے لمبے سانس لیے اور دوبارہ ہمت کر کے اوپر کی سمت سرکنے لگا۔ روشندان کے نزدیک اچانک ایک ہاتھ دست سکندری کی طرح نمودار ہوا اور کسی نے اندر جھکتے ہوئے دوسرا ہاتھ بھی مدد کے لیے اس کی طرف بڑھا دیا۔

شیرو نادم ہونے لگا تھا اس لیے اس نے اس تائید غیبی کو اپنی خوش بختی جانا اور کسی ... کی طرح اپنے دونوں ہاتھ اندر لپکتے ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں دے دیئے جنہوں نے اوپر کھینچنا شروع کر دیا۔ دیوار سے رگڑ کھاتا وہ اب روشندان تک پہنچ گیا تھا جس کی ... میں اس کی مدد کو آنے والے نے نکل کر اس کے باہر نکلنے کے لیے راستہ بنا دیا تھا۔

[illegible]

شیرو ... تھی ... ہاتھوں ... لیکن یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا ... ایک ... اس کے پاؤں زمین سے ٹکتے ہی ... ایک طرف ... شروع کر دی۔ شیرو کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس کے احکام کی تعمیل کرے ... ظاہر تھی کہ اسی شخص نے اسے قید سے رہائی دلائی ہے ... رہا تھا۔ شیرو ایک طرح سے اس کے ساتھ گھسٹ رہا تھا۔ راستے میں جب اس نے ایک مرتبہ اس کا نام جاننا چاہا تو نووارد نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اب وہ لوگ تھانے سے تقریباً آدھ میل دور پہنچ چکے تھے۔

"فی الحال خاموشی سے میرے ساتھ چلتے آؤ۔" نووارد نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔

شیرو چونکا۔ اسے یوں لگا جیسے اس سے پہلے بھی اس نے کہیں یہ آواز سنی ہے، لیکن کہاں؟ اسے یاد نہ آ سکا۔

"کیا تم حسین خان کے ساتھی ہو؟" اس نے چلتے چلتے ہانپتے ہوئے نووارد سے پوچھا کیونکہ تیز چلنے سے اس کا سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگا تھا۔

"جلد ہی تمہیں تمام سوالات کا جواب مل جائے گا۔" نقاب پوش نے اس کی طرف دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی تھی۔

اب وہ لوگ اس پہاڑی سلسلے میں داخل ہو رہے تھے جو تھانے سے تقریباً دو ڈھائی میل دور واقع تھا اور جس کے چاروں اطراف گھنا اور گنجان جنگل پھیلا ہوا تھا۔ جنگل میں کچھ دور جانے کے بعد شیرو بے دم سا ہو گیا اور ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے قدم من من کے ہو رہے تھے۔ "مجھ سے اور نہیں چلا جاتا۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"اٹھو۔ شاباش! ہمت کرو۔ تھوڑی دور اور چلنا ہے۔" نقاب پوش نے اس کی ہمت بندھائی۔

شیرو نے درخت کا سہارا لے کر کھڑا ہونا چاہا لیکن اس کی ہمت جواب دے گئی۔ اسے اپنی بزدلی پر غصہ تو بہت آیا، لیکن وہ بمشکل چند قدم چلنے کے بعد لڑکھڑا کر گر پڑا۔

زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ اسے دیکھ کر ہی اسے اس بات کا احساس ہوا کہ اس کا بدن مخصوص انداز سے ...
... قریباً پانچ منٹ بعد وہ اپنے قدموں پر اٹھ کر کھڑا ہو گیا ...
... کر اسے سامنے سے آگے اٹھایا اور یوں لگنے لگا کہ ...
نے اس کی بغل میں ہاتھ دے کر ایک انتہائی کھوکھلا اور قدرتی غار کے کنارے پر ...
اختتام آ کر ایک بازی ...

☆○☆

چاند کی روشنی میں اردگرد کا سارا ماحول دکھائی دے رہا تھا۔
شیرو نے قبر کے کونے پر کسی عورت کو سجدہ ریز دیکھا اور جب عورت نے سجدے سے سر اٹھایا تو پتہ چلا کہ وہ اس کی ماں تھی۔ شیرو کو دیکھتے ہی اس کے بازو کھل گئے اور وہ اٹھ کر دیوانہ وار اس سے لپٹ گئی۔
ماں کی پُرشفقت آغوش سے باہر نکل کر اس نے دیکھا کہ اس کے سامنے وہی سنتری کھڑا ہے جو اسے چوری چھپے کھانا دیا کرتا تھا۔
"تت۔۔۔تت۔۔۔تم؟" وہ حیرت اور تشکر کے ملے جلے تاثرات سے ہکلایا۔
"ہاں میں۔ سجاول نام ہے میرا۔ تمہارا چچا مجھے جانتا ہے۔" سنتری نے بیٹھے پُرسکون لہجے میں اپنا تعارف کروایا۔
"لیکن وہ پیغام۔۔۔۔۔۔۔"
"وہ میں نے ہی حسین خان کی طرف سے تمہارے لیے لکھا تھا۔ مجھے علم تھا کہ براہِ راست اگر میں تمہاری مدد بھی کرنا چاہتا تو تم اسے دشمن کی کوئی چال سمجھ کر کبھی آمادہ نہ ہوتے۔" سجاول نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
"تم نے بہت بڑا احسان کیا ہے مجھ پر۔۔۔۔ بہت بڑا احسان۔ میں نے تمہیں غلط سمجھا تھا میں نے۔۔۔۔۔۔" وہ بے اختیار سجاول سے لپٹ گیا۔
"نہیں شیرو۔ تم ٹھیک تھے۔ تمہیں میرے متعلق یہی رائے قائم کرنی چاہیے تھی۔" اس نے آہستگی سے شیرو کو خود سے الگ کر دیا۔
ان کی گفتگو سن کر زہرا اور لالہ بھی باہر نکل آئے۔ دونوں کی آنکھیں تشکر کے آنسوؤں سے بے اختیار چھلک پڑیں۔ طلوعِ سحر تک وہ لوگ باتیں کرتے رہے۔ شیرو کو اپنے زخموں کا جیسے احساس ہی نہیں رہا تھا۔ ان لوگوں کی زبانی شیرو کو علم ہوا کہ بے بے شمو اپنی ایک قریبی رشتہ دار کے گھر چلی گئی تھی۔ وہ لوگ پاکستان جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اب معلوم نہیں بے بے ان کے ساتھ ہے یا پاکستان چلی گئی۔

"ایک ... بچنے کی کوشش ..." سجاول نے ...
... ان حالات ... اس کی ناک کے نیچے ہم ...
"میں ... کی بات سمجھ گیا ہوں۔" ...

"ایک دن تمہاری ... حالت میں ہی اس قتل میں ... کسی کی گرفتاری ہم سب کو ..." سجاول نے کہا۔
"میرا ایک کام ضرور کرنا سجاول۔" شیرو نے کہا۔
"کیا؟"
"کسی طرح مجھے شرفو سے ملا دو۔"
"اس بات کا کبھی تصور بھی نہ کرنا۔ ہماری ملاقاتیں صرف رازداری ممکن تھیں۔ تم ... تمہارے ساتھیوں تک تمہاری سلامتی اور خیریت کا پیغام پہنچ جائے گا۔" سجاول نے ... اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
شیرو کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس نے گردن جھکا کر سجاول کی بات پر صاد کر دیا۔
"میں معافی چاہتا ہوں دوست۔ لیکن ابھی مجھے بہت کام کرنا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میں مشن مکمل ہونے سے پہلے مارا جاؤں یا رام سنگھ کی نظر میں آ جاؤں۔"
"تم واقعی عظیم انسان ہو۔" شیرو نے اس کا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر جوشِ جذبات سے دباتے ہوئے کہا۔ "اندر ضرورت کی ہر شے موجود ہے۔ میں تم سے غافل بھی نہیں رہوں گا۔ فی امان اللہ۔" کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔
"فی امان اللہ" شیرو کی ماں کے دل سے سجاول کے لیے صدا بلند ہوئی۔

☆○☆

جھنجھلاہٹ اور غصے سے وہ پھٹا جا رہا تھا۔ حریت پسندوں کی طرف سے مسلسل اور بھرپور نفسیاتی حملوں نے اسے ذہنی مریض بنا ڈالا تھا۔
۔۔۔۔میجر رام سنگھ ہر ایک کو کاٹنے کو دوڑ رہا تھا اور اپنے اس غصے اور بے بسی کا بدلہ لینے کے لیے لے دے کے اسے اگر کوئی نظر آتا تھا تو وہ شیرو تھا۔۔۔۔ صرف شیرو۔
"شیرو کو پیش کرو۔" اس نے علی الصبح اپنے کمرے میں پہنچتے ہی دروازے کے باہر موجود سنتری کو حکم دیا۔ غصے سے وہ اپنے ہونٹ چبا رہا تھا اور داہنے ہاتھ میں پکڑی چھڑی ...

[illegible]

مہاراج جی!" منوہر لال نے ... [illegible]

شیرو بھاگ گیا

[illegible] رام سنگھ نے پوری قوت سے ہاتھ میں پکڑا بید اس کے [illegible]

منوہر لال نے حیرت اور غصے کے ملے جلے جذبات سے اس کی طرف دیکھا اور اس سے پہلے کہ اسے صورت حال کی سنگینی کا احساس ہو' میجر رام سنگھ نے اسے دو تین بید مزید رسید کر دیے۔ احساس ذلت اور غصے نے چھوٹے تھانیدار [illegible] لال کو بھی پاگل کر دیا۔

"پاگل --- پن!!" وہ غصے سے چلاتا ہوا باہر دوڑ پڑا۔

رام سنگھ نے پہلے تو اس کے پیچھے دوڑ لگائی' لیکن چند قدم دوڑ کر ہی رک گیا۔ اسے اپنی بیوقوفی کا احساس ہو گیا تھا اور اب اس نے شیرو کی کوٹھڑی کا رخ کیا۔

جب وہ اپنے پہرے داروں کی معیت میں شیرو کی کوٹھڑی کے سامنے پہنچا تو روشندان کے راستے نکلا ہوا رسہ اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ کوٹھڑی کو باہر سے تالا لگا ہوا تھا اور کوٹھڑی کے سامنے انسپکٹر میر اور اس کے ساتھی بونتوں کی طرح منہ اٹھائے کھڑے تھے۔

"کھولو اسے گدھو۔" اس نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پا رکھا تھا۔

انسپکٹر میر کے اشارے پر ایک سپاہی آگے بڑھا اور اس نے ہاتھ میں پکڑے چابیوں کے گچھے سے ایک چابی نکال کر کانپتے ہاتھوں سے کوٹھڑی کا تالا کھولا۔ سب سے پہلے [illegible]

[illegible]

میجر رام سنگھ اس مسئلے پر فی الوقت کسی سے کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا [illegible] کبھی نہیں دیکھا تھا۔ [illegible] "کمبخت مجاہدین آزادی" [illegible] اپنے دفتر میں آ بیٹھا جہاں ایک نئی قیامت اس پر ٹوٹ پڑنے کی منتظر تھی۔

☆○☆

"سر!" اس کے محافظ نے ایڑیاں بجائیں۔

میجر رام سنگھ نے منہ سے کچھ کہنے کی بجائے صرف سر اٹھا کر دیکھنے ہی پر اکتفا کیا۔

"ارجنٹ میسج سر!" کہہ کر اس نے کاغذ کا ایک ٹکڑا اس کی طرف بڑھا دیا۔

پونچھ چھاؤنی کے افسر کمانڈنگ نے فوراً اسے وہاں پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔

"ڈرائیور سے کہو فوراً گاڑی لے آئے۔" اس نے خلاف توقع اپنے کپڑے کو جھاڑے بغیر کہا۔ وہ شاید خود بھی یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا ---!

چند منٹ کے بعد وہ جیپ کی اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس کے گرداگرد سڑک کے دونوں اطراف دور دور تک پھیلے پہاڑی سلسلے اور ان سے لپٹی ہریالیاں اس کا منہ چڑا رہی تھیں۔

---- ایک عجیب سی نحوست اس پر طاری ہونے لگی تھی۔ اس روز پہلی مرتبہ اس نے سوچا: "کہیں ایسا نہ ہو کہ تاریخ کا دھارا اپنا رخ بدل لے ---- کہیں یہ مسلمان مظلوک الحال گڈریے اور مزدور کشمیری دوبارہ اقبال مند ہو جائیں۔"

نفاق کا وہ بیج جو اس کے اجداد نے بڑی ہی محنت اور جانفشانی سے ان لوگوں کے ذہن میں بویا تھا اور جس کا پھل اب وہ بڑے مزے سے کھا رہے تھے' کہیں ایسا نہ ہو کہ اس؟

HBC

کو جس نے اب ورست کی جگہ اختیار کر لی تھی۔ یہ کبھی ہر مسلمان کا ہے کہ جو [illegible]
آماد کر بیٹھ جائے۔ اگر یہ لوگ اصلیت جان گئے تو متحد ہو کر ان کا [illegible]
سرداریاں سب کچھ ان سے چھین لیں گے۔"
"لیکن نہیں ——!" کوئی جدید طاقت اسے ظلم تسلیں دیتے گئے [illegible]
ورست کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ بڑی دور تک کشمیری مسلمانوں کے دل و دماغ میں [illegible]
ہیں۔ بس یہ تو وقتی ابال ہے جیسے ہی ایک مرتبہ پھر وہ لوگ اپنی مکارانہ فریب کاریاں [illegible]
لے کر ان کی طرف بڑھے، یہ سادہ لوح سے مسلمان دوبارہ اس میں پھنس جائیں گے [illegible]
نہ کوئی مجاہد باقی رہے گا نہ آزادی کی تڑپ۔ ایک نہ ایک روز یہ کھیل ختم ہو [illegible]
جائے گا۔"

جیپ پونچھ چھاؤنی کے باہر آ کر ٹھہر گئی —— اسے پہچان کر ڈیوٹی پر موجود پہرے داروں نے بیریئر اوپر اٹھا کر جیپ کو راستہ دے دیا۔ مجاہدین کے ممکنہ حملے اور ریاست میں ان کی مسلسل چھاپہ مار کارروائیوں نے مہاراجہ کے ٹھیکیداروں کو خاصا چوکنا کر دیا تھا اور خصوصاً پونچھ میں تو فوج نے زبردست حفاظتی اقدامات کیے ہوئے تھے۔ چھاؤنی کے نزدیک کسی کو پھٹکنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ پچھلے آٹھ دس روز میں وہ پندرہ بیس مشتبہ شہریوں کو گولیوں کا نشانہ بھی بنا چکے تھے اور چھاؤنی کے او۔سی کا حکم تھا کہ کسی فوجی افسر کو بھی شناخت حاصل کیے بغیر اندر داخل نہ ہونے دیا جائے، لیکن میجر رام سنگھ اس حکم سے مستثنیٰ تھا کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ اسے روک کر اس کی شناخت دریافت کرتا۔

چھاؤنی کے داخلی دروازے کے ایک کونے میں بنے کمروں کے سامنے اس نے ڈرائیور کو جیپ روکنے کا اشارہ کیا جہاں فوجیوں کے ہجوم میں اسے بوڑھے او۔سی ڈوگرے کا چہرہ نمایاں نظر آیا۔

جیپ سے اتر کر وہ تیز رفتاری سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا او۔سی تک جا پہنچا۔ وہاں موجود فوجیوں کا ہجوم اسے دیکھتے ہی چھٹ گیا تھا۔ او۔سی کے سامنے ایک سٹریچر پر لاش دھری تھی جس پر سرخ کمبل ڈال کر اسے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ میجر رام سنگھ نے غیر اختیاری طور پر آگے بڑھ کر اس کا چہرہ ننگا کیا تو ایک سنسناہٹ سی اس کے رگ و پے میں سما گئی اور بجلی کی سی تیزی سے اس کے دل و دماغ میں دوڑنے لگی۔

اس کے سامنے لالہ مہاویر پرشاد کی لاش دھری تھی۔ دل کے مقام پر صرف ایک سوراخ نظر آ رہا تھا جس سے بہنے والا خون اب کناروں پر جم کر سیاہ ہو چکا تھا۔ یوں لگتا تھا

[illegible]

"یہ رقعہ لاش کے ساتھ رکھا تھا۔" [illegible]
رام سنگھ نے کسی سحر زدہ کی طرح رقعہ ہاتھ میں پکڑ لیا۔ [illegible]
جانے کا احساس ہونے لگا تھا۔ "لاش [illegible]
نے مردہ سی آواز میں اسے مخاطب کیا۔

"جیپ؟ کہاں سے؟" رام سنگھ کو یہ تین الفاظ ادا کرنے کے لیے اپنی قوت ارادی کو بروئے کار لانا پڑا۔

"چھاؤنی کے نزدیکی پہاڑی سلسلے میں ایک نمایاں جگہ پر لاش پڑی تھی۔ رقعہ اس کے سرہانے ایک پتھر کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ اس وقت تک خون بند نہیں ہوا تھا۔ شاید اسے رات کے آخری پہر گولی ماری گئی ہے۔ میں نے فوراً دو گشتی پارٹیاں پہاڑوں میں پھیلا دی ہیں، لیکن ان کی طرف سے ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ملی۔"

"ہوں۔" میجر رام سنگھ نے لمبی سانس لی۔

وہ مزید کچھ کہے سنے بغیر پلٹا اور بوجھل قدموں سے اپنی جیپ تک آگیا۔ جیپ کے بونٹ سے ٹیک لگا کر اس نے رقعہ کھول کر پڑھنا شروع کیا۔

"رام سنگھ!

تمہارا دور اب ختم ہو چکا ہے۔ آج جس انجام سے یہ بھیڑ نما بھیڑیا دوچار ہوا ہے، تم بھی بہت جلد اسی انجام کو پہنچنے والے ہو۔ تمہارے جرائم کی فہرست بھی اس کی طرح بہت لمبی ہے اور ہماری ہائی کمان نے تمہارے لیے سزائے موت کا حکم جاری کر دیا ہے۔ مگر یہ تک اگر تم نے آزادی کشمیر کے جرم میں گرفتار شدہ تمام مظلوموں کو رہا نہ کیا تو اپنے بھیانک انجام کو پہنچو گے۔ مجاہدین کی رہائی کی صورت میں ہم تمہیں پونچھ سے بحفاظت نکل جانے کا موقع فراہم کر دیں گے۔ دوسری صورت میں یاد رکھنا، پونچھ تمہارے لیے موت کا

یلغار

[illegible] کی ایک [illegible]

دنیا بھر میں اخباری ایجنسیوں کے نمائندے [illegible] دلی میں [illegible] شیخ عبداللہ کی پریس کانفرنس میں موجود تھے [illegible] اس بیان کو سن رہے تھے۔

"معزز حاضرین! مستقبل میں کشمیر کا [illegible] کے [illegible] سے ملک کی آواز بلند ہو رہی ہے۔ "مشرقی پنجاب کے شہروں خصوصاً بہار اور [illegible] ہو رہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو بھارت میں اپنے مستقبل سے مایوس کر رہے [illegible] ہیں۔ سارے بھارت کے خصوصاً ریاست جموں و کشمیر کے مسلمانوں میں [illegible] پائی جاتی ہے۔ کشمیر میں مسلمانوں کی تعداد غیر مسلموں سے بہت زیادہ ہے اور اب وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ریاست کا الحاق بھارت سے ہو گیا تو ان کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔"

پونچھ میں ہونے والے خون ریز ہنگاموں اور مسلمانوں کی مسلح کارروائیوں کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے شیخ عبداللہ نے کہا:

"ریاستی حکومت کی استبدادی [illegible] اور غیر دانش مندانہ پالیسیوں کی وجہ سے پونچھ میں مسلمانوں نے حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھا کر مسلح جدوجہد شروع کر دی ہے۔ ان لوگوں نے ماضی میں مہاراجہ اور اس کے ڈوگروں خصوصاً مقامی حکمرانوں کے ہاتھوں بڑے مظالم کا سامنا کیا۔ بیداری کی جو ایک لہر سارے ہندوستان میں دوڑ گئی ہے اس کے اثرات یہاں بھی پہنچے ہیں۔ پونچھ کے لوگ ہمیشہ سے آزادی پسند اور بہادر کہلاتے آئے ہیں۔ انہوں نے حالات سے مایوس ہو کر اب ہتھیار اٹھا لیے ہیں۔ پونچھ میں فوج کی آمد اور کارروائیوں نے ان لوگوں کے اشتعال میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

پونچھ کے زیادہ تر لوگ انڈین آرمی کے سابق فوجی ہیں اور ان کی رشتے داریاں راولپنڈی اور جہلم میں ہیں۔ یہ لوگ اپنے بیوی بچوں کو سرحد پار چھوڑ کر وہاں سے اسلحہ

[illegible]

[illegible]

٭○٭

جنرل طارق [illegible] نے اپنے منصوبے پر عمل [illegible]
[illegible] تحریک میں شامل ہونے والے [illegible]
[illegible] شیر خان اور [illegible]
[illegible] کے لیے [illegible]
سمندر میں پھینکے جانے کے لیے رکھا گیا تھا [illegible] نے ان کی ہر طرح [illegible]
[illegible] رات وہ اسلحہ اپنے پاس اسٹور میں محفوظ کر لیا جہاں سے بعد میں [illegible]
تقسیم ہو جاتا

جنرل طارق کی [illegible] ان چار بڑے واقعات سے وابستہ تھی جو انہوں نے [illegible]
سے حاصل کیا تھا

لیکن جب یہ واقعات [illegible] تک پہنچے تو [illegible] جنرل بھی [illegible] پولیس نے ان [illegible]
[illegible] فوج سے [illegible] تھیں [illegible] کی [illegible] ایسی واقعات [illegible]
[illegible] لیکن [illegible] کے لحاظ سے ان [illegible]

[illegible]

[illegible] کے [illegible] میں [illegible]
۲۰ اکتوبر ۱۹۸۰ کو بھارت کے [illegible]
[illegible] موصول ہوا
[illegible] فروش [illegible]
طرف پیش قدمی کر رہے تھے
۲۳ اکتوبر ۱۹۸۰ کو [illegible]
ریاست کی [illegible]
[illegible] کی بدترین غلطی کا ارتکاب [illegible] بھارت سے ریاست [illegible]

HBC

HBC

[illegible]

جواب میں ... سری ... طرف گھرا سنا تھا۔

بھارتی افسر نے ... کوشش کی لیکن ... سری طرف سے کوئی جواب نہ ... [illegible]

سیٹ آف کر دیا۔

"ممکن ہے۔ اسے اب تک آ جانا چاہیے تھا۔" بھارتی افسر نے ... [illegible] سے تشویش ظاہر کی جن کی نظریں بار بار گھڑی کی سوئیوں پر جا رہی تھیں۔

"آرام جانے" ان میں سے ایک نے مختصر سا جواب دیا۔

تینوں منہ لٹکائے ایک طرف ہٹ کر تبادلہ خیال کرنے لگے کہ اچانک ریڈیو ... [illegible] پیدا ہوئی۔ تینوں بے قراری سے آپریٹر کے سر پر مسلط ہو گئے جو مختلف ڈائل گھما کر [illegible] تبدیلیاں کر رہا تھا۔

"ہیلو سری نگر ـــــ ہوشیار اوور۔"

"سری نگر ہوشیار اوور۔" آپریٹر نے جواب دیا۔

کسی ہوائی پوسٹ سے پیغام آ رہا تھا۔ "ہم نے ابھی ایک جہاز کو پرواز کرتے ہوئے سری نگر کی طرف بڑھتے دیکھا ہے۔ اوور۔"

"کوئی شناخت ـــــ اوور۔"

"کوئی نہیں۔ اس نے لائٹیں بھی آف کر رکھی ہیں۔ اوور۔" جواب ملا۔

"او کے ـــــ اوور اینڈ آؤٹ۔"

آپریٹر نے کانوں پر چڑھا ہیڈ فون اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔ ریڈیو سے بلند ہوتی ہوئی [illegible] چونکہ سب کو بخوبی سنائی دے رہی تھی، اس لیے آپریٹر نے کسی کو خود بتانا بہتر [illegible] جانا ـــــ انہوں نے خود ہی سب کچھ جان لیا تھا۔

"کون ہے یہ؟" ریاستی فوج کے افسر نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے استفہامیہ نظروں سے بھارتی افسر کی طرف دیکھا۔

"اپنے جوانوں سے کہو وہ فوراً رن وے کو گھیرے میں لے کر ہوشیار ہو جائیں۔ یہ کوئی پاکستانی چال ہے۔" اس نے بجائے ریاستی افسر کے سوال کا جواب دینے کے اسے [illegible]

[illegible]

انہیں بخوبی علم تھا کہ ان کی تھری ناٹ تھری رائفلیں یا اسٹین گنوں کی گولیاں [illegible] بھی نہیں پہنچ سکتیں۔

چند منٹ بعد ہی ونگ کمانڈر مہر سنگھ اپنے دو اسٹاف افسروں کے ساتھ جہاز کے اندر سے برآمد ہوا۔ اس کا ریڈیو خراب ہو چکا تھا لیکن بھارتی ایئر فورس کا یہ مایہ ناز افسر جہاز کو کامیابی سے اڑاتا ہوا ہوائی اڈے پر لینڈ کر گیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک تیز رفتار جیپ دو مسلح فوجیوں سے بھرے ٹرکوں کے درمیان مہاراجہ کے محل کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ مہاراجہ جس کی نیندیں پچھلے دو تین مہینوں میں پیش آنے والے مسلسل واقعات نے حرام کر رکھی تھیں، ان کا بے چینی سے منتظر تھا۔ اسے کچھ نہیں سوجھ رہا تھا کہ کیا کرے؟ کدھر جائے؟

بھارت سے الحاق کا فیصلہ بھی اس نے افراتفری اور گھبراہٹ کے عالم میں کیا تھا۔ وہ صرف اپنی گدی اور راج پاٹ کی حفاظت چاہتا تھا جس کے لیے وہ کچھ بھی کر گزرنے کو تیار تھا، لیکن بھارت سے الحاق کا اعلان کرنے کے بعد سے اسے ایک عجیب سی بے کلی لگی ہوئی تھی۔ وہ اپنے بھارت نواز مصاحبوں کے جال میں پھنس چکا تھا۔

اس اطلاع نے کہ قبائلی پٹھان بارہ مولا تک آ پہنچے ہیں، اس کے اعصاب شل کر دیے تھے۔ وہ بے چینی سے بھارتی فوجوں کی آمد کا منتظر تھا کہ ونگ کمانڈر مہر سنگھ اور دو اعلیٰ افسر اس کی مدد کو پہنچ گئے۔

رات گئے محل میں تینوں اسٹاف افسروں کا استقبال مہاراجہ نے خود کیا تھا۔ مہر سنگھ کی

[illegible]

"میرے محترم! کاش میں آپ کے احسانات اور ان جذبات کا جو آپ اس کے لیے رکھتے ہیں اس دنیا میں بدلہ دے سکوں۔ کاش ـــــــ!" جذبات نے اسے مزید کچھ کہنے کی مہلت نہیں دی۔

سہول نے دیکھا' نوجوان شیرو کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی۔

"ادھر آؤ۔" اس نے شیرو کو ایک طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

وہ ایک ادھر نے کے پیچھے پہاڑی سلسلے سے منسلک گھنے جنگل کے اندر [illegible] میل تک گھستے چلے گئے۔ ایک جگہ پہنچ کر جہاں گھنے درختوں سے سورج کی شعاعیں بمشکل گزر کر زمین تک پہنچ سکتی تھیں' سہول نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ اپنے کندھے پر رکھی کدال سے اس نے ایک درخت کے تنے کے ساتھ تھوڑی سی کھدائی کی اور ایک تھیلا باہر نکال لیا۔ تھیلا خاصا وزنی تھا۔ شیرو کو اس کی مدد کے لیے آنا پڑا۔ حیرت سے وہ ان سارے مناظر کو ذہن میں محفوظ کر رہا تھا۔

جب سہول نے تھیلے کا مضبوطی سے بندھا ہوا منہ کھولا تو شیرو کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا۔ تھیلے میں موجود دو اشین گنیں اور کچھ رائفلز نکال کر سہول نے شیرو کو تھما دیں اور تھیلے کا منہ اسی طرح مضبوطی سے باندھ کر اسے زمین میں دفن کر کے مٹی برابر کر دی۔ بطور احتیاط اس نے خاصی گھاس پھوس اور درختوں کے پتے اس پر ڈال دیئے تھے۔ ویسے تو یہاں تک کسی کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا' لیکن اگر کوئی آ بھی جاتا تو اسے شک کرنے کی گنجائش میسر نہ تھی۔

"شیرو!" سہول نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے مخاطب کیا۔ "ہم لوگ ایک کسی

[illegible]

جہاں اس کی واپسی کا انکار شدت سے ہو رہا تھا۔

☆○☆

سہول اور شیرو پہاڑی کی ایک قدرتی اوٹ میں کھڑے گفتگو کر رہے تھے۔

"آپ کھل کر سامنے کیوں نہیں آتے؟" شیرو نے پریشان ہو کر سہول سے پوچھا۔ یہ اطلاع اس کے لیے بڑی چکرا دینے والی تھی کہ سہول کا تعلق کسی بھی گروپ سے نہیں اور صرف اپنی انفرادی کوششوں سے شیرو' اس کی ماں' زہراں اور اس کے باپ کو رام سنگھ کے ظالمانہ شکنجے سے نکال لایا ہے۔

"ابھی وقت نہیں آیا برخوردار۔" سہول نے حسب معمول اسے ٹالنا چاہا۔

"کیوں؟"

"تم ان باتوں کو نہیں سمجھو گے۔ دیکھو شیرو میں تمہیں واپس جانے سے پہلے بتا دوں کہ میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا ـــــــ ایک مسلمان اور کشمیری ہونے کے ناطے میرا فرض تھا کہ میں اپنے کشمیر کے لیے لڑنے والے ایک مجاہد کو جس کے باپ نے اس مقدس سرزمین کی آزادی کے لیے جان کا نذرانہ دیا تھا' دشمن کی قید سے رہا کرواؤں اور کشمیر کی عزت ـــــــ اس کی منگیتر اور ماں کو دشمن کے ناپاک ارادوں سے بچا رکھوں ـــ اور اگر تم اسے نیکی یا احسان سمجھتے ہو تو میری ایک درخواست ہے کہ کسی کو میرے متعلق کچھ نہ بتانا۔"

"میں آپ کی بات میں پوشیدہ مصلحت کو گو کہ سمجھ نہیں پایا' لیکن آپ کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس راز کو راز ہی رکھوں گا۔ اس وقت تم

[illegible]

ضرورت نہیں پڑے گی۔"

لالہ نے گن کا ناقدانہ جائزہ لیا۔ اس نے اپنی جوانی کا [illegible] ایک ٹریننگ سینٹر میں گزارا تھا اور وہاں سے بھاگ نکلا تھا کہ [illegible] پہلے [illegible] اسے [illegible] سے نفرت تھی۔ وقت [illegible] اس کے ہاتھ میں گن [illegible] کیا تھا لیکن آج نہ جانے کیوں وہ ایک [illegible] اسٹین گن کی [illegible] محسوس کر رہا تھا۔

"شکریہ تمہارا سجاول خان۔ جب تک ان ہاتھوں میں دم ہے کس کی مجال ہے کہ وہ [illegible] عورتوں کی عزت کو میلی نظروں سے دیکھنے کی جرأت کرے۔"

لالہ اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ وہیں رہ گیا۔

پہلے سجاول ان سے الگ ہوا پھر شیرو۔ سجاول نے حسین خان کے [illegible] کی طرف رہنمائی کر دی تھی۔ اسٹین گن ایک ہاتھ میں [illegible] سے [illegible] اندھیرے میں اس پہاڑی کمین گاہ کی طرف رواں دواں تھا جہاں اس کے ساتھی اگلے منصوبے ترتیب دے رہے تھے۔

[illegible]

"ہم......" شیرو کی آواز [illegible] کے جذبات [illegible]

"چلو چلیں۔" سجاول نے اس کی طرف [illegible] اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ [illegible] الجھن [illegible] محسوس کرتے [illegible] سجاول نے اس کی کسی بات پر [illegible]

"آپ کو شاید میری بات پر یقین نہیں آیا۔" اس نے جھنجلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

جواب میں سجاول آہستہ سے ہنسا۔ شیرو نے واضح طور پر محسوس کیا کہ سجاول [illegible] کی بات کا تمسخر اڑا رہا ہے۔ "خدا کرے تمہارا خواب شرمندہ تعبیر ہو جائے۔" سجاول نے اچانک سنجیدگی اختیار کر لی۔

"آپ دیکھ لیجئے، آپ دیکھیں گے۔ یہ صرف چند دن کی بات ہے---" [illegible] فرط جذبات سے شیرو کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ایک بات کبھی نہ بھولنا برخوردار۔ دماغ کو ہمیشہ ٹھنڈا رکھا کرو۔ تمہاری عمر [illegible] میرا تجربہ ہے۔ تم ابھی بچے ہو۔ ابھی صرف یہ بات ذہن نشین کر لو کہ سپاہی [illegible] بے پرواہ کر دیتا ہے۔" سجاول نے قریباً اسے ڈانٹ دیا۔

شیرو خاموش ہو گیا وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اپنا کیا اور کیسا ردعمل ظاہر کرے۔

وہ اب اپنی کمین گاہ تک پہنچ گئے تھے جس کے دروازے سے [illegible] ایسی ہی طرف آتے دیکھ کر وہ بے صبری سے بھاگتا ہوا ان تک پہنچ گیا۔

وادی سے پہلے ... چاند ... کی محفل زہراں کے ساتھ ... [illegible]
زہراں وہاں سے اٹھ کر قریبی احاطے میں ایک پتھر پر ... سامنے ... [illegible]
نظریں جمائے بیٹھی تھی۔
شیرو ... ہوا اس کے پیچھے اس طرح آن کھڑا ہوا کہ ... [illegible]
آمد کی خبر تک نہ ہوئی۔ ... کے قدموں ... [illegible]
اپنے پیچھے کھڑا پایا۔ جانے وہ کب سے اس کے ساتھ بڑے انہماک سے جھرنے کے [illegible]
پتھروں پر سے پھسلتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔
"آپ ...!" وہ ہڑبڑا کر کھڑی ہو گئی۔
"ہاں میں ہوں زہراں۔ اچھا ہوا تم اس طرف آ گئیں۔ مجھے تم سے کچھ کہنا تھا۔"
جواب میں زہراں سوائے اپنی چادر کے پلو سے انگلی مروڑنے کے اور کچھ نہ کر سکی۔
"زہراں میرے پاس کہنے کے لیے بڑی باتیں ہیں۔ جب میں تفتیش کاٹ رہا تھا اور دشمن مجھے ظلموں کی اذیت برداشت کرنے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے کوٹھڑی میں چھوڑ دیا کرتا تھا تو میرے پاس خود کو مطمئن کرنے کے لیے یہ بڑی دلیل موجود تھی کہ سب کچھ مجھے صرف وطن کی آزادی کے لیے برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔
لیکن مجھے چند لمحوں کے لیے اگر پرسکون پناہ میسر آتی تھی تو صرف تمہاری یادوں میں۔ تمہارا جیسا پیکر میرے لاشعور میں رچا ہوا تھا۔ تب میں تمہاری قربت کی حسین مہک ڈھونڈا کرتا تھا۔
---آج میں سوچتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ مجھے تھانے میں تمہارے ساتھ بیتنے والی قیامت کی خبر ہو جاتی تو میں شاید کبھی نہ سنبھل پاتا۔ زہراں! میں آج جس راستے پر گزر رہا ہوں یہ کوئی نیا راستہ نہیں۔ میرے باپ نے انگلی پکڑ کر مجھے بچپن ہی میں ان راہوں پر دھکیل دیا تھا۔ آج جب ان کی قربانیاں رنگ لا رہی ہیں اور ساری وادی کے سپوت اور وطن کی آزادی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو ان کی روح کتنی خوش ہو گی۔ خدا کی قسم اگر موت کی اس شاہراہ پر قدم نہ رکھتا تو شاید کبھی روز قیامت اپنے باپ سے آنکھیں نہ ملا سکتا۔ زہراں! میرے پاس وقت کم ہے۔ حالات نے ہمیں ایسے رشتے میں باندھ دیا ہے جس کا نام نہیں اور ... اگر کبھی اس راہ آزادی میں میری شہادت کی خبر آ جائے تو ان بیواؤں کی طرح جو زندگی بھر کنواری بیٹھی رہتی ہیں اپنی زندگی ضائع نہ کر دینا ورنہ میری

[illegible]
زہراں چپ چاپ ... [illegible]
... شیرو ... اس کی ... [illegible]
... لیکن شیرو تو کبھی کا جا چکا تھا۔
ایک پہاڑی موڑ سے اس کا باپ اسے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔
"ارے! یہاں ہے بیٹی! تم رو کیوں رہی ہو؟" لالہ بیٹی کے دکھ پر تڑپ اٹھا۔
زہراں خاموش رہی۔
---لالہ نے اس کے دونوں کندھے پکڑ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تو وہ کسی سالخوردہ درخت کے کٹے ہوئے تنے کی طرح اس کے سینے سے آ لگی۔ زہراں باپ کے سینے سے لگی سسک رہی تھی۔ جب لالہ کی نظریں پہاڑی ڈھلان سے اترتے ہوئے شیرو پر پڑیں تو اسے خود بخود ساری بات سمجھ میں آ گئی۔
اس نے بیٹی کی پیٹھ تھپک کر اسے خود سے الگ کیا۔ "بس پگلی نہ رو تو---!"
لالہ بیٹی کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگا اور زہراں سامنے والی پگڈنڈی پر جاتے اس مسافر پر نظریں جمائے کھڑی تھی جو اسے جدائی کے نئے جہانوں سے آشنا کروا کر اس کی حد نگاہ سے دور ہی دور بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ پھر اس کے ہونٹ کپکپائے اور آنکھوں میں تیرتی نمی بوند بوند گالوں پر پھسلنے لگی۔
"خدایا! میرے شیرو کو اپنی امان میں رکھنا---!"

موت کی شاہراہ

وہ اجلے چاند کی راتیں تھیں۔

۔۔۔رات کے دوسرے پہر جب چاند کشمیر کی سربلند پہاڑیوں کے عقب میں غروب ہو رہا تھا، شیرو اپنا منہ، سر کپڑے میں چھپائے ہوئے شہر میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی واپسی کے لیے ایسا راستہ اپنایا تھا جس پر کسی فوجی یا کسی پولیس پارٹی سے اس کے ٹکراؤ کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔۔۔ اس کے زخم ابھی پوری طرح مندمل نہیں ہوئے تھے، لیکن تین چار روز سے زیادہ اپاہجوں کی طرح لیٹے رہنا اس کی غیرت نے گوارا نہ کیا۔ جاول نے خدا جانے کہاں سے جڑی بوٹیاں لا کر اس کے زخموں پر لگائیں جنہوں نے جادو کا اثر دکھایا تھا۔ وہ دن رات میں دو مرتبہ ان لوگوں کی خبر لینے آتا اور ان سب کی خدمت میں اس نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ جانے کہاں سے وہ ان کے لیے اتنا گھی اور دودھ لے آیا تھا۔

یہ سارا شہر اور اس کی گلیاں محلے شیرو کے دیکھے بھالے تھے، لیکن آج نہ جانے کیوں وہ خود کو یہاں سے گزرتے ہوئے اجنبی سا محسوس کر رہا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ اپنے ہی گھر پر ڈاکہ ڈالنے جا رہا ہو۔ چلتے چلتے اچانک وہ ٹھٹک کر رک گیا۔۔۔ مخالف سمت سے اسے ٹارچ کی روشنی اپنی سمت لپکتی دکھائی دی۔

خطرے کا احساس ہوتے ہی شیرو کے جسم میں برقی رو دوڑنے لگی۔ وہ بغیر آواز پیدا کیے پھرتی سے ایک ٹیلے کی اوٹ میں ہو گیا جہاں وہ ان لوگوں کی نظروں سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ اسٹین گن پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی اور اس نے گن سیدھی کر کے اس سمت اندھیرے میں نظریں گاڑھی ہوئی تھیں جس طرف سے اب بہت سے قدموں کی آوازیں بھی آنے لگی تھیں۔ اس کی حس سماعت پہلے سے کئی گنا بڑھ چکی تھی۔

اچانک وہ سہم کر رہ گیا۔ ایسے ہی قدموں کی آواز اس کے عقب سے بھی آنی شروع ہو گئی تھی۔ شاید یہاں پہنچ کر دونوں پارٹیوں نے آپس میں رابطہ قائم کرنا تھا اور سوئے اتفاق

سے۔۔ ان دونوں مزاحم پارٹیوں کے بین درمیان میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ اب دو ہی صورتیں تھیں یا تو وہ خاموشی سے آنے والوں کا لقمہ بن جاتا یا تعاقب والوں کے نمودار ہونے سے پہلے ہی سامنے کی سمت اچانک فائرنگ کر کے خلاء پیدا کرتا اور بھاگ جاتا۔۔۔اس کے سامنے پھیلا پہاڑی سلسلہ بھی اپنا دامن پھیلائے اسے سمیٹ لینے کو بالکل تیار تھا اور اس سلسلے میں پہلے سے بمشکل اندازہ دو میل دور کمک کے جنگل میں اس کے ساتھی چھپے ہوئے تھے۔

ایک ایک لمحہ اس پر قیامت ڈھا رہا تھا۔ جلد ہی شیرو ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔ اس نے بے بسی سے لقمہ اجل بننے کی بجائے بہادروں کی طرح موت سے ٹکرا جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔۔۔ابھی تک سامنے سے آنے والے نظر نہیں آ رہے تھے۔ شیرو پیچھے کی سی حالت سے اٹھا اور جھکتے ہوئے قریباً بھاگ کر اسی ٹیلے کی نکڑ پر پہنچ گیا جس کے پہلو سے وہ پارٹی کو نمودار ہونا تھا۔ ایک بڑے پتھر سے ٹیک لگا کر اس نے اپنی سب مشین گن کو سنبھالا۔ ابھی اس نے اسٹین گن سیدھی ہی کی تھی کہ روشنی کی ایک لکیر اس سے بمشکل دو تین گز دور رینگتی نظر آئی۔ اس کے ساتھ کسی کے اونچا اونچا بولنے کی آواز بھی سنائی دی۔ آنے والے مجاہدین کو گالیاں دے رہے تھے جنہوں نے ان کی راتوں کی نیند حرام کر رکھی تھیں اور انہیں اپنے بستروں سے اٹھ کر کشمیر کی جان لیوا ٹھٹھرتی ہوئی راتوں کے حوالے کر دیا تھا۔۔۔ شیرو کی انگلی ٹریگر پر جم کر رہ گئی۔ تربیت یافتہ فوجیوں کی طرح اس نے قریباً جھکتے ہوئے ایڈوانس کرنے کی پوزیشن بنائی اور نظریں ادھر جما دیں۔ اس کے عقب میں آنے والی آوازیں بھی اب نمایاں ہونے لگی تھیں، پھر سب جیسے گڈمڈ ہو کر رہ گئیں۔ دو پولیس والے جنہوں نے رائفلیں اپنے کندھوں پر لٹکا رکھی تھیں، سامنے سے نمودار ہوئے۔ دونوں کسی بات پر قہقہے لگا رہے تھے جب اچانک ان کے قہقہوں نے موت کی چیخوں کا روپ اختیار کر لیا۔ شیرو کی اسٹین گن کی لال سرخ زبان باہر نکلی اور انہیں چاٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ آگے کی سمت بھاگا۔

محض پندرہ بیس قدم بھاگ کر اس نے ایک ٹیلے کی اوٹ میں چھلانگ لگائی اور کندھے سے اسٹین گن لگا کر اس کا رخ مرنے والوں کے ان تین ساتھیوں کی طرف کر دیا، جنہیں اچانک پیش آمدہ صورت حال نے حیرت زدہ کر دیا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے گلے میں لٹکی رائفلوں کو اتار کر لوڈ کرتے وہ بھی شیرو کی گولیوں کا نشانہ بن چکے تھے۔

اچانک فائرنگ اور مرتے ہوئے سپاہیوں کی دلدوز چیخوں نے آنے والوں کو خبردار کیا۔۔

ڈوگرہ فوجیوں اور پولیس والوں کا تھا، وہ فائرنگ کرتے ہوئے ادھر بڑھا چلا آ رہا تھا۔ وہ سب نہ جانے کب سے ادھر تھے۔ علاقے کے مطابق ادھر پھیلتے چلے گئے تھے اور اب سے دشمنوں نے تو کم ہی کر لیا بھی تھیں۔ شیرو نے پہلے تو چاہا تھا کہ وہ رک کر مقابلہ کرے لیکن اس کی رائفلوں اٹھ نے اٹھا لی خیال فوراً بدلنا پڑا۔ محض ایک لمحے کا توقف بھی اس کی جان لے سکتا تھا۔ شکے کی اوٹ میں وہ بیٹھا، وہ پہاڑی سلسلے کی طرف بھاگ اٹھا۔

اچانک اس کے عقب میں کسی طاقتور ٹارچ کی روشنی ابھری اور وہ اپنے کسی لاشعوری عمل کے تحت ہو کر ایک لمحہ ساکت والی کسی جھاڑیوں میں چھپا گیا۔ ٹارچ کی روشنی کے تعاقب میں آنے والی درجنوں گولیوں میں سے کئی گولیاں اس کے جسم میں بھی روشندان بنا دیتیں۔

فائرنگ کی آواز سے اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ اب اس کا مقابلہ پولیس کی ریوڑ سے بچھڑی ہوئی بھیڑوں سے نہیں، ڈوگرہ فوجی دستے کے خون آشام بھیڑیوں سے ہے۔ شیرو زمین سے چپکا اپنی کہنیوں کے بل بڑی تیز رفتاری سے پہاڑی سلسلے کی طرف رینگ رہا تھا اور پھر اس نے اپنے عمل میں تیزی پیدا کرنے کے لیے لوٹنیاں لگانی شروع کر دیں۔

لوٹنیاں لگاتا اب وہ پہاڑی سلسلے میں پہنچ کر قدرے محفوظ ہو چکا تھا۔ اس نے زمین سے اٹھ کر ایک بڑے پتھر کی اوٹ سے اپنی سمت یلغار کرتے ڈوگرہ فوجیوں کا جائزہ لیا اور ایک جگہ رک کر اطمینان سے ان کی سمت فائرنگ کرتے ہوئے گن کی میگزین خالی کر دی۔ وہ ڈوگرہ فوجیوں کو جو کسی کارنامے کی توقع پر سیدھے اس کی طرف بھاگے چلے آ رہے تھے، شیرو نے الٹ کر گرتے اور زمین چاٹتے دیکھا اور بھاگ اٹھا۔ اس نے دوسری میگزین بھاگتے ہوئے ہی گن میں فٹ کی تھی۔

☆○☆

اب وہ پہاڑی سلسلے کے اندر ہی اندر بھاگتا چلا جا رہا تھا۔

۔۔۔اپنے تعاقب میں آنے والی گولیاں اور گالیاں اسے بخوبی سنائی دے رہی تھیں، لیکن جس علاقے میں وہ پہنچ چکا تھا وہاں تو دن کے اجالے میں بھی فوج کی پوری بٹالین اسے ڈھونڈنے میں ناکام رہتی۔

میجر رام سنگھ کی ظالمانہ تفتیش نے اس کے جسم سے خاصی توانائی نچوڑ لی تھی اور یوں بھی بھاگتے بھاگتے اب اس کا سانس قدرے پھولنے لگا، لیکن اس نے تھکاوٹ یا کمزوری کے اس احساس کو خود پر غالب آنے کا موقع نہ دیا اور اس علاقے کی طرف بڑھتا چلا گیا جہاں

اسے اپنے ساتھیوں کی مدد ملنے کی توقع تھی۔

اصولاً تو اب اس کے تعاقب میں آنے والے فوجیوں کو لوٹ جانا چاہیے تھا کیونکہ ان پہاڑیوں میں ایک مرتبہ گھر جانے کے بعد ان کے یہاں سے واپسی کے امکانات معدوم ہو جاتے تھے، لیکن ساتھیوں کی لاشیں دیکھ کر ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اور وہ شیرو کے تعاقب میں گولیاں چلاتے ہوئے آ رہے تھے—— فائرنگ کی آواز تو حسین خان اور اس کے ساتھیوں تک بھی پہنچ رہی تھی، لیکن فائرنگ کرنے والے انہیں اب نظر آئے تھے۔ وہ لوگ اپنی پناہ گاہ سے دو تین فرلانگ کی دوری پر یہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ بائیں جانب سے کیے جانے والے اچانک حملے کا منہ توڑ جواب دے سکیں۔ فائرنگ کی اس آواز نے انہیں چونکا دیا——!

پہلے انہیں اونچائی سے ایک سایہ اپنی سمت بھاگتا نظر آیا، پھر اس کے تعاقب میں فائرنگ کرنے والوں کے ہیولے نمایاں ہونے لگے۔ اس بات کا اندازہ تو انہیں بخوبی ہو چکا تھا کہ ایک شخص بھاگ رہا ہے اور اس کے تعاقب میں فائرنگ کی جا رہی ہے، لیکن جہاندیدہ حسین خان کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھا۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ یہ دشمن کی کوئی چال ہو اور وہ لوگ اس طرح "ڈرامہ" رچا کر اچانک ان کے سروں پر پہنچ جانا چاہتے ہوں۔

"اشرف خان" اس نے اپنے دائیں ہاتھ ایک پتھر کی اوٹ میں کھڑے شرفو کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے مخاطب کیا۔ "تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ نیچے اترو اور اس بھاگنے والے کو گھیر کر پکڑنے کی کوشش کرو۔ اگر شک گزرے یا وہ کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کرے تو اسے گولی مارنے میں بالکل دریغ نہ کرنا۔" اس نے شرفو کو ہدایات دیں۔

حسین خان کی بات مکمل ہوتے ہی شرفو کے ساتھ چار اور مجاہد پہاڑی کی ڈھلان سے نیچے اتر کر ان راستوں کی طرف بڑھنے لگے جہاں وہ شیرو کو باسانی گھیرے میں لے کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر سکتے تھے۔

"نصیب!" حسین خان نے اپنے ساتھ پیچھے دوسرے ساتھی کو مخاطب کیا۔ "نور ولی کو جنگل کی طرف روانہ کر دو تاکہ وہ تمام لوگوں کو خبردار کرے، لیکن انہیں سختی سے ہدایت کر دے کہ میرے حکم کے بغیر ایک گولی بھی فائر نہ کی جائے۔ تم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ میرے ساتھ ہی آؤ۔ ہمیں ان فوجیوں سے نمٹنا ہے۔"

نصیب اور اس کے پانچ رائفل بردار ساتھی کمانڈر حسین خان کے پیچھے پیچھے پہاڑی سلسلے میں غائب ہو گئے جب کہ نور ولی تیزی سے جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔

اور—— محض چند ہی لمحے بعد شیرو نے اپنے چاروں طرف پہاڑی سلسلوں سے شعلے پھوٹتے دیکھے۔—— فائرنگ یک دم ہی ہوئی تھی اور چند ہی لمحے بعد جانبین طرف سے ہونے والی مزاحمت ختم ہو چکی تھی۔ غالباً اس کے ساتھیوں نے تعاقب میں آنے والے سارے ڈوگرہ فوجیوں کو مار ڈالا تھا۔ اب وہ قدرت سے پُرامید ہو کر جنگل کی سمت جا رہا تھا کہ—— اچانک ایک پہاڑی موڑ مڑتے ہوئے ایک رائفل کی ٹھنڈی نال اس کی گردن سے آ لگی۔

"ہینڈز اپ!" کسی کی للکار گونجی۔

شیرو نے بڑے اطمینان سے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ اسے یقین تھا کہ یہ اسی کا کوئی ساتھی ہوگا۔

"اپنی گن نیچے پھینک دو اور میری طرف گھومو۔" دوسرا حکم ملا۔

"شرفو! کیوں میری گن کا نقصان کرواتے ہو۔ پہلے ہی بڑی مشکل سے ہاتھ لگی ہے۔" شیرو نے اپنے دوست کی آواز پہچان لی تھی۔

"شیرو——!" شرفو نے مسرت سے تقریباً چیختے ہوئے نعرہ لگایا اور رائفل ایک طرف رکھ کر بے اختیار اس سے لپٹ گیا۔ اس کے منہ سے شیرو کا نام سنتے ہی اس کے ساتھی بھی وہاں اکٹھے ہو گئے اور سب باری باری شیرو سے بغلگیر ہو رہے تھے۔

شرفو شدت جذبات سے دو تین مرتبہ "شیرو! میرے یار! میرے بھائی——!" کہہ کر اس سے لپٹ چکا تھا اور وہ سب شیرو کو اپنے جلو میں لیے اپنی ایک محفوظ پناہ گاہ کی طرف بڑھ رہے تھے—— جہاں کمانڈر حسین خان بے چینی سے ان کا منتظر تھا۔

☆○☆

بھارت کے ساتھ معاہدہ کرنے کے بعد اس بات کی کچھ امید تھی کہ وہ فوراً اپنی افواج کشمیر روانہ کرے گا۔ مہاراجہ پچھلے دو تین ماہ سے ذہنی مریض بن کر رہ گیا تھا۔ آج بھی جب وہ مہر سنگھ کو رخصت کر کے واپس ہوا تو اچانک بوکھلا گیا۔ جب اس کے اے ڈی سی نے ٹیلیفون پر اطلاع دی کہ قبائلی پٹھان بارہ مولا کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں اور ڈوگرہ پلٹنیں ان کے لیے بھیڑوں کے ریوڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔

"میرا خیال ہے ہمیں رات کے اندھیرے میں سری نگر سے نکل جانا چاہیے۔" اس نے مہارانی سے کہا۔

دونوں اپنی آرام دہ خواب گاہ میں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو لیٹے ہوئے تھے۔ مہاراجہ اس بات سے بالکل بے خبر تھا کہ مہارانی کو آلہ کار بنا کر اس کے ساتھ کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ اس کا محل سازشوں کا گڑھ بن چکا تھا اور اس سازشی ٹولے کا سرغنہ تھا ——— راج گرو!

راج گرو کی شخصیت خاصی پراسرار تھی۔ ایک روز وہ اچانک ہی ڈوگرہ محل میں بیچارو رانی سے ٹکرا گیا جس کے بعد سے اسے رانی کے مندر کا خصوصی پروہت مقرر کر لیا گیا۔ اس بات کا علم کسی کو نہیں تھا کہ راج گرو کو کانگریس کے اس خاص طبقے کے لیڈروں کی مکمل پشت پناہی اور سازش کے ساتھ محل کی طرف روانہ کیا گیا تھا' جو ہمیشہ سے مسلمانوں کا دشمن رہا تھا۔

اس طبقے کے لیڈروں کو اس بات کا یقین تو ہو چکا تھا کہ کشمیر کے مسلمان کبھی بھارت کی غلامی میں رہنا پسند نہیں کریں گے۔ یوں بھی "اصولاً" اور "قانوناً" دونوں طرح سے کشمیر پاکستان کا حصہ تھا' لیکن جیتے جی وہ یہ بات ماننے کو تیار نہ تھے۔ راج گرو اپنی شیطانی ذہنیت سمیت ایک مذہبی رہنما کا لبادہ اوڑھ کر ڈوگرہ محل تک پہنچ گیا تاکہ مہاراجہ کے دل و دماغ پر مہارانی کے ذریعے قابض ہو کر اس سے ہندو لیڈر شپ کے حسب خواہش احکامات جاری کروا سکے۔

روایتی ہندو گروؤں کی طرح راج گرو بھی خفیہ شیطانی قوتوں کا منبع تھا اور اس کی یہی شیطانیت اسے مہاراجہ کے زنان خانے تک لے گئی تھی۔ اس نے مہارانی کے ذہن کو اپنے حصار میں جکڑ رکھا تھا ——— کانگریس ہائی کمان کے زیر ہدایت محض دو تین مہینوں میں اس نے رانی کے ذریعے کشمیر کی سیاست کو بالکل ہی نئے رخ پر ڈال دیا اور مہاراجہ سے اس کے خلاف مرضی اقدامات کروا دیئے۔

مہاراجہ ہری سنگھ کا وزیراعظم پنڈت رام چند کاک غیر متعصب ہندو تھا اور اس کی مسلمان افسران اور لیڈروں سے خاصی بے تکلفی تھی۔ اپنی سیاسی بصیرت کے بل بوتے پر اس نے مہاراجہ کو کشمیریوں کے سامنے بھی "غیر متعصب ڈوگرہ مہاراجہ" کے روپ میں پیش کیا ہوا تھا اور کئی سیاسی طوفان اپنے تدبر سے روک رکھے تھے۔

مسلمان افسران سے پنڈت کاک کی دوستی متعصب' ہندو لیڈروں کی نظروں میں' جو کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ بنانا چاہتے تھے' بہت کھٹکتی تھی۔ انہوں نے پہلے بھی وزیراعظم پر پاکستان کی حمایت کرنے کا الزام عائد کیا' لیکن دال گلتی نظر نہ آئی تو رانی کے ذریعہ

مہاراجہ ہری سنگھ کے کان بھرے جانے لگے۔

راج گرو نے پہلی دو تین ملاقاتوں ہی میں رانی کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا اور وہ دن [illegible] گرو جی کے چرنوں میں ہی گزارا کرتی تھی۔ ایک روز ریاست کے [illegible] دیا۔ ہری سنگھ کو وزیراعظم کشمیر رام چند کاک جو مہاراجہ کے بہت راسخ [illegible] تھے' [illegible] سے سبکدوش کر دیئے گئے ہیں۔ یہ صدمہ [illegible] اور [illegible] پنڈت ان کے وزارت [illegible] لیا تھا کہ اسے مہاراجہ کے حکم پر "پاکستان کی درپردہ حمایت" کے الزام میں گرفتار کروا کر مقدمہ قائم کر دیا گیا ہے۔

اب راستے کا پتھر ہٹ چکا تھا اور راج گرو کو کھل کھیلنے کے بھرپور مواقع حاصل تھے۔ اس نے اپنی چیلی کو خوب خوب استعمال کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے راجہ کے گرد سے اس کے پرانے اور نمک خوار ملازمین کو ہٹا کر مسلم دشمن اہلکاروں کا نیا حلقہ قائم کروا دیا گیا۔

لوگ اٹھتے بیٹھتے اسے یہی مشورہ دیتے تھے کہ اگر اس کی نجات کی کوئی صورت ہے تو صرف بھارت سے الحاق میں۔ اسی دباؤ کے تحت مہاراجہ نے بھارت سے الحاق کا اعلان کر دیا۔ گو وہ بعد میں بہت پچھتایا اور اپنے اس فعل کو "پاگل پن" سے تشبیہ دی لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ مہاراجہ کو راج گرو نے یقین دلایا تھا کہ اس کی گدی قائم رہے گی اور کشمیر ایک علیحدہ اور آزاد ملک کی صورت میں اس کے زیر نگیں رہے گا۔ اب پروگرام کے دوسرے حصے پر عمل شروع ہوا ——— وہ تھا کشمیر میں بھارت کی مسلح افواج کا داخلہ' تاکہ وقت آنے پر وہ بزور اپنا فیصلہ منوا سکیں۔ ونگ کمانڈر مہر سنگھ کی آمد اسی منصوبے کا حصہ تھی اور وہ کامیاب و کامران لوٹا تھا۔

مہاراجہ کے ذہن پر پاکستانی حملہ آور اس بری طرح سے چھائے تھے کہ وہ ذہنی مریض بن کر رہ گیا۔ اس روز جب اسے اے ڈی سی کے ذریعے قبائلی پٹھانوں کے سر پر پہنچنے کی اطلاع ملی تو وہ بالکل ہی دل چھوڑ گیا۔

"مہاراج جی!" رانی نے بڑے ناز و ادا سے اٹھلا کر اس کی گود میں سر رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ ایک روز ہی کی تو بات ہے' گرو جی کہہ رہے تھے کہ "شبھ گھڑی" آیا ہی چاہتی ہے۔ بھارتی فوج کو ان کے حساب کے مطابق پرسوں تک پہنچ جانا چاہیے۔"

"جہنم میں گیا تمہارا گرو۔" مہاراجہ نے اسے جھٹک کر خود سے الگ کیا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ مہارانی نے پہلے تو آگے بڑھ کر اسے روکنا چاہا' لیکن اس کی آنکھوں میں ناچتے شعلے دیکھ کر وہ پیچھے ہٹ گئی۔

وہ رات مہاراجہ نے دہشت اور پریشانی کے ملے جلے جذبات کے تحت شراب نوشی اور چہل قدمی کی نذر کر دی۔ علی الصبح جب اسے علم ہوا کہ سری نگر سے صرف دس میل کے فاصلے پر واقع بارہ مولا بھی قبائلی پٹھانوں نے فتح کر لیا ہے اور اب وہ لوگ سری نگر کی طرف تیزی سے ایڈوانس کر رہے ہیں تو اس کی قوت برداشت جواب دے گئی۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے فوراً اے ڈی سی کو طلب کیا۔

"جی سرکار!" اس نے ہاتھ باندھ دیئے۔

"فوراً سفر کی تیاری کرو۔ ہم جموں جانا چاہتے ہیں۔" خود مہاراجہ کو اپنی آواز اجنبی لگ رہی تھی۔

"لیکن مائی باپ........" اس نے کچھ کہنا چاہا۔

"شٹ اپ! حکم کی فوری تعمیل ہو۔" مہاراجہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"جو حکم مہاراج!" اے ڈی سی سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔

مہاراجہ کے کمرۂ خاص سے وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ باہر نکلا تھا۔ اس کا رخ راج گرو کے خصوصی آشرم کی طرف تھا۔ مندر سے پجاریوں کے پاٹھ کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ بھجن کتھا اپنے عروج پر تھی، لیکن اے ڈی سی جانتا تھا کہ راج گرو ابھی بستر استراحت پر موجود ہو گا۔

گرو جی کے کمرے کے باہر کوئی پہرے دار بھی خلاف توقع موجود نہیں تھا۔ مہاراج کا یہ فیصلہ ایک بم کی طرح اے ڈی سی کے ذہن میں پھٹا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اس لیے وہ سیدھا یہیں چلا آیا تھا۔ نہ جانے بغیر اطلاع کے آمد کا گرو جی کتنا برا منائیں؟ اس نے سوچا اور ٹھٹکا، لیکن معاملے کی سنگین نوعیت نے اسے ہمت دلائی اور اے ڈی سی نے اچانک بڑھ کر دروازے پر ہاتھ مارا جو اندر سے کھلا ہونے کی وجہ سے کھلتا چلا گیا۔ سامنے راج گرو اپنے چوبی تخت پر نرم اور دبیز ریشم کے گدوں پر ڈھیر ہوا پڑا تھا اور مہاراجہ کی خصوصی باندی کوشلیا اس سے لپٹی "مکتی پراپت" کر رہی تھی۔

"م...... م...... مہاراج۔" اس کی زبان ہکلانے لگی۔

"شانت بالکے۔" اس نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ اونچا کر کے سائبان کی طرح یوں بلند کیا جیسے آنے والے نے کچھ دیکھا ہی نہ تھا۔

"تم جاؤ بالکے۔" اس نے سہمی ہوئی کوشلیا کی کمر پر تھپکی دی۔

کوشلیا اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے الٹے قدموں چلتے ہوئے دونوں ہاتھ باندھ کر

مہاراج کو "سیس نواتے" اور باہر نکل گئی۔

"بکو!" راج گرو نے اپنی سرخ سرخ آنکھیں نو وارد اے ڈی سی کے چہرے پر جما دیں۔

اے ڈی سی نے وہیں کھڑے کھڑے ہاتھ باندھ کر اسے اس نئی "چتا" سے آگاہ کیا۔ راج گرو اس کی بات سن کر خاموش ہو رہا۔ اس کے چہرے سے یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ مراقبے کی کیفیت سے بیدار ہو کر اے ڈی سی سے مخاطب ہوا۔ "ٹھیک ہے اس کے حکم پر عمل کرو۔ ہری سنگھ کی ہر طرح سے رکھشا کرنا۔ اپنے پندرہ آدمی ساتھ لے لو۔ خبردار ایک بھی دربار کا آدمی نہ ہو۔ مہاراج کی جان بہت قیمتی ہے۔ اسے ہر صورت ابھی زندہ رہنا چاہیے۔ ہاں اگر وہ پاکستان کی طرف فرار ہونے یا حملہ آوروں سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کرے تو اسے فوراً جان سے مار دینا۔"

"آدیش ہے۔ (ضرور ایسا ہی ہو گا) گرو جی۔" اے ڈی سی نے ہاتھ باندھے اور الٹے پاؤں چلتا کوشلیا کی طرف باہر نکل گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں مسلح محافظوں کی رہنمائی میں مہاراجہ کا قافلہ جموں کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی کار میں دو مسلح باڈی گارڈ ہاتھوں میں آتشیں اسلحہ لیے بیٹھے تھے۔ کار کے آگے ایک ٹرک ڈوگرہ فوجیوں کا بھرا ہوا چل رہا تھا جس میں لگے طاقتور وائرلیس سیٹ کے ذریعے راستے کی پل پل کی خبریں مل رہی تھیں۔

دو سو میل کا فاصلہ بخیر و عافیت اور راستے میں دم لیے بغیر مسلسل طے کر کے مہاراجہ جموں جا پہنچا۔ اس کے ذہن میں کیا ہے؟ وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس بات کا علم کبھی کسی کو نہ ہو سکا۔

مہاراجہ نے سختی سے اس بات کی ہدایت کر دی تھی کہ اس کی آمد کو بالکل خفیہ رکھا جائے۔ اے ڈی سی کو اس نے اپنی خواب گاہ میں طلب کیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ہاتھ باندھے مہاراجہ کے سامنے کھڑا تھا۔

"اگر کل صبح تک وی پی مینن بھارت سے فوجی مدد لے کر نہ پہنچے تو تم مجھے نیند میں گولی مار دینا۔" مہاراجہ نے اسے دہلا کر رکھ دیا۔

اے ڈی سی نے کچھ کہنا چاہا، لیکن حیرت سے اس کا منہ کھلے کا کھلا ہی رہ گیا۔ بڑا عجیب اور وحشت ناک فیصلہ کیا تھا اس کے مہاراج نے۔

"اب کیا ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے کھڑے ہو۔ جاؤ۔ شب بخیر!" مہاراجہ نے اسے دروازہ بند کرنے کا اشارہ کیا۔

☆O☆

گردش حالات نے جب کشمیر کے ڈوگرہ مہاراجہ کو اتنا بے بس اور بے دل کر دیا کہ وہ مجاہدین کی مسلسل اور منضبط کامیابیوں کے ہاتھوں عاجز اور ذہنی مریض بن کر اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ اپنے اے ڈی سی کو خود کو گولی مارنے کا حکم دے رہا تھا۔ عین ان لمحات میں وقت کا دھارا بدلا۔ کاتب تقدیر کا قلم ایک نئی نہج اپنا گیا۔ اس کے ساتھ ہی برصغیر کی تاریخ کا ایک ایسا سیاہ باب رقم ہونے لگا جس نے بعد میں اس خطہ زمین پر بسنے والے کروڑوں انسانوں کی بدبختی پر صاد کرنا تھا۔

قبائلیوں کے حملے کے تیسرے ہی روز بھارتی ہائی کمان ایک اہم فیصلے پر پہنچ چکی تھی۔ کانگریسی لیڈر اس زعم میں مبتلا تھے کہ یہ نوزائیدہ مملکت جس پر یک دم لاکھوں یتیم، بیوائیں اور لٹے پٹے انسانوں کا بوجھ آ پڑا ہے، جس کا خزانہ بالکل خالی ہے، جس کے حصے میں آنے والی فوج سمندر کے پار یا برصغیر کے دور دراز کونوں میں پاکستان سے ہزاروں میل دور کیمپوں میں بے دست و پا پڑی ہوئی ہے، محض چند ہفتوں میں معاشی موت مر جائے گی۔ خود پاکستان کا وجود سلامت رکھنا ہی اس مملکت کے لیے ایک مسئلہ بنا ہوا تھا، لیکن کانگریسی لیڈرشپ کے ایوانوں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ کمزور جسم لیکن فولاد ایسے مضبوط ارادوں کا مالک قائداعظمؒ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہا ہے کہ کشمیر، دکن اور حیدرآباد ہمارے ہیں اور وہ پاکستان کی سمت اٹھنے والے ہاتھوں کو کاٹ کر پھینک دے گا۔

پاکستانی افواج کا انگریز کمانڈر انچیف ان کا پروردہ تھا۔ اس کے جیتے جی اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ پاکستانی فوج کشمیر میں داخل ہو، لیکن جنرل طارق کی کمان میں اپنے مظلوم کشمیری بھائیوں کی مدد کو آنے والے پٹھان اور کشمیری مجاہدین جس تیزی سے کشمیر کے دارالحکومت کی طرف بڑھ رہے تھے، اس کا کبھی کسی کو گمان بھی نہیں گزرا تھا۔

قبائلی سرفروشوں کی یلغار کے تیسرے ہی روز بھارتی حکمرانوں نے اپنے چیف آف اسٹاف کو حکم دیا کہ وہ کشمیر میں حملے کا پلان تیار کرے۔

جب مہاراجہ ہری سنگھ حالات سے تنگ آ کر خودکشی کے منصوبے بنا رہا تھا تو [illegible] کے رہنے والے بریگیڈیئر حسن کی قیادت میں ایک سو فوج بردار طیارے بھارتی فوجیوں [illegible] کی طرف اڑا لے جانے کے لیے پر تول رہے تھے۔ گورداسپور، جالندھر اور [illegible] کی چھاؤنیوں میں [illegible] تمام بھارتی فوجوں کو جموں کی طرف بڑھنے اور اس پر

فوراً قبضہ کر لینے کے احکامات جاری ہو رہے تھے اور تاریخ کا دھارا بڑی تیزی سے اپنا رخ بدل رہا تھا۔

☆O☆

میجر رام سنگھ نے کبھی گولیاں نہیں کھیلی تھیں، لیکن پے در پے حادثوں نے اسے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ پچھلے مہینے جو تین اسٹین گنیں چوری ہوئی تھیں وہ مجاہدین آزادی کے ہاتھ لگ چکی ہیں۔ لاشیں اس کے سامنے رکھی تھیں اور ان کی موت واقعی اسٹین گن کی فائرنگ سے ہی ہوئی تھی۔ دونوں پٹرول پارٹیوں میں سے صرف ایک خوش قسمت اپنی بربادی کی کہانی سنانے کے لیے زندہ اس تک پہنچ پایا تھا۔ وہ بھی اس لیے کہ اس نے اپنے افسر کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پہاڑی سلسلے میں چھاپہ مار کا تعاقب کرنے کی بجائے چھپ جانے ہی میں بہتری جانی تھی۔

"ــــ ایک حملہ اور پولیس کی پوری پٹرول پارٹی کا صفایا کر گیا اور ــــ اس کے تعاقب میں جانے والوں کو اس کے پہاڑوں میں چھپے ساتھیوں نے لقمۂ اجل بنا دیا۔" میجر رام سنگھ کا ذہن صرف ایک ہی سمت راہنمائی کر رہا تھا۔ اس نے سوچا "ناممکن ہے کہ وہ لوگ اکیلے ہوں۔ ضرور ان کی پشت پناہی پاکستانی فوج کر رہی ہے۔" قبائلیوں کی مسلسل پیش قدمی کی خبروں نے الگ اس کا برا حال کر رکھا تھا۔ لالہ مہاویر پرشاد اس کے لیے بڑے کام کا آدمی تھا۔ اس کا سارا نظام جاسوسی لالہ مہاویر پرشاد ہی کے سہارے چل رہا تھا اور اسی کی کوششوں سے میجر رام سنگھ کو مقامی غدار میسر آئے تھے۔

لالہ مہاویر کے اغوا اور موت کے بعد سے مجاہدین آزادی کی ایسی دہشت ان مقامی غداروں پر بیٹھی تھی کہ وہ اب تھانے میں آنے سے بھی خوفزدہ رہتے تھے۔ زیادہ تعداد ان غداروں کی تھی جو قبائلیوں کے آزاد کردہ علاقے کا رخ کر رہے تھے یا پھر سری نگر اور جموں کی طرف بھاگ رہے تھے۔ میجر رام سنگھ کو ایک خوف اندر ہی اندر سے کھا رہا تھا۔ اس نے سوچا یہ بھی تو ممکن ہے کہ اگر اس نے مجاہدین آزادی کی دی ہوئی وارننگ کو نظرانداز کر دیا تو وہ اپنی دھمکی پر عمل کر گزریں۔

وہ تو شیرو کے فرار اور لالہ مہاویر پرشاد کی لاش ملنے کے فوراً بعد ہی یہاں سے کسی اور جگہ تبادلہ کروا کے جا چکا ہوتا، لیکن اس کے لاشعور میں لگی انتقام کی آگ اب اس کے شعور کو بھی جھلسانے لگی تھی۔ وہ صرف انتقام کے لیے یہاں رکا ہوا تھا۔ زہرہ کے اغوا،

شیرو کے فرار اور لالہ مہاویر کی موت کا انتقام——!

اس سے پہلے اس نے کبھی اپنے لیے خصوصی حفاظتی انتظامات نہیں کیے تھے، لیکن اب وہ اس سلسلے میں خاصا محتاط ہو گیا تھا۔ وہ جہاں کہیں بھی جاتا، تین چار [illegible] حفاظت کے لیے اس کے ہمراہ ہوتے۔ ایک بات کا تو اسے پختہ یقین تھا کہ اس تھانے کے اندر بھی مجاہدین کا کوئی نہ کوئی ہمدرد ضرور موجود ہے—— اسی کی مدد سے انہوں نے زہراں کو اغوا کیا اور شیرو کو فرار کروا دیا ہے۔ اس بات کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے کہ شیرو بغیر کسی "اندرونی امداد" کے وہاں سے فرار ہو سکتا۔

میجر رام سنگھ کا پونچھ میں اب صرف ایک ہی کام باقی رہ گیا تھا کہ وہ آستین کے سانپ کو ڈھونڈے اور اسے اذیتیں دے دے کر اپنے ہاتھوں مار ڈالے۔ یہی عزم تھا جس نے میجر رام سنگھ کا حوصلہ بڑھائے رکھا۔ اس نے تمام معاملے پر براہ راست نظر رکھنے کا فیصلہ کیا تھا اور بجائے کسی اور کو شامل کرنے کے اکیلے ہی اس کام کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اس نے باری باری تمام پولیس ملازمین کو جن میں ہندو سکھ اور ڈوگرے بھی شامل تھے، علیحدہ علیحدہ اپنے پاس بلا کر ان سے گفتگو کی تھی۔ اس نے کمال مکاری سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں کو یہ احساس ہی نہ ہونے دیا کہ اسے کسی پر کسی قسم کا شک ہے—— اور اپنی طویل تفتیش کے بعد اس کے ذہن نے جن مشتبہ آدمی کی نشاندہی کی تھی، ان میں سے ایک سجاول بھی تھا۔ میجر رام سنگھ نے انتہائی معتمد اور خصوصی آدمیوں کے ذریعے ان لوگوں کے معمولات چیک کیے تھے۔ خود بھی مختلف بھیس بدل کر باری باری ان لوگوں کی نگرانی کی تھی—— جب سجاول کے متعلق اسے خبر ملی کہ اس کے بچے تو تقسیم ملک کے اعلان سے پہلے ہی پاکستان پہنچ چکے ہیں تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔

"جناب کیا عرض کروں!" جب میجر رام سنگھ نے کمال مکاری سے اپنے چہرے کے تاثرات بدل کر بڑے معصوم سے لہجے میں سجاول سے اس کے بیوی بچوں کے متعلق دریافت کیا تو اس نے بلا کسی جھجک کے ہنستے ہوئے کہا۔ "میری گھروالی کا دنیا میں اگر کہیں دل لگتا ہے تو صرف اپنی ماں کے گھر۔ پھر یہ بھی تو دیکھئے سرکار کہ آخر میری تنخواہ میں ذرا سب کا گزارا کیسے ممکن ہے؟"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" رام سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے گھریلو معاملات میں مداخلت نہیں کر رہا۔ میں تو مخدوش حالات کے پیش نظر کہہ رہا تھا۔ ایک لحاظ سے تو تم نے اچھا ہی کیا کہ —— سرکاری ملازمین کو تو یہ لوگ معاف کرتے ہی نہیں۔ ذرا

جانے دو ان کو لے آؤ۔"

"ٹھیک ہے سرکار۔" سجاول نے بڑے انکسار کا مظاہرہ کیا۔

اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ [illegible] شام کو اپنی ڈیوٹی ختم کر کے جب وہ بارک میں جا رہا تھا تو [illegible] "آج اس کا تھانے میں رات گزارنا ضروری نہیں۔ اگر وہ چاہے تو اپنے گھر جا سکتا ہے۔" پچھلے آٹھ دس روز سے ان لوگوں کو انتہائی مخدوش حالات کے پیش نظر ڈیوٹی ختم ہونے کے بعد بھی تھانے میں رہنے کا پابند کر دیا گیا تھا کہ نہ جانے کس وقت کوئی ایمرجنسی پیش آ سکتی تھی۔

اکثر انہیں آدھی رات کو سوتے سے اٹھا کر "ایمرجنسی ڈیوٹی" پر طلب کر لیا جاتا تھا۔ آج جب انسپکٹر مہر نے اسے رات کی چھٹی کا مژدہ سنایا تو وہ اپنے گھر کی طرف چل دیا، جس کی شکل اس نے پچھلے تین چار روز سے نہیں دیکھی تھی۔ ان چار پانچ دنوں میں گو کہ وہ رات کو تھانے میں سوتا رہا تھا، لیکن اس نے اپنے مہمانوں کو فراموش نہیں کیا تھا۔ وہ ہر شام یا دن کے کسی بھی حصے میں کسی نہ کسی بہانے ان تک پہنچ جاتا، لیکن یہ ملاقات انتہائی مختصر ہوتی تھی۔

سجاول ضروریات زندگی انہیں تھماتا، دو چار فقرے حوصلہ قائم رکھنے کو کہتا، مجاہدین اور قبائلی پٹھانوں کی سرفروشانہ یلغار کا ذکر کرتا اور رخصت ہو جاتا۔ ایک آدھ مرتبہ لالہ نے اسے کہا بھی کہ مجھے شہر تک ہو آنے دو، بھلے رات کے اندھیرے ہی میں سہی، لیکن سجاول نے سختی سے روک دیا۔ اس نے لالہ کو صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ اگر اس نے کبھی بھولے سے بھی اس کمین گاہ سے باہر قدم رکھا تو اپنے ساتھ ان کو بھی لے ڈوبے گا۔

☆○☆

تھانے سے باہر نکلتے ہوئے آج اچانک ہی اس نے گردوپیش کا جائزہ لیا تھا۔ اس سے پہلے تو وہ فوجی کنوائے والے میدان سے پہلے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتا تھا، شاید اسے کوئی بات یاد آ گئی یا اپنے کسی لاشعوری فعل کا محتاج ہو کر اس نے یہ عمل دہرایا تو فوجی کنوائے کے خیموں کے عقب سے سپاہی منوہر لال کے چہرے کی ایک جھلک دکھائی دی جو اسے دیکھتے ہی دوبارہ غائب ہو گیا۔ سجاول ٹھٹک کر رہ گیا۔ اس کے لاشعور میں دبے خدشات انگڑائیاں لے کر بیدار ہونے لگے۔ "رام سنگھ کے پاس اس کی طلبی——!" وہ چونک پڑا۔

——اگرچہ اکیلے اسی کو طلب نہیں کیا گیا تھا، لیکن منوہر لال جیسے "کار خاص" کے

[illegible]

سجاول حسب معمول رات میں مختلف [illegible] سے گپ شپ [illegible]
[illegible] اپنے [illegible] کی سمت سے اس نے [illegible] منوہر لال کو [illegible]
[illegible] میں داخل ہوتے دیکھ [illegible]
[illegible] اور ایسے شخص کے متعلق [illegible]
[illegible] کے مرنے کے بعد [illegible]
اس نے قصبے میں روانگی کے وقت [illegible] ارادہ کیا تھا کہ وہ گھر سے نکل کر [illegible]
مہمانوں کے پاس پہنچے گا لیکن [illegible] صورت حال میں اس نے اپنا منصوبہ تبدیل [illegible]
[illegible] اب کسی [illegible] پر عمل کرنے کا تھا

تب [illegible] ایک [illegible] کہ اس نے [illegible]
[illegible] ایسے [illegible] میں [illegible] سے [illegible]
سجاول نے ایک [illegible] اور اسے [illegible] کے [illegible] میں [illegible]
جیب میں [illegible] دیکھنے پر [illegible] تھا

[illegible] رات کی [illegible]
[illegible]

[illegible]

سجاول نے اندھیرے میں [illegible]
[illegible] مطمئن ہو کر ایک طرف [illegible]
[illegible] رات اس کی [illegible]
[illegible] مخصوص جگہ پہنچ کر اس نے ایک درخت کے [illegible]
[illegible] ایک کو [illegible] اپنی جگہ سے [illegible] اپنی جیب سے [illegible]
[illegible] اس پتھر کے نیچے دبا دیا۔ [illegible]
[illegible] رات میں بھی اس کے پیچھے [illegible]
[illegible] قدموں سے سجاول کو [illegible] اور مطمئن ہو کر واپس [illegible]
راستے سے [illegible] تھا

تقریباً دو گھنٹے گھر سے غائب رہنے کے بعد وہ [illegible] واپس [illegible]
گیا اور گھر میں داخل ہونے کے بعد اس نے انتہائی باریک بینی [illegible] سے یہ جائزہ لینے کی
کوشش کی کہ اس کی غیر موجودگی میں تو کوئی اندر نہیں آیا [illegible]
مطمئن ہو کر اپنی چارپائی پر لیٹ گیا۔ لالٹین کی روشنی اس نے کم کر دی تھی۔

صبح تک سجاول بے فکری کی نیند سوتا رہا اور صبح طلوع ہونے پر وہ ایک مرتبہ پھر
اپنی چارپائی پر موجود تھا

منوہر لال کی رپورٹ نے میجر رام سنگھ کو سٹپٹا کر رکھ دیا۔ اس نے بھی سجاول کے متعلق [illegible]

[illegible]

۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء:

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں ایک تاریخ ساز دن کی حیثیت سے یاد رکھا جائے گا [illegible] اور اقدامات ہوئے [illegible] عوام کے لیے کسی دھماکے سے کم ہرگز نہیں تھے۔

مہاراجہ کشمیر جس نے بزعم خویش [illegible] کشمیری عوام کی قسمت کا [illegible] شروع کر دیا تھا اور جس نے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر بھارت سے الحاق کی تحریر لکھ کر [illegible] میں اپنے لرزہ براندام حکمران کو منہدم ہونے سے محفوظ کر لیا تھا' لیکن اس کے [illegible] کشمیر کے لاکھوں شہریوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے قیام پاکستان کا اعلان [illegible] ہی مہاراجہ کے خلاف ہتھیار اٹھا کر اپنی نفرت کا کھلا اظہار تو کبھی کا کر دیا تھا' لیکن وہ [illegible] یا غلط فہمی جس کا شکار مہاراجہ ہری سنگھ ڈوگرہ ہو چکا تھا' اب تک جموں کی [illegible] قائم تھی۔ جب ریاست میں اس کے اس فیصلے سے نفرت کا اظہار کرنے کے لیے عوام نے آواز اٹھائی تو ڈوگرہ محل کی بنیادیں لرزنے لگیں۔

مہاراجہ ہری سنگھ کو شدت سے اس بات کا احساس ہو چکا تھا کہ راج گرو کی دوست [illegible] جانے والی سازش اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے۔ وہ پچھتایا ضرور تھا' لیکن اب وہ پچھتاوا بے معنی تھا کیونکہ ۲۷ اکتوبر کی صبح اپنے جلو میں ۳۳۰ فوجیوں کا ایک لشکر بھی لے کر آ رہی تھی جو فوج بردار طیاروں کے ذریعے سری نگر کے ہوائی اڈے پر اتر کر صورت حال سنبھال چکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی بھارتی فضائیہ بھی حرکت میں آ گئی۔

اسی روز سردار ابراہیم خان کی زیر قیادت کشمیر کے آزاد کرائے گئے علاقوں میں نئی حکومت کا قیام عمل میں آ گیا' جس کے ساتھ ہی ہندوستان کی طرح کشمیر بھی دو حصوں میں بٹ کر رہ گیا۔

اسی روز پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان نے لاہور میں اکابرین ملت کا ایک نہایت اہم اجلاس اس ضمن میں طلب کیا کہ اب اس نئی اور سنگین پیدا شدہ صورت حال سے کیسے نمٹا جائے۔ دیگر بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری نمائندوں کے علاوہ اس اجلاس میں جنرل طارق نے خصوصی شرکت کی۔ کشمیری مسلمانوں کو جبر و استبداد کے نوکیلے پنجوں

[illegible]

جموں پر قبضہ یا حملہ کرنے کی صورت میں [illegible] مجاہدین آزادی [illegible]

غیر محفوظ ہو جاتا اور ان کی سرگرمیاں زبردست خطرے میں پڑ جاتیں۔

جموں پر حملہ کرنے کے لیے جنرل طارق نے فوجی امداد طلب نہیں کی تھی۔ انہوں نے حکومت سے درخواست کی تھی کہ قبائلیوں کی صرف ایک ہزار نفری کو اس طرف سے حملہ کرنے کی اجازت دے دے' لیکن ان کا یہ منصوبہ اور خواب ادھورا رہا۔ "سیاسی بازی گروں" نے فوراً اس خدشے کا اظہار کر دیا کہ اس طرح بھارت اور پاکستان کے درمیان کھلی جنگ چھڑ جائے گی اور بھارت کو پاکستان پر حملہ کرنے کا بہانہ میسر آ جائے گا۔

حالات اور تاریخ نے تب بھی اور آج بھی اس سوچ کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ اس وقت قبائلی پٹھان (جن کے متعلق بھارتی حکومت کو اچھی طرح علم تھا کہ وہ پاکستان کے شہری نہیں ہیں) میرپور' پونچھ' کوٹلی' جھانگڑ' نوشہرہ اور بھمبر پر کامیاب یلغار کر رہے تھے اور بھارتی حکومت کے پاس' اگر اس نے حملہ کرنا ہی تھا تو یہ بڑے معقول بہانے تھے۔

جنرل طارق نے اس خیال کو بالکل غلط بتایا اور ان "سیاسی بازی گروں" کو سمجھانے کی کوشش کی کہ جموں پر قبائلی حملے کی صورت میں مقامی آبادی خوفزدہ ہو کر بھارت کا رخ کرے گی۔ اس طرح وہ واحد راستہ بھگدڑ کی وجہ سے بند ہو جائے گا اور قبائلی ایک مرتبہ جموں کے پہاڑی سلسلے میں گھس جائیں تو بھارتی فوج کو کبھی راجوری اور پونچھ کی طرف بڑھنے کی ہمت ہی نہ ہو گی۔

جنرل طارق کی اس تجویز کو جس خطرے کے پیش نظر رد کیا گیا تھا' حالات نے اسے جلد

ہی حاصل ثابت کر دیا کیونکہ حکومت کی اجازت نہ دینے کے باوجود بھی بکر میجر رضا کار قبائلیوں نے جموں پر خود سے حملہ کر دیا، لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ اس کے بعد پاکستان کی باقاعدہ فوج کی جنگ بھی کشمیر کے مختلف محاذوں پر بھارتی فوج سے ہوئی، لیکن ہندوستان نے پاکستان پر کھلا حملہ کرنے کی کوشش نہ کی۔

جموں ایک سلگتا ہوا سوال بن کر کشمیر کے ماتھے پر چمک رہا تھا۔

جنرل طارق نے جو آدمی اس طرف روانہ کیے تھے وہ ابتدائی دنوں ہی میں راشن نہ ملنے کی وجہ سے وہاں سے واپس آ چکے تھے اور اس انتہائی اہم محاذ کا خالی رہ جانا بڑا المیہ تھا۔

☆○☆

کمانڈر حسین خان اور شرفو دونوں بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے [illegible] نے انہیں ساری کہانی سنا دی تھی۔

—— پہلے تو ان کا یہی خیال تھا کہ شیرو خود فرار ہوا ہے، لیکن یہ ان کا اجنبی ہمدرد کون تھا؟ جس کے متعلق شیرو کچھ بتانے کو بھی تیار نہ تھا۔ "وہ جو کوئی بھی ہے، ہم سفر ہے۔ ہمارے ہی راستے کا مسافر اور ہماری اگر کوئی پہچان ہے تو وہ کشمیری حریت پسند ہے۔ اس کا نام کیا ہے؟ اگر تم بتاتے بھی تو میرے لیے یہ ضروری بات نہیں تھی۔ شیرو! اگر ایسی طاقتور اور منظم تنظیم کا قیام عمل میں آ چکا ہے جس نے کشمیر کو آزاد کروانے کے لیے اندر ہی اندر اور نہایت خفیہ طریقے سے تیاری مکمل کر لی ہے تو یہ میری، تمہاری اور ہم سب کی خوش بختی کی علامت ہے۔ آج ہم سب بکھرے ہوئے ہیں۔ ٹکڑیوں میں بٹ کر لڑ رہے ہیں۔ ایک وقت آئے گا جب ہم سب متحد ہو کر استعماریت سے ٹکر لیں گے اور اپنی دھرتی کو غاصبوں کے شکنجے سے نکالیں گے۔" کمانڈر حسین خان نے طویل سانس لے کر اپنی بات مکمل کی۔

شرفو نے البتہ کچھ نہ کہا۔ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے دوست! اس خوشی کی کیفیت کا اظہار کیسے کرے جو اسے اچانک شیرو کے مل جانے پر نصیب ہوئی تھی۔

وہ رات کمانڈر حسین خان اور اس کے ساتھیوں کے لیے خصوصی اہمیت کی حامل تھی۔ انہوں نے نوردلی کو تین چار روز پہلے جموں کی طرف روانہ کیا تھا تاکہ وہاں کے حالات سے انہیں باخبر کر سکے۔

چند روز پہلے ہی جموں کی طرف سے تشویشناک خبریں آ رہی تھیں۔ چھوٹی موٹی جھڑ

ہی بھارتی فوجیں آ پہنچی ہوئی تھیں اور جموں کے لیے خطرے کی گھنٹی تھی۔
—— پونچھ کے جو فوجی چھٹی پر ملک کی آزادی کے بعد کشمیر اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے، اپنے ساتھ بھارتی فوجوں سے متعلق بڑی اہم خبریں لائے تھے۔ کمانڈر حسین خان تک یہ خبر بھی پہنچ چکی تھی کہ پاکستان نے جموں کے محاذ کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔

اور اب جب سری نگر میں بھی بھارتی فوج اترنے لگی تھی اور جموں کے راستے بھی وہ لوگ سارے کشمیر میں پھیل رہے تھے تو حسین خان کو بڑی شدت سے اپنے عقب کے غیر محفوظ ہونے کا احساس ہونے لگا تھا۔ اس کی واحد امید اب جموں میں اس کا ذریعہ نبی خان تھا۔ نوردلی کو اس نے نبی خان کی طرف ہی روانہ کیا تھا اور دوران گفتگو ہی اسے نوردلی کی واپسی کی اطلاع مل چکی تھی۔
—— گفتگو مکمل ہوتے ہی وہ اس کی طرف چل دیا۔

☆○☆

مسلسل سفر نے بوڑھے نوردلی کو تھکا ڈالا تھا اور —— وہ چٹائی زمین پر بچھائے ایک تکیے سے ٹیک لگائے لیٹا ہوا تھا، جب اس نے حسین خان کو اس طرف آتے دیکھا۔ ایک دوسرے کی خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد وہ دونوں اٹھ کر باہر آ گئے اور تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے تک دونوں دوست تنہائی میں باتیں کرتے رہے، پھر نوردلی تو سونے چلا گیا جب کہ حسین خان سوچ میں ڈوبا واپس آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ اپنے بیس خاص ساتھیوں کے ساتھ جن میں اشرف خان اور شیر محمد بھی شامل تھے، انتہائی اہم معاملے پر مشورہ کر رہا تھا۔

"میرے دوستو!" اس نے گفتگو کے اختتام پر انہیں مخاطب کیا۔ "محترم حالات آپ کے سامنے ہیں۔ تقدیر نے ہمیں دوراہے پر لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ ہمارے عقب سے بھارتی فوجیں ہم پر یلغار کر رہی ہیں اور دائیں بائیں سے ہمیں ڈوگرہ فوجوں نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ ہماری نظریں سامنے کی سمت اپنے [illegible]ن بھائیوں پر لگی ہیں جو نہ جانے کیوں ہم تک پہنچ نہیں پائے، نہ ہی ابھی تک بھارتی فوج کے خلاف پاکستان کی باقاعدہ فوج میدان میں اتری ہے۔ نہ جانے وہ لوگ کس روز بد کے منتظر ہیں کہ ابھی تک ہماری مدد کو نہیں آئے۔ اس مرحلے پر اگر ہم نے پونچھ کو خالی چھوڑ دیا تو خدائے واحد کی قسم قیامت تک پھر کبھی ہم دوبارہ یہاں قدم نہ رکھ سکیں گے۔ الا یہ کہ کوئی معجزہ ظہور پذیر ہو اور ہمیں دوبارہ یہاں قدم جمانے کا موقع مل جائے۔ ہم نے جس بے سروسامانی کے عالم میں جہاد کا آغاز کیا تھا وہ

آپ سب جانتے ہیں اور آج جب ہماری کوششیں رنگ لانے کو ہیں تو ہمارا... مٹانے کے لیے اپنے ہم مذہبوں کو بلا لیا ہے۔"

تھوڑی دیر کے لیے رک کر اس نے اپنے ہمراہیوں کے چہروں پر نظر دوڑائی... سب پتھر کے بت بنے اس پر نگاہیں جمائے بیٹھے تھے۔

"جموں میں جس طریقے سے خون مسلم بہہ رہا ہے' آسمان بھی اس پر رو سکے اگر ہو کا شکر ہے خدا ہماری غیرت ابھی زندہ ہے۔ کشمیر کے بیٹے ابھی مر نہیں گئے کہ یوں ختم... کی بہو بیٹیوں کو گلیوں میں رسوا کرتا پھرے ——— آزمائش کی گھڑی سر پر آگئی ہے... جموں کے بے کس اور مظلوم مسلمانوں کا لہو صرف اپنی بدبختی کی دہائی نہیں دے رہا ہماری غیرت کو بھی للکار رہا ہے۔ خدائے واحد کی قسم! ہم تعداد میں نہ ہونے کے برابر ہیں، ہمارے پاس اسلحے کے انبار نہ سہی' لیکن ہمارے سروں میں آزادی کا سودا سمایا ہوا ہے، ہمارے بازوؤں میں ابھی اتنی سکت ہے کہ وہ ان غاصبوں کا گلا گھونٹ دیں جنہوں نے ہماری پشت میں خنجر گھونپا ہے۔" اس نے رک کر دوبارہ لمبی سانس لی اور گویا ہوا۔

"میں کل رات جموں روانہ ہو جاؤں گا۔ یہاں کی کمان نورولی کے سپرد کر رہا ہوں... تم میں سے کسی سے اپنے ساتھ چلنے کی اپیل نہیں کروں گا' لیکن تمہیں تمہارا فرض ضرور یاد دلاؤں گا........"

"حسین خان! واللہ ہم ابھی اتنے بے غیرت نہیں ہوئے کہ تمہیں اکیلا جانے دیں..." شیرو نے تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی۔

اس کے ساتھ ہی تمام مجاہدین اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ حسین خان نے شیرو کو بہت سمجھایا' لیکن اس کے جذبہ شوق شہادت کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ اگلی رات سفر کے لیے منتخب ہوئی۔ ان لوگوں کو پہاڑوں کے بیچوں بیچ پیدل سفر طے کر کے جموں پہنچنا تھا کیونکہ تمام سڑکیں فوج کے قبضے میں تھیں۔

رات گئے تک شیرو' اشرف خان کو تسلیاں دیتا رہا۔ اس نے زبردستی شرفو کو یہاں چھوڑ دیا تھا۔ قریباً" آدھی رات کے بعد ایک شدید ذہنی کشمکش کے بعد وہ اس فیصلے پر پہنچا تھا کہ وہ اپنے دوست کو اپنی ماں اور منگیتر کے ٹھکانے سے آگاہ کر دے تاکہ کسی بھی ناگہانی صورت حال کے پیش نظر وہ ان لوگوں کو لے کر سرحد پار کر جائے۔

"تم ہمیشہ مجھے چھوٹا سمجھ کر دبائے آئے ہو شیرو———!" اس نے قریباً" سسکیاں لیتے ہوئے روانگی کے وقت اس سے کہا۔

"شرفو! میرے ہمالی میں ایک بہت بڑی امید... میری ماں کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اگر اس کا بیٹا سرگرداں ہوا تو... بکانے کہ اچانک امان اللہ۔" اسے یوں لگ رہا تھا کہ اگر وہ کچھ تھوڑی دیر تک شرفو کے پاس رکا رہا تو شدت ضبط سے اس کا کلیجہ پھٹ جائے گا۔

☆☆○☆☆

——— وہ رات کا دوسرا پہر تھا جب پچاس سرفروشوں کا ایک قافلہ اپنے ہاتھوں میں کشمیر کے مقدر کو ڈاٹنے کے لیے پہاڑوں کے دامن میں اتر رہے تھے۔ اور انہیں کوئی تھامنے' کندھوں پر چادریں رکھے اپنے ساتھیوں سے رانفلیں لیے سرگردی میں الگ ہو رہا تھا۔ یہ کشمیر کے وہ جیالے سپوت تھے جنہیں دشمن کی ان کی برتری ہرگز گوارا نہ تھی۔ وہ مار دینے یا مر جانے کا سودا سروں میں لے کر یہاں سے رخصت ہو رہے تھے۔ احساس تفاخر ان کے چہروں سے عیاں تھا۔ یہ خدا اور سربلندوں میں سربلند تھے کہ اور وطن کی آزادی و عصمت کی پاسداری کے لیے انہوں نے موت کی شاہراہ پر آگے ہی آگے بڑھ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ دشمن کی للکار پر لبیک کہہ کر اس سے ٹکرانے نکلے تھے۔ یہ پہاڑ اور چیونٹی کا مقابلہ تھا' لیکن آفرین ہے ان کے شوق جہاد پر کہ وہ کسی مسافت کو' کسی دشواری کو خاطر میں نہیں لائے تھے۔

نورولی کی کمان میں سو مجاہدین کا ایک دستہ انہیں رخصت کرنے کے لیے پہاڑی سلسلے کی آخری حد تک آیا تھا——— ان سب کی آنکھوں میں آنسو تھے' لیکن ان سب کے ہونٹوں پر دعائیں لرز رہی تھیں۔ پہاڑی سلسلے کی آخری حد پر پہنچ کر نورولی کی کمان میں آنے والے مجاہدین دو رویہ قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے اکثر نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے قرآن پاک بلند کر لیے۔ وہ قرآن کے مقدس و متبرک سائے میں اپنے پیاروں کو رخصت کر رہے تھے۔

پچاس مجاہد ایک ایک کر کے ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے رخصت ہو رہے تھے' سب سے آگے کمانڈر حسین تھا۔

"حسین خان! روز قیامت میں خدا کی عدالت میں تمہیں ضرور کھینچوں گا۔" بوڑھے نورولی کی آواز بھرا گئی۔ "مجھے بوڑھا سمجھ کر چھوڑ دیا ہے نا تم نے!"

"نورولی! واللہ میرے نزدیک تم سے بہتر کوئی نہ تھا کہ جسے میں ان منتشر اور نہتے مجاہدوں کو سونپ کر جاتا۔ ہم ایک دوسرے سے انشاء اللہ اسی دنیا میں دوبارہ سرخ رو ہو کر

HBC

نہیں گے۔ انجانی امن اللہ۔" اور وہ آگے بڑھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے قدم
آہستہ آہستہ اندھیرے کی وسیع و عریض چادر کا حصہ بننے لگے۔

☆○☆

میجر رام سنگھ نے طاقتور دوربین اپنی آنکھوں سے لگا رکھی تھی اور وہ اس پہاڑی کے جنگل آبادی میں ایک چھتنار درخت کی ٹہنیوں میں خود کو چھپائے بیٹھا تھا۔ سجاول کو تھانے کی عمارت سے نکل کر بازار کی طرف جاتے دیکھا۔۔۔ معاملہ ٹھیک تھا۔ خاصی دور تک اس کی نظروں نے سجاول کا تعاقب کیا اور یہیں ان لمحات وہ مایوس ہو کر نیچے اترنے والا تھا' اس نے سجاول کو ایک جگہ سے موڑ مڑتے دیکھا۔ راستہ ویران سمت کی جانب رہنمائی کر رہا تھا۔ میجر رام سنگھ چونکا۔ "یہ کدھر جا رہا ہے" اس نے سوچا اور دوربین اس پر مرکوز کر دی۔ اس کی حیرت بڑھنے لگی۔ جب سجاول اس کے دیکھتے ہی دیکھتے اس درخت کے نیچے سے بھی گزر کر آگے بڑھ گیا جس پر وہ بیٹھا تھا۔ وہ اپنا سانس روکے وہیں دبکا رہا اور جب وہ کچھ دور نکل کر ایک موڑ پر گھوما تو رام سنگھ بھی درخت سے نیچے اتر آیا۔ اب وہ دبے قدموں سے بلی کی طرح بغیر آواز پیدا کیے اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ تعاقب کا یہ سلسلہ ختم ہونے ہی میں نہیں آتا تھا۔ اس پر جھنجلاہٹ طاری ہونے لگی تھی' لیکن اس نے خود پر قابو پائے رکھا۔ کسی آمدہ کامیابی کی خوشی نے اسے تھکاوٹ یا سفر کی طوالت کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ اس نے اپنا ریوالور اب مضبوطی سے دائیں ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ تعاقب کے لیے اس نے بڑا محفوظ طریقہ استعمال کیا تھا۔ وہ طاقتور دوربین کے ذریعے سجاول پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ جہاں کہیں اس کی چلنے کے راستے میں کوئی پہاڑی موڑ یا سلسلہ آتا' وہ فوراً ایسی جگہ تبدیل ہو جاتا جہاں سے سجاول اسے صاف دکھائی دینے لگتا۔

پھر ایک مقام پر اس کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا' اس نے تو رام سنگھ کو بھونچکا کر ہی دیا۔۔۔ اس نے بجائے خود آگے بڑھ کر کھیل بگاڑنے کے وہاں سے ہٹ جانے کا فیصلہ لیا۔

۔۔۔اب وہ تقریباً بھاگتا ہوا تھانے کی طرف آ رہا تھا۔ مسلسل اور تیز رفتاری سے بھاگنے کی وجہ سے اس کی سانس پھولنے لگی تھی' لیکن اس نے کہیں بھی رک کر سانس لینا گوارا نہ کیا۔ اپنی زندگی میں بھی وہ کبھی اس طرح نہیں بھاگا تھا' لیکن کامیابی کے نشے میں چور رام سنگھ کے پاؤں زمین پر ٹکتے ہی نہیں تھے۔ وہ تو ہوا میں تیرتا ہوا وہاں تک پہنچ

ضرورت ہیں ہوں تیار کرو۔" اس نے اپنے نائب کو دور ہی سے چلا کر حکم دیا۔

☆○☆

"کل ہم لوگ یہاں سے چلے جائیں گے۔" سجاول نے الوداعی انداز میں کہا۔
"وہ تو ٹھیک ہے لیکن شیرو کی کوئی خبر؟" اماں نے بے چینی سے پوچھا۔
"میں تو خود حیران ہوں۔ خیر تم بے فکر رہو۔ مجھے یقین ہے جلد مل جائے گا۔" اس نے تسلی دی۔
"خدا تمہارا بھلا کرے۔ نہ جانے ہم کبھی تمہارے ان احسانات کا بدلہ چکا بھی سکیں گے یا نہیں۔" شیرو کی ماں نے احساس تشکر سے سرشار لہجے میں کہا۔
"اچھا آپ لوگوں نے تو مجھے شرمندہ کرنا شروع کر دیا۔ اب میں چلتا ہوں۔۔۔ خدا حافظ!"
"خدا حافظ!" تینوں نے یک زبان اسے خدا کی حفاظت میں سونپا۔

حسب سابق وہ بڑے اطمینان سے چلتا ہوا آ رہا تھا جب سجاول کو اپنے گرد کسی پوشیدہ خطرے کا احساس ہوا۔۔۔ اس کی چھٹی حس نے اس سلسلے میں اسے کبھی دھوکا نہیں دیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے اس نے رک کر بغور ماحول کا جائزہ لیا۔ اپنے دائیں بائیں مختلف درختوں پر چڑھ کر نظریں دوڑائیں' پھر مطمئن سا ہو کر چل دیا۔

۔۔۔لیکن ابھی وہ بمشکل پندرہ بیس گز ہی چل پایا تھا جب اچانک اس کے چاروں طرف "ہالٹ۔۔۔ ہالٹ!" کی آوازیں شور پیدا کرنے لگیں اور اس سے پہلے کہ وہ صورت حال کو سمجھ پاتا' بیک وقت تین چار رائفلوں کی سنگینیں اس کے جسم سے آ لگیں۔ "ہینڈز اپ" اس نے رام سنگھ کی آواز سنی اور بے اختیار اس کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ ابھی تک اسے رام سنگھ نظر نہ آیا تھا۔

۔۔۔اس سے پہلے کہ سجاول خان کی نظریں میجر رام سنگھ کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہوتیں' ایک زوردار ٹھوکر اس کی دائیں پسلی پر پڑی جس سے بے اختیار وہ بائیں طرف ڈگمگایا۔ اس سے پہلے کہ وہ زمین بوس ہو جائے' اس کی بائیں پسلی پر بھی وہی قیامت ٹوٹ پڑی۔ سجاول نے سنبھلنے کی ہزار کوشش کی لیکن اس پر ٹھوکروں کی بارش ہونے لگی۔ چیختا چلانا اس نے بزدلی سمجھا اور اپنے ہونٹوں کو دانتوں تلے دبا کر اپنے اندر سے اٹھنے والی ٹیسوں کا گلا گھونٹنے کی کوشش کرنے لگا' مگر اسے زیادہ دیر تک خود سے جنگ نہیں لڑنا پڑی۔ سر پر تنے والے کسی رائفل کے بٹ نے اسے تھوڑی دیر کے لیے تمام اذیتوں سے نجات دلا

ی ـ سجاول کا امن اقدام تاریکیوں میں اترتا چلا گیا۔

☆○☆

لالہ اس سمت نظریں جمائے بیٹھا تھا جس طرف سے اکثر سجاول آیا کرتا تھا۔ ابھی بمشکل آدھ گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ لالہ کا دل گھبرانے لگا۔ آج پہلی مرتبہ اسے ڈر سا محسوس ہونے لگا تھا، حالانکہ یہاں آنے کے بعد وہ خود کو قدرے محفوظ خیال کرتا تھا ـــــ اس کے وہم نے تب حقیقت کا روپ دھار لیا، جب اچانک اس نے پہاڑ کے سلسلے سے دو گروہوں کو اسی طرف بڑھتے دیکھا۔ پہلے تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا تھا، لیکن حقائق سے فرار کی کوئی بھی راہ دکھائی نہ پڑتی تھی۔ پھر ایک جھٹکے سے وہ ہوش میں لوٹ آیا۔ وہ دوڑتا ہوا پتھری غار تک پہنچا۔ اپنی بھابی اور بچی کو اس نے بڑی تیزی سے صورت حال کی سنگینی کا احساس دلا کر سنبھلنے کی تاکید کی۔ آنکھیں دونوں کی تحیر اور خوف سے پھٹنے کو آ رہی تھیں۔ لالہ نے انہیں جھنجھوڑا اور اس غار کی دوسری سمت میدانی علاقے کی طرف اترنے کی ہدایت کی۔ خدا حافظ کہا اور اپنی اسٹین گن اور گولیاں سمیت بھاگتا ہوا اس راستے پر پہنچ گیا جس طرف سے سجاول انہیں ملنے آیا کرتا تھا۔

اس کی نگاہیں اس راستے پر لگی تھیں جدھر سے ان لوگوں کی آمد متوقع تھی اور خوف نام کی کوئی شے اس کے نزدیک نہ پھٹکی تھی۔ اسے اگر کوئی ڈر تھا تو صرف یہ کہ عورتیں کہیں حملہ آوروں کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ اپنی جان سے گزر جانا اس کے لیے کچھ مشکل نہ تھا پھر ـــــ سامنے سے آنے والے نمایاں ہونے لگے۔

وہ لوگ دو دو کی ٹولیوں میں بٹ کر پہاڑیوں میں پھیلے ہوئے تھے اور لالہ ان سے نسبتاً اونچائی پر مورچہ زن تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن بے قابو ہونے لگی، لیکن اسٹین گن پر اس کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ وہ اس لمحے کا منتظر تھا جب حملہ آور اس کی گن کی رینج میں آ جائیں اور وہ مرنے سے پہلے اپنے دل کے ارمان نکال سکے۔ بڑی بے چینی کے ساتھ وہ ان کی آمد کا منتظر تھا، لیکن اچانک اس نے حملہ آوروں کو رکتے دیکھا۔

وہ لوگ مختلف ٹیلوں اور بڑے بڑے پتھروں کی اوٹ میں پوزیشنیں سنبھال رہے تھے۔ اچانک ایک زوردار آواز پہاڑیوں میں گونجی۔ "تم لوگ گھیرے میں آ چکے ہو، خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دو۔"

لالہ خاموش رہا۔ دوبارہ وہی فقرہ دہرایا گیا۔ اس نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔ اس مرتبہ پھر اسی آواز نے کہا

"کریم لالہ! دونوں عورتوں کو ہمارے حوالے کر دو۔ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ یہیں ہیں۔ ہم تمہیں اصل بات بتا دیتے ہیں۔ تمہارا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ عورتوں کو گرفتار کروا دینے کی صورت میں ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔"

"بکواس! یہ شرط ـــ" لالہ چیخ پڑا۔ "کیا تم مجھے نہیں جانتے کہ میں کون ہوں؟ خدا بہتر جانتا ہے کہ یہ کس کی چال ہے کہ وہ محض عزت کو میلی نظروں سے دیکھ بھی سکتا ہو۔ اگر ہمت ہے تو سامنے آ کر مقابلہ کرو۔"

دوسری جانب خاموشی طاری رہی، پھر اس نے ایک ٹیلے کی اوٹ سے کسی کو ہاتھ اوپر اٹھائے اپنی جانب آتے دیکھا۔ شاید دشمن کا کوئی نمائندہ اس سے مذاکرات کرنے آ رہا تھا۔ لالہ ہوشیار ہو گیا۔

آہستہ آہستہ آنے والے کے نقوش نمایاں ہونے لگے اور جب اس کی شکل مکمل نظر آئی تو لالہ کا خون کھول اٹھا۔ ٹریگر پر سے اس نے بمشکل اپنی انگلی کو الگ کیا تھا۔ یہ انسپکٹر میر تھا، غدار ابن غدار۔ وہ لالہ سے قریباً تیس چالیس گز دور ہی ایک جگہ آ کر رک گیا۔

"کریم لالہ" انسپکٹر میر نے گلا پھاڑتے ہوئے کہا۔ "کیوں مفت میں جان گنواتے ہو۔ ہری رام سنگھ کو میں نے بڑی مشکل سے اس بات پر راضی کیا ہے کہ عورتوں کو پیش کر دینے کی صورت میں وہ تمہیں گرفتار نہیں کرے گا......"

"بکواس بند کر۔" لالہ نے بے قابو ہو کر اس کی بات کاٹ دی۔ "مہاراجہ کے ٹکڑوں پر پلنے والے پلے۔ بندا تو میرے آباؤ اجداد کو جانتا ہے اور میں تیرے بزرگوں کو ـــــ"

اونچی آواز میں غصے سے چلانے کی وجہ سے لالہ کریم ہانپنے لگا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میر یہ طعنہ برداشت نہ کر پائے گا اور اس پر فائرنگ شروع ہو جائے گی، لیکن انسان کس حد تک بے غیرت بن سکتا ہے؟ اس کا اندازہ لالہ کریم کو نہیں تھا۔ وہ تو سیدھا سادا کشمیری تھا۔ کشمیر کی آزادی پر مر مٹنے کا جذبہ اس کے بزرگوں نے خون میں اس کی طرف منتقل کر دیا تھا۔ ایک لمبے عرصے تک اس نے خاموشی اختیار کیے رکھی تھی، لیکن اس کا سبب بزدلی ہرگز نہ تھا۔

بنیادی طور پر وہ ایک شریف انسان تھا۔ جنگ سے نفرت کرنے اور امن کو پھلتے پھولتے دیکھنے والا شریف النفس کریم لالہ۔ اس کے بھائی نے قربانی دے کر دشمنوں کو جینے کی نئی راہ دکھائی تھی۔ پونچھ کے لوگ کبھی کبھی اس بات پر حیرانی کا اظہار ضرور کیا کرتے تھے کہ اتنے بہادر انسان کا اتنا بزدل بھائی ـــــ! لیکن آج جب تقدیر اس کی دشمن دوستی کو

آزمانے پر تلی ہوئی تھی اور گردش حالات نے اسے ماہیوں کے عین سامنے لا کر گرفتار
تو اس نے بزدلی کو نزدیک بھی نہ پھٹکنے دیا۔ وہ اپنی زمین اور بیٹی کی عزت پر مر مٹنے
ہونے کو تیار تھا۔

جس طرح لالہ کریم کو وطن دوستی اور شجاعت ورثے میں ملی تھی، اسی طرح انسپکٹر میر
غداری اور قوم دشمنی وراثت میں ملی تھی۔ اس کے باپ دادا بھی ڈوگرہ حکمرانوں کا ساتھ دے
کر ایسے ہی عہدوں کا مزا لوٹ چکے تھے۔ وہ ضمیر فروش وطن دشمن محض یہ چاہتا تھا کہ لالہ
کریم اور اس کی بیٹی کو زندہ گرفتار کر کے میجر رام سنگھ کے حضور پیش کرے اور انعام کا حق
دار ٹھہرے۔ لالہ کریم سے گفتگو کرنے کا مقصد بھی اسے صرف الجھانا ہی تھا جس میں وہ کسی
حد تک کامیاب بھی ہو چکا تھا۔۔۔۔ اس نے دوران گفتگو اپنے سپاہیوں کو ایک پہاڑی ٹیلے
کی اوٹ سے دوسری طرف نکل کر اس راستے کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا تھا جو مرکز
دہشت میں زہرہ اور شیرو کی ماں کے فرار ہونے کا واحد راستہ تھا۔

☆○☆

کسی لاشعوری حرکت کے تابع ہو کر ہی لالہ کریم نے اس طرف گردن گھمائی تھی۔ اسی لیے
اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک خیال جاگزیں ہوا تھا۔ اس نے نظریں گھما کر دراصل فرار
کے امکانات کا جائزہ لینا چاہا تھا اور جیسے ہی اس کی نظر اپنی بائیں سمت والے ٹیلے کی طرف
گئی تو وہ ٹھٹھرا کر رہ گیا۔ چار ڈوگرے ایک دوسرے کے تعاقب میں مختلف پتھروں اور
جھاڑیوں کی اوٹ لیتے اس گزرگاہ کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں سے تھوڑی دیر پہلے زہرہ
اور شیرو کی ماں کو اس نے فرار کروایا تھا۔

کریم لالہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ "تو یہ مکار مجھے گفتگو کے جال میں الجھا کر یہ
کھیل کھیلنا چاہتا تھا؟" اس نے لمحہ بھر سوچا اور ساتھ ہی گن کا رخ رینگتے ہوئے
ڈوگرہ سپاہیوں کی طرف کر دیا۔ ٹریگر پر اس کی انگلی کا دباؤ بڑھا اور پہلے ہی ہلے میں اسٹین
گن نے اپنے انجام سے بے خبر رینگتے ہوئے ڈوگرہ سپاہیوں میں سے دو کو چاٹ لیا۔

دونوں نے ماہی بے آب کی طرح تڑپ تڑپ کر لالہ کریم کی آنکھوں کے سامنے دم توڑ
دیا تھا۔ باقی دو کو بھی گولیاں تو لگی تھیں، لیکن ضرب کاری نہ ہونے کے باعث کسی نہ کسی
طرح رینگ رینگ کر محفوظ آڑ میں چلے گئے۔

فائرنگ کی آواز سنتے ہی میجر رام سنگھ کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے دل ہی دل میں انسپکٹر میر
کو بے نقط گالیوں سے نوازا جو اسے یہ کہہ کر گیا تھا کہ ایک گولی بھی ضائع کرائے بغیر۔۔

کریم، زہرہ اور شیرو کی ماں کو گرفتار کر لے گا۔

انسپکٹر میر کی بیوقوفی نے لالہ کریم کو ہوشیار کر دیا تھا اور اب اگر وہ اسے گھیر کر مار بھی
ڈالتے تو زہرہ اور شیرو کی ماں کو ڈھونڈنا مشکل ہو جاتا کیونکہ لالہ کریم کی پوزیشن ایسی
تھی کہ جب تک اس کے پاس اسلحہ ختم نہ ہو جاتا کسی کے اس کے سامنے سے گزر کر اس
کی پشت تک پہنچنے کے امکانات باقی نہیں تھے۔

میجر رام سنگھ نے انسپکٹر میر کو گالیاں بکتے ہوئے اپنی آنکھوں سے اوجھل کر الگ کیا اور
اپنے پلے سے تربیت شدہ جوانوں کو "چارج" کا حکم دے دیا۔ اس کے ساتھ ہی بیک وقت
ڈوگرہ سپاہیوں کے تین سیکشن مختلف اطراف سے فائرنگ کرتے ہوئے لالہ کریم کی طرف
بڑھنے لگے۔ لالہ کریم کے عین سامنے، لیکن قدرے نیچی پوزیشن پر لگی مشین گن نے لالہ
کریم کے مورچے پر آگ اگلنا شروع کر دی۔ فائرنگ اتنی تیز ہو رہی تھی کہ اسے سر اٹھانے
کی مہلت بھی نصیب نہ تھی۔

اس تیز رفتار فائرنگ کی آڑ میں میجر رام سنگھ کے خصوصی دستے کے تربیت یافتہ فوجی
اس کی طرف گولیاں برساتے بڑھ رہے تھے۔ لالہ کریم کو اپنی موت کا تو پکا یقین ہو چکا تھا
لیکن اس کی خواہش تھی کہ مرنے سے پہلے کسی نہ کسی طرح زہرہ اور شیرو کی ماں کو
ظالموں کی دستبرد سے بچا لے اور زیادہ سے زیادہ ڈوگروں کو مار ڈالے۔

تیز فائرنگ اور اس کی طرف ایڈوانس کرتے فوجیوں کے "بے کلروں" نے اسے رتی
بھر بوکھلایا نہیں تھا۔ اس نے اپنے دماغ کو حاضر رکھا اور مشین گن کی گولیوں سے محفوظ
رہتے ہوئے اپنی طرف بڑھتے فوجیوں پر فائرنگ شروع کر دی۔

انسپکٹر میر نے فوجیوں کو یلغار کرتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ کھیل اس کے ہاتھ سے نکل گیا
لیکن اتنی جلدی ہار ماننے والا وہ بھی نہیں تھا۔۔۔۔ اس نے فائرنگ کرنے والوں سے ہٹ کر
ایک لمبا چکر لگا کر کریم لالہ کے پہلو میں پہنچنے اور اس پر حملہ کر کے گرفتار کرنے کا عزم کیا
اور اپنا ریوالور سنبھالتا اس طرف چل دیا۔

کریم لالہ آخری میگزین لوڈ کر رہا تھا جب اچانک اس کے سامنے سے تین چار سر نمودار
ہوئے اور اس سے پہلے کہ وہ گن کو فائرنگ کی پوزیشن میں لاتا۔ ایک ڈوگرہ سپاہی کی گولی
اس کا دایاں کندھا بری طرح چھید گئی۔

کریم لالہ تیورا کر الٹ گیا، لیکن سنبھلا اور اس نے میگزین فٹ کر لی۔ اس کو اپنے
دائیں کندھے پر چنگاریاں سلگتی محسوس ہو رہی تھیں اور چند ہی لمحوں میں شانے میں پیدا

HBC

ہونے والی آگ اس کے سارے بازو میں خون کی گردش کے ساتھ ساتھ ... تھی۔ لیکن ابھی وہ ہار ماننے کے لیے تیار نہ تھا ــــــ اس نے ایک بڑے جبڑے ... نیک نکالی اور اس کی انگلی ٹریگر پر دبتی چلی گئی۔ لیکن ــــــ اچانک ہی ... برسٹ اس کے جسم پر پڑا۔

ــــــ اور دم توڑتے کریم لالہ کی نگاہوں نے جو آخری منظر دیکھا، اس نے کریم لالہ ... سکرات کے عالم کو مسل کر دیا۔

دم توڑتے انسپکٹر میر کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ... کریم لالہ کے پہلو سے نمودار ہوا تھا اور اپنی دانست میں اس نے بڑی صحیح ... تھی۔ لیکن بے دم ہوتے کریم لالہ نے زمین پر گرتے گرتے بھی اپنا دباؤ اسٹین گن کے ... پر برقرار رکھا تھا اور گولیاں قطار کی صورت انسپکٹر میر کے جسم میں سوراخ بناتی ... تھیں۔

☆○☆

اشرف خان پچھلے دو دن سے عجیب و غریب ذہنی کشمکش کا شکار تھا ــــــ شیرو نے ... پر معمولی ذمے داری نہیں ڈالی تھی۔ دوسری طرف اس کی مصروفیات بھی پہلے سے ... زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ مجاہدین نے اب زیرِ زمین کارروائیوں کے بجائے دشمن کے سامنے ... لڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور ہر روز وہ لوگ کسی نہ کسی کھلت پر جاتے، لیکن آج صبح ... شرفو کو اک بے کلی سی لگی ہوئی تھی۔ وہ کسی کو بتائے بغیر شیرو کے گھر والوں کی ... طرف روانہ ہو گیا۔ اپنے جسم پر لپٹی ڈھیلی چادر میں وہ اسٹین گن چھپانا نہیں بھولا تھا ... ہینڈ گرنیڈ بھی اس نے احتیاطاً ساتھ رکھ لیے تھے۔

زہراں تک پہنچنے کے لیے شرفو نے کافی لمبا اور پیچ دار راستہ اپنایا تھا۔ شیرو نے اسے اپنی ماں اور منگیتر تک پہنچنے کے کئی راستے سمجھا دیے تھے۔ شرفو نے وہ راستہ اختیار کیا ... جس طرف سے اس کے نظر آنے کے امکانات بہت کم تھے۔

وہ اس غار کی پشت پر تقریباً دو ڈھائی فرلانگ دور تھا جب اس نے زوردار فائرنگ ... آواز سنی۔ شرفو کا دل دھک سے رہ گیا۔ دن کی روشنی میں ایسے دھماکوں کی آواز ... سوائے اس کے اور کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ "اس کے مہمان کسی مصیبت میں گرفتار ہیں ... ڈوگروں نے حملہ کر دیا ہے؟" اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکا۔ اس کے ... ہوش سے ہو رہے تھے۔

شیرو کا چہرہ سوال بن کر اس کی آنکھوں کے سامنے ... تھا ... بھی سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے؟ ... اس بات کا اسے بخوبی احساس تھا کہ وہ اکیلا ان کے ... صورت نہیں کر سکتا۔ شیرو نے اسے بتایا تھا کہ ان کے ... اور گولیاں دی ہوئی ہیں اور اس فائرنگ سے وہ یہی نتیجہ اخذ کر رہا تھا کہ شاید ... کے مقابلے میں ڈٹ گیا ہے۔

وہ اکیلا کیسے اس کی مدد کرے؟ یہ سوال بار بار اسے ستانے لگا۔ پہلے تو اس نے یہی ارادہ کیا کہ وہ واپس ہو جائے اور ساتھیوں کی کمک لے کر یہاں پہنچے۔ اس ارادے کے تحت اس نے ابھی بمشکل دو تین قدم ہی اٹھائے تھے کہ جیسے زمین نے اس کے پاؤں پکڑ لیے ... ضمیر اس کے راستے کی سدِ سکندری بن کر اس کے سامنے بازو پھیلائے کھڑا تھا۔

"شرفو!" ایک آواز اس کے اندر سے بلند ہوئی۔ "تیرے واپس آنے تک یہاں کیا بچے گا؟ اپنے دوست سے کیسے آنکھیں ملا پائے گا تو ــــــ؟ یہ صلہ ہے اس کی دوستی کا؟"

"نہیں ــــــ!" شرفو کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ دیوانہ وار پہاڑی کی طرف دوڑنے لگا ــــــ اپنی گن کو اس نے بھاگتے بھاگتے فائرنگ پوزیشن میں کر لیا تھا۔ اونچے نیچے پہاڑی سلسلے پر تیز رفتاری سے دوڑنے پر وہ دو تین مرتبہ ٹھوکر کھا کر گرا بھی، لیکن اس کی رفتار میں کوئی کمی نہ آئی۔

اچانک وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ اس نے پہاڑی سے نیچے آنے والے راستے پر دو عورتوں کو اپنی طرف بھاگتے دیکھا۔ شرفو بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ زہراں اور شیرو کی ماں ہی ہیں۔ اب ساری بات خود بخود اس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ لالہ نے فائرنگ کی آڑ میں انہیں پچھلے راستے سے فرار کروا دیا ہے۔ شرفو سے ان کا فاصلہ بمشکل تیس چالیس گز تھا لیکن انہوں نے شاید اسے دیکھا نہیں تھا۔ شرفو نے اپنا رخ بدلا اور ان کی مدد کو لپکا۔

شیرو کی ماں نے اپنی جانب آتے ہوئے شرفو کو پہچان لیا ــــــ زہراں نے اگرچہ اسے پہلے دو تین مرتبہ ہی اسے دیکھا تھا، لیکن وہ بھی اسے پہچان گئی۔ دونوں عورتیں اسے تائیدِ غیبی جان کر اس کی طرف لپکیں، لیکن اچانک ہی اگر شرفو نے ان سپاہیوں کو دیکھ کر ایک بڑے سے پتھر کی اوٹ میں چھلانگ نہ لگا دی ہوتی تو رائفل کی گولیاں اسے چاٹ لیتیں۔

ڈوگرہ فوج کا ایک سیکشن جو تین چار سپاہیوں پر مشتمل تھا، بچتا بچاتا کسی نہ کسی طرح

چکر کاٹ کر پہاڑی کے ایک پہلو پر ایسی پوزیشن میں آ گیا تھا جہاں سے وہ لوگ اور راستے پر نظر رکھ سکتے تھے۔

——انہوں نے تو اپنی دانست میں دونوں عورتوں کو دہشت زدہ کرنے کے لیے فائرنگ کی تھی تاکہ وہ سہم کر رک جائیں اور گرفتاری کے لیے خود کو پیش کر دیں' لیکن شیرو کی ماں فائرنگ کی رینج میں آ گئی اور تھری ناٹ تھری رائفل کی دو طاقتور گولیاں اس کے پہلو اور پشت میں گھستی ہوئی پار نکل گئیں۔ وہ زمین پر گری ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگی تو فائرنگ کرنے والوں کو شاید اپنی بیوقوفی کا احساس ہو گیا تھا یا کورٹ مارشل کا خوف دامن گیر تھا کہ انہوں نے فائرنگ روک دی۔ ان کی نظر اب تک شرفو پر نہیں پڑی تھی جس کی آنکھوں میں شیرو کی ماں کو گولیاں کھا کر گرتے ہوئے دیکھ کر خون اتر آیا تھا اور جس نے بڑی عجلت میں اپنے پہلو سے لٹکتے کینوس کے تھیلے میں ہاتھ رینگ کیا تھا۔ وہ شاید گرنیڈ نکال کر ان لوگوں پر پھینکنا چاہتا تھا' لیکن اچانک اس نے اپنا ارادہ بدل لیا تھا۔ حملہ آور اتنا قریب آ گئے تھے کہ گرنیڈ پھٹ کر عورتوں کو بھی ان کے ساتھ ہی اڑا دیتا۔ ہوش سے زیادہ ہوش کی ضرورت تھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے ہاتھ باہر کھینچا اور دوسرے ہی لمحے حملہ آوروں سے نمٹنے کے لیے تیار تھا جو اپنی گنوں کے سلنگ کندھوں سے لٹکائے بڑے چلے آ رہے تھے اور ابھی وہ زہراں سے بمشکل پانچ چھ گز دور ہی تھے جب شرفو اچانک چٹان کی اوٹ سے نمودار ہوا۔ زہراں شیرو کی ماں پر جھکی ہوا سے سنبھالا دے رہی تھی۔

"بزدلو——!" نفرت اور غصے سے شرفو پھٹ پڑا۔ اس کی گن کی سرخ لمبی زبان باہر لپکی اور قبل اس کے کہ حیرت زدہ اور بھونچکے حملہ آور اپنی رائفلیں کندھوں سے اتار کر سیدھی کرتے' ان کے خون میں نہائے ہوئے لاشے ایک دوسرے پر ڈھیر ہو گئے——لیے اور نفرت سے کھولتے ہوئے اشرف خان نے پوری میگزین ہی ان پر خالی کر دی تھی۔ ان مناظر نے زہراں کو لرزا کر رکھ دیا۔ خوف سے اس کی آنکھیں پھٹنے کو آ رہی تھیں۔ اس کا حلق خشک ہو چلا تھا۔ اس نے چلانا چاہا' لیکن نطق نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

"ماں جی—— ماں جی!" شرفو نے جھکتے ہوئے شیرو کی ماں کا کندھا آہستہ سے ہلا کر اسے حوصلہ دینے کی کوشش کی۔

کشمیر کی دم توڑتی آنکھوں نے آخری منظر اس کے ذہن کو منتقل کر دیا تھا۔ ——اور ایک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر خودبخود پھیل گئی۔ اور کشمیر نے مرنے سے پہلے دیکھ لیا تھا کہ اس کی مٹی کے ایک سپوت نے اس کے جیتے جی اس کے قاتلوں

کیفرکردار تک پہنچا دیا ہے۔ اس میں نجانے اتنی طاقت کہاں سے عود کر آئی کہ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں رکھ کر دو جھٹکے اور پھر کشمیر کے دہکتے ہوئے انگاروں کی طرف شرفو کی توجہ مبذول کرانے کا اشارہ دیا۔

"شرفو——! میرے بچے تو آ گیا—— شیرو کہاں ہے؟" وہ ٹوٹی ٹوٹی اور دم توڑتی آواز میں کہہ سکی تھی۔

"وہ بھی ابھی آ جائے گا ماں جی——! ابھی تھوڑی ہی دیر میں—— بس آتا ہی ہو گا۔"

——شرفو کے منہ سے بے اختیار یہ تسلی بھرے جملے نکل رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ماں کو کیا بتائے۔ کیسے بتائے کہ اس کا بیٹا تو پہلے سے ہی کب کا موت کی اس شاہراہ پر اپنے سفر کا آغاز کر چکا ہے جہاں سے لوٹ کر آنا اب شاید اس کے بس میں بھی نہ ہو۔

اس اثناء میں زہراں کے حواس بحال ہو چکے تھے۔ اس نے رندھے ہوئے گلے سے "چاچی" پکارا تو شیرو کی ماں نے کمال ضبط سے اس کے دائیں ہاتھ کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔

"بہت دیر ہو گئی بیٹا۔ اس نے بہت دیر کر دی——!" بمشکل اس کی زبان لڑکھڑائی۔

"ماں جی! میں آپ کے لیے........"

——شرفو نے کچھ کہنا چاہا' لیکن ماں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"بیٹا!" اس کی آواز لرزی۔ "اب کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

——اس لمحے اس کی آنکھیں شرفو اور زہراں سے ہٹ کر آسمان پر گڑی ہوئی تھیں جیسے وہ کسی کھوئی ہوئی انمول شے کا سراغ لگا رہی ہوں—— اور اس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ "مولا! میرے مولا—— میرا بچہ........ میری زہراں........ کشمیر........" اس نے ہچکی لی اور اس کی گردن ڈھلک گئی۔

☆○☆

"چاچی" زہراں کی دلدوز چیخ سے شرفو کا کلیجہ کٹ کر رہ گیا۔ وہ اس کے سینے پر سر رکھے سسکیاں لے رہی تھی۔ خود شرفو کو یوں لگا جیسے کسی نادیدہ ہستی نے اس کے اندر داخل ہو کر اس کے دل کو اپنی مٹھی میں جکڑ کر زور سے مسل دیا ہے۔ اس کے منہ کا ذائقہ کڑوا ہونے لگا۔ ایک سنسناہٹ سی اس کے خون میں دورہ کرنے لگی تھی—— کشمیر کی

HBC

داستانِ حریت کا ایک درخشندہ باب اس کے سامنے کھلا تھا۔ ایک لمبی اور تھکا دینے والی جدوجہد کے بعد مادرِ کشمیر اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئی تھی۔ وہ برسوں سے اپنے تن من [illegible] آزادی کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ اب اپنے بیٹے کو آزادی کی سنگلاخ راہ گزر پر رواں [illegible] سرخرو ٹھہری تھی۔

جلد ہی شرفو پرسکون ہونے لگا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے گرد و [illegible] پہاڑوں اور سبزے کا سارا حسن ماں میں سمٹ آیا ہو۔ کشمیر کے پہاڑوں کی چوٹیوں [illegible] سورج کی کرنوں کا ہالہ مادرِ کشمیر کے چہرے کے گرد پھیل گیا اور اس میں سے ایک [illegible] قوت خارج ہو کر شرفو کے تن بدن میں سرایت کرنے لگی۔ ایک ولولہ تازہ اسے [illegible] لگا۔

ماں کی موت نے اس کے دم توڑتے ارادوں میں بجلیاں سمو دیں۔ ایک کوندا سا لپکا [illegible] اسے قوتِ ارادی کی دولت سے مالا مال کر گیا۔ شیردل ماں نے مر کر اسے جینے کی راہ [illegible] تھی۔

اس لمحے اس نے مادرِ کشمیر کی لاش کے سرہانے کھڑے ہو کر عہد کیا تھا کہ وہ اس کے [illegible] مقدس مشن کو زندگی کی آخری سانسوں تک جاری رکھے گا۔ اس نے جھک کر ماں کی منور پیشانی کا بوسہ لیا، پھر اس کے چہرے کو اس کی خون آلود چادر سے ڈھانپ کر سسکیاں [illegible] زہراں کو بازو سے پکڑ کر اوپر اٹھایا۔

پہاڑی کی دوسری طرف فائرنگ کی آواز اب کم پڑتے پڑتے ختم ہو چکی تھی۔ شاید [illegible] ڈوگروں کے سامنے اب کوئی مدافعت باقی نہیں بچی تھی۔ شرفو جانتا تھا کہ اب وہ بھوکے [illegible] کتوں کی طرح زہراں کو بو سونگھتے اس طرف آئیں گے۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ پہلے اس نے ماں کی لاش کو دفن کرنے کا ارادہ کیا، لیکن پھر اسے یہ ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔

"چلو زہراں" اس نے زہراں کے بازو کو ہلکا سا اپنی سمت کھینچا تو وہ کسی کٹے ہوئے درخت کی طرح اس پر آ رہی۔ اس کی سسکیاں اور سینے کا زیر و بم شرفو کے خون میں چنگاریاں دوڑانے لگا تھا۔

چند لمحے --- اس نے شاید کسی لاشعوری خواہش کے تحت اس عمل سے چھٹکارا پانے [illegible] مطلب نہ ہوا، پھر جیسے وہ اچانک گہری نیند سے جاگ اٹھا۔ یہ زہراں تھی --- اس کے [illegible] دوست کی امانت۔ وہ شیردل ماں کو تو بچا نہیں سکا تھا لیکن زہراں --- خدانخواستہ زہراں [illegible] سے چھن گئی تو وہ کبھی خود کو معاف نہیں کرے گا۔ "وہ لوگ اب اسی طرف"

[illegible] زہراں، وقت بہت کم ہے چلو۔" اس نے زہراں [illegible] پکڑ کر ہلایا [illegible] اسے قریب کھینچتے ہوئے روانہ ہو گیا [illegible] تھا کہ اچانک رک گیا۔ پہاڑی سمت سے [illegible] اسے نزدیک آتی سنائی دے رہی تھی --- زہراں [illegible] ہچکیاں لے لے کر روتے روتے وہ اچانک ہی چپ ہو گئی تھی۔

"تم میرا واپسی تک یہیں بیٹھی رہنا۔"

اس نے خوفزدہ زہراں کو ایک محفوظ آڑ میں بٹھاتے ہوئے [illegible] ابھی واپس [illegible]۔"

زہراں نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ وا کیے، لیکن اس کا انتظار کیے [illegible] شرفو حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ مختلف ٹیلوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپتا چھپاتا [illegible] نے شرفو کو اپنی سمت آنے والے راستے میں ایک بلند ٹیلے کے پیچھے چھپتے دیکھا۔

---خوف کے مارے اس کی ہتھیلیاں پسینے میں نہا رہی تھیں۔ دل تھا کہ جیسے [illegible] سینے کا پنجرہ توڑ کر باہر آ گرے گا۔ ایک ایک لمحہ قیامت خیز تھا۔ اسے اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، پھر اچانک جیسے اس کی شریانوں میں دوڑتا خون رک گیا۔ اس نے راستے کے اسی موڑ پر ایک دوسرے کے تعاقب میں آتے چند ڈوگرہ سپاہیوں کو دیکھا [illegible] --- جونہی وہ لوگ اس مقام پر پہنچے جہاں شرفو فرشتۂ اجل بن کر ان کا منتظر تھا، یکے بعد دیگرے دو زوردار دھماکے ہوئے اور گویا تمام ڈوگروں کے لیے حشر بپا ہو گیا --- ان کے [illegible] قیامت خیز اور زہراں نے ان کے جسموں کے خون آلود ٹکڑے چیتھڑے اور [illegible] سروں کو فضا میں اچھلتے دیکھے۔

---اور لمحہ بھر بعد اس گرد اور خون کے پس منظر سے اس نے شرفو کو [illegible] اپنی سمت آتے دیکھا۔ ایک پرسکون سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر رقصاں تھی۔ بالکل اس مزدور کی طرح جسے دن بھر کی محنت کا صلہ خلافِ توقع بہت زیادہ مل گیا ہو۔

"آؤ زہراں۔" اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ سائے پہاڑی سلسلوں میں لرزتے [illegible] سے دور ہٹتے چلے جا رہے تھے۔

☆○☆

۱۲ اگست ۱۹۴۷ء کی صبح جنرل طارق اپنے ایک ساتھی کے ساتھ تازہ ترین صورتحال کا

HBC

[illegible]

[illegible] آزادی [illegible] رہیں۔

[illegible] کہ ہمیں اب اس [illegible] ہو گئے تھے کہ [illegible]

[illegible] زندگی [illegible]

[illegible]

ہی ایک پل اور کہیں کہیں اکا دکا نظر آئی۔ ادھر میں سے قبائلی مجاہدین بجلی کی ...
نزرت کرنے کے لیے سری نگر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہ تازہ کمک فوری ...
از جنگ میں شمولیت اختیار کرتا اور وہاں پہلے سے موجود مجاہدین کا ساتھ دے کر ...
سے قریباً پچاس میل دور اوڑی کے نزدیک پل ٹوٹا ہوا تھا۔

یہ پل پسپا ہوتی مہاراجہ کی فوج نے پٹھانوں کی یلغار کی رفتار سست کرنے کے لیے ...
تھا۔ لیکن مقامی مجاہدین نے فوراً اس کا حل تلاش کر لیا۔ انہوں نے پہاڑوں کے ...
قریباً ڈیڑھ میل لمبی کچی سڑک بنا کر پیش قدمی کرتے مجاہدین کی یہ مشکل حل کر دی ...
اس راستے سے نکل کر قبائلی مجاہدوں کی طرح مہاراجہ کی (اپنی دانست میں محفوظ) ...
پر پہنچے اور وہاں بمشکل ہی کوئی خوش قسمت فوجی جان بچا کر بھاگ پایا تھا۔ ان کی ...
یہ عالم تھا کہ ان کے محاذ پر پہنچنے سے پہلے ہی ڈوگرہ فوج وہاں سے پسپائی اختیار کر لیتی ...
ڈوگرہ فوجی "مقابلہ" نہیں "مدافعت" کر رہے تھے تاکہ وہ محفوظ طریقے سے پسپا ہوتے ...
ہوئے سری نگر تک پہنچ جائیں اور ان کا کم از کم جانی نقصان ہو اور وہاں سے تازہ کمک ...
حاصل کر کے وہ دوبارہ پوری شدت سے قبائلی مجاہدین پر حملہ آور ہوں۔

مظفر آباد سے قریباً اسی میل دور "وادی کشمیر کا دروازہ" بارہ مولا واقع ہے جس کا زیادہ ...
تر رقبہ میدانی ہے۔ یہ شہر سیاحوں کی جنت تھا، لیکن بھارتی فضائیہ کی پچھلے دو روز کی بمباری ...
اور پسپا ہوتی ڈوگرہ فوج نے اسے آثار قدیمہ کے کھنڈرات میں بدل کر رکھ دیا تھا۔ مجاہدین ...
یہاں ۲۶ اکتوبر کو پہنچ گئے تھے اور ۳۵ میل دور واقع مہاراجہ کا محل سری نگر میں دریا کے ...
کنارے بانہیں پھیلائے ان کا منتظر تھا۔ بھاگتی ہوئی خوفزدہ ڈوگرہ افواج میں ہرگز اتنا دم خم باقی ...
نہ تھا کہ وہ ان کے آڑے آئیں۔ منزل نظروں کے سامنے تھی، حوصلے مضبوط، مورال بلند ...
ہوا اور دشمن پر کاری ضرب لگانے کا بہترین موقع میسر تھا، لیکن جاہ و منصب کی خواہش کا اسیر ...
ہو کر اس نے ان سربلندوں کے بڑھتے قدم وہیں روک لیے۔

تاریخ حریت کا وہ سیاہ باب ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی شام یہاں لکھا گیا جو ہمیشہ آزادی پسندوں ...
کو خون کے آنسو رلاتا رہے گا۔

میجر خورشید انور نے جو قبائلی مجاہدین کا کمانڈر تھا، جب سری نگر کو پکے ہوئے پھل کی ...
طرح قبائلی مجاہدین کی گود میں گرتے دیکھا تو کمزور انسانی فطرت کا شکار ہو کر خود غرضی کی ...
... میں پھنس گیا۔ اس نے مجاہدین کو وہاں منصوبہ بندی کا بہانہ کر کے روک لیا اور خود ...
... کو یہ پیغام بھیج کر وہاں بلایا تاکہ وہ اسے آ کر بتائیں کہ نو آزاد مملکت کی ...

... میں اسے ... کا اور کشمیر کی حکومت میں اس کی پوزیشن کیا ہو گی؟
وہ دن اس سودا بازی اور سیاست گری کی نذر ہو گئے اور ۲۹ اکتوبر کو جب ایک ... طیارہ بردار جہازوں میں ... بھارتی فوج اس سے ... سری نگر ... بارہ مولا کے درمیان حائل ہو چکی تھی۔

... مجاہدین نے حسب روایت جان توڑ حملہ کیا۔ یہ حملہ ... کی شام کو کیا گیا ... اب مقابلے پر بہترین اور جدید ہتھیاروں سے لیس منظم فوج تھی جسے زبردست فضائی برتری حاصل تھی۔ حملہ پسپا کر دیا گیا اور پٹھان اپنے زخمی اور لاشیں ساتھ لے کر پیچھے ہٹ آئے۔

جب جنرل طارق سری نگر پہنچے تو قبائلی اپنے نقطۂ عروج کو چھو رہی تھی۔ سارا شہر فائرنگ کے دھماکوں سے گونج رہا تھا، لیکن محاذ جنگ ابھی دور تھا۔ انہوں نے اپنی جیپ کی ہیڈ لائٹس بجھا دیں اور اس سڑک پر آگے بڑھتے گئے جو سری نگر کو جاتی ہے۔

یہ خدشہ ان کے ذہن میں پھن پھیلائے کھڑا تھا کہ اس سڑک پر بھارتی فوج بھی قابض ہو سکتی ہے کیونکہ ابھی صورت حال واضح نہیں ہو رہی تھی۔ ان کو آخری اطلاع یہی ملی تھی کہ شہر کے باہر دور اوپر کے پہاڑوں میں جنگ جاری ہے۔ وہ جیپ کی بتیاں بجھائے ہوئے اب آہستہ آہستہ چلتے بارہ مولا سے ۱۰ میل آگے آ چکے تھے، پھر ایک جگہ رات کے اندھیرے میں جلتے الاؤ کی روشنی نے انہیں رک جانے پر مجبور کر دیا۔

تجدید عہد

رات کے دوسرے پہر لالٹین کی مدھم سی لو اس نے بڑھا دی تھی اور بے چینی سے دروازے کا منتظر تھا۔ بالآخر وہ لمحہ بھی آگیا جب اسے دروازے پر مخصوص دستک سنائی دی۔ آنے والے نے دروازے کو ایک خاص انداز سے تین مرتبہ بجایا تھا۔

"کون؟" ممدو گوجر نے دروازے کی جھری سے منہ لگاتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"مہمان" جواب میں ایک لفظ کے سوا اسے اور کچھ سننے کو نہ ملا۔

دل کی بے قابو دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے اس نے اگلا کوڈ دہرایا۔ "کہاں سے آئے ہو؟"

"جنوب۔" دوسری طرف سے پھر ایک ہی لفظ پر اکتفا کیا گیا۔

ممدو نے دروازے کی کنڈی گرا دی۔

"صاعقہ۔" نووارد نے کہا جس کا سارا چہرہ سیاہ رنگ کے کپڑے میں ڈھکا تھا۔

"صاعقہ۔" ممدو گوجر نے پکارا اور آنے والے نے "السلام علیکم" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اپنا چہرہ ننگا کر دیا۔

"امیر خان۔" بے اختیار ممدو کے منہ سے نکلا۔

"ممدو——— میرے یار!" امیر خان اس سے بغل گیر ہو گیا۔

———دونوں ہی اس حسن اتفاق پر خدا کے شکر گزار تھے۔ آج تقریباً سال بعد ان کی ملاقات ہوئی تھی——— آخری ملاقات ممدو کو کل کی طرح یاد تھی۔ دونوں انڈین آرمی سے اکٹھے فرار ہو کر برما میں سبھاش چندر بوس کی "آزاد فوج" میں شامل ہوئے تھے جہاں جاپانیوں نے ٹریننگ دے کر انہیں واپس ہندوستانی فوج کو سبوتاژ کرنے اور وہاں سے اطلاعات حاصل کر کے "جاف" (جاپان انٹیلی جنس) کو پہنچانے کا فریضہ سونپا گیا تھا۔

دونوں نے اپنا کام کلکتہ کی گودی میں کام کرنے والے مزدوروں کا بھیس بدل کر بڑے شاندار طریقے سے انجام دیا تھا۔ یہیں سوئے اتفاق سے نبی خان صوبیداروں سے ٹکرا گیا جو

گھر گھر گھوم کر سبھاش چندر بوس کی طرز پر مسلمان افسروں کی مدد سے ایک آزاد فوج تشکیل دینے کے خبط میں مبتلا تھا۔

نبی خان جموں کا رہنے والا تھا۔ جلد ہی وہ آپس میں گھل مل گئے۔ نبی خان کی [illegible] نظروں نے جانے ان میں کیا دیکھ لیا تھا کہ وہ انہی کا ہو کر رہ گیا۔

ہر روز شام کے بعد وہ لوگ ایک پارسی کے چھوٹے سے ہوٹل کے [illegible] اکٹھے ہوتے جہاں ایک عالم کی سیاست زیر بحث آتی۔ دونوں دوست یہ بات شدت سے محسوس کرتے کہ نبی خان جب عالم اسلام کا ذکر کرتا تو حد سے زیادہ جذباتی ہو جاتا۔ [illegible] برصغیر کے مسلمانوں کی دگرگوں حالت زیر بحث آنے پر تو اس کی حالت دیدنی ہوتی۔

——اس کے اسی "جذبۂ و ذہنیت" سے متاثر ہو کر ایک روز جب امیر خان نے اس کے سامنے "آزاد ہند فوج" کا ذکر چھیڑا تو نبی خان کے لیے جیسے بجلی کے بھاکوں [illegible] اس نے دو تین ملاقاتوں ہی میں دونوں کے جذبۂ آزادی کو ایک واضح سمت کی [illegible] کر دی اور ایک روز جب اس نے کھل کر اپنے مقاصد ان کے سامنے بیان کیے تو [illegible] نے بے اختیار اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اس پر اپنی طرف سے بہت بڑا انکشاف کیا [illegible] ان کا تعلق آزادی ہند فوج سے ہے' لیکن یہ کہہ کر تو نبی خان نے ان کے ارمانوں پر [illegible] اوس ہی ڈال دی کہ وہ انہیں روز اول سے جانتا ہے—— اس نے اپنی بات کی [illegible] ثبوت میں جب انہیں ان کے پچھلے آٹھ دس روز کے معمول سے آگاہ کیا تو دونوں اس کی خداداد ذہنی صلاحیتوں کے گرویدہ ہو کر رہ گئے۔

نبی خان نے ان کا باقاعدہ تعاقب کر کے نہ صرف کلکتہ میں ان کا "رنگ" ڈھونڈ لیا بلکہ یہاں ان کے "ذرائع" بھی اس کی نظر میں آ چکے تھے۔

اس روز وہ تینوں پارسی کے تندور نما ہوٹل سے اٹھ کر ایک "کھولی" میں آن بیٹھے جو نبی خان کی ملکیت تھی۔ یہاں آ کر ان پر یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ نبی خان یہاں [illegible] لال سوامی جی کے نام سے مشہور ہے اور اردگرد کی قریباً سبھی "کھولیوں" میں اس کے [illegible] رہتے ہیں۔ وہ لوگ اس کی پوجا ایک گرو کے سمان کرتے تھے۔

"کسی بات پر حیرت کا اظہار نہ کرنا—— یہ بھی اپنی عادت بنا لو۔" نبی خان بولا۔ "یوں تو تم بھی سابقہ رائل ملٹری انٹیلی جنس (M I) اور موجودہ جاپانی محکمہ جاسوسی کے تربیت یافتہ ہو' پھر بھی ممکن ہے کچھ باتیں تمہارے لیے چونکا دینے والی ہوں۔"

——یہ تھا وہ پہلا آرزو جو مستقبل میں کشمیر کو ڈوگرہ اور انگریز سامراج کی ریشہ

دوانیوں سے نجات دلانے کا عزم لے کر میدان عمل میں اترنے والی تنظیم "ساحت" کے پہلے سربراہ نے انہیں دیا تھا۔

وہ ساری رات تینوں نے گفتگو اور بحث و تمحیص کی بھینٹ چڑھا دی۔ نبی خان نے انہیں اس بات کا قائل کر لیا تھا کہ انگریزوں کے برصغیر سے چلے جانے کے بعد بھی کشمیر کے مسلمان کبھی آزادی کی نعمت سے بہرہ ور نہیں ہو سکیں گے۔ الا یہ کہ وہ آزادی کے حصول کے لیے ہتھیار نہ اٹھالیں۔

"میں نے پندرہ سرفروش اکٹھے کر لیے ہیں۔" نبی خان نے انہیں بتایا۔

"کون ہیں وہ؟" دونوں کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"ہاں——!" نبی خان نے ایک لمبا سانس لیا۔ "میں تمہیں کہتا چلا جا رہا تھا کہ ہماری تنظیم کی بنیادیں اس اصول پر رکھی جا رہی ہیں کہ ہم کبھی ایک دوسرے سے تعارف حاصل نہیں کریں گے—— جہاں ایک دوسرے سے تعارف ناگزیر ہو' وہاں البتہ دوسری بات ہے۔ پھر اصل بات تو ایک مشترکہ مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد ہے۔ اس کے لیے کیا طریق کار اختیار کیا جائے کہ کچھ کرنے سے پہلے ہی تنظیم اپنی موت آپ نہ مر جائے؟ یہ سوچنا میری ذمے داری ہے کیونکہ جن لوگوں کے خلاف ہم نبرد آزما ہونے جا رہے ہیں' میں نے یہ فن جاسوسی اور تخریب کاری انہی کے درمیان انہی کی سرزمین پر رہ کر انہی سے سیکھا ہے۔"

——دونوں ہونقوں کی طرح نبی خان کا چہرہ تک رہے تھے جو اس لمحے انہیں کسی اور ہی دنیا کا پراسرار بندہ نظر آ رہا تھا۔

"ہاں دوستو! ہم چونکہ مستقبل میں ایک نیا اور اٹوٹ رشتہ قائم کرنے جا رہے ہیں' اس لیے تمہیں کسی حد تک اپنا تعارف ضرور کرواؤں گا۔ میں نے کنہو ایم۔ آئی اور رائل انڈین انٹیلی جنس سبھی کے لیے کام کیا ہے' لیکن خدا جانتا ہے کہ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ میں دشمن کا داؤ اسی کے خلاف استعمال کرنے کے فن سے آگہی حاصل کر سکوں اور آج جب مجھے قدرت نے کسی قابل کیا ہے تو جان سے گزر جانے کا عزم لے کر—— برصغیر کی گلی گلی کوچے کوچے میں ان طالع آزماؤں کی تلاش کر رہا ہوں جو اپنوں اور پرایوں کی ریشہ دوانیوں کے شکار ہیں مگر جن کے دل تو زندہ ہیں' لیکن جن کی تلواریں زنگ آلود اور بازو شل ہو چکے ہیں۔"

رخصت کے وقت جب تینوں نے خدا کو حاضر ناظر جان کر اپنا تن من دھن دھرتی کشمیر

کے لیے ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ لے کر نذر کرنے کا حلف اٹھایا تو سجاول نے انہیں کہا تھا۔

"آج کے بعد میں تمہیں اس بستی میں کبھی نظر نہیں آؤں گا۔ تم یہ بھی بھول جاؤ کہ نبی خان نام کا کوئی آدمی تم سے کبھی ملا تھا۔ ہاں فی الوقت تمہیں اسلحہ حاصل کرنا ہے۔ اس کے حصول کی ترکیب سے میں نے تمہیں آگاہ کر دیا ہے اور آئندہ تم جہاں کہیں بھی ہو گے میں خود ہی تم سے رابطہ پیدا کر لیا کروں گا۔"

پھر تینوں نے ہاتھ پھیلا کر خدائے بزرگ و برتر کے حضور کامیابی کی دعا کی اور پھر ایک دوسرے کو "فی امان اللہ" کہہ کر اپنی اپنی راہ لی۔

☆○☆

دوسری جنگ عظیم اور آزاد ہند فوج کے خاتمے تک نبی خان نے ساعقہ کے جانبازوں کی صرف ذہنی اور جسمانی تربیت ہی کی تھی۔ اس کے بعد وہ لوگ عملی میدان میں کود پڑے۔ اس نے ساعقہ کے مختلف کمانداروں کو مختلف ذمے داریاں سونپ کر انہیں مقبوضہ کشمیر کی طرف روانہ کر دیا۔

تقسیم ہند کے اعلان تک ساعقہ کے مٹھی بھر سرفروش سارے کشمیر میں پھیل کر اپنے قدم مضبوطی سے جما چکے تھے۔ فی الوقت انہیں "انتظار کرو اور دیکھو" کی پالیسی اپنانے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس کے بعد انہیں اپنی اصلیت کو چھپائے رکھتے ہوئے مقامی آزادی پسندوں کے ساتھ عملی جدوجہد میں شامل ہونے کا حکم ملا۔ یہ ان لوگوں کی تربیت تھی جس نے انہیں جلد ہی مجاہدین کے نزدیک ممتاز کر دیا۔

انہی سربلندوں میں سجاول اور حسین خان بھی شامل تھے۔

ممدو کو جب پونچھ میں قیام کرنے اور ڈوگرہ چھاؤنی کو دودھ سپلائی کرنے کا حکم ملا' تب اسے علم ہوا کہ مجاہدین میں حسین خان کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے' لیکن ابھی تک اسے حسین خان سے براہ راست ملاقات کا موقع نہیں ملا تھا۔ اسے یقین تھا کہ حسین خان کو بھی اس کی موجودگی کا علم نہیں ہے۔ اسے تو صرف سجاول کا پتہ تھا یا پھر اس درخت کی سیدھ میں شمال کی جانب رکھے بڑے سے پتھر کا' جو شہر سے باہر جنگل کو جانے والے راستے کے ایک کونے میں تیز رو نالے کے کنارے تن تنہا جانے کب سے کھڑا اپنے گھر کے مکینوں کی بے بسی کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ سجاول کی طرف سے اسے جو پیغام زبانی یا تحریری صورت میں ملتا' ممدو اسے بڑے سے پتھر کے نیچے دبا کر چلا آتا اور اگلے روز وہیں سے دوسرا حکم وصول

رابطہ اٹھلی جنس کا یہ محفوظ طریقہ جو وہ لوگ جنات کی جنگل کے لیے استعمال کرتے تھے نبی خان نے ہی انہیں بتایا تھا۔

کبھی کبھی یہ پراسرار طریقہ اسے الجھائے رکھتا۔ لیکن جب اس نے پہلے پہل نبی خان کی شخصیت ازلی تو اس کی ساری جھنجلاہٹ اور الجھن ختم ہو جاتی اور وہ پوری طرح اپنے کام میں جت جاتا۔ اسے نبی خان سے ایک عجیب سی عقیدت تھی۔ یہ رشتہ ہر نئی صبح بیدار ہونے پر ممدو گوجر کو گرا اور اپنے اندر نئی امنگ اور جذبہ دے رہا تھا۔

پچھلے دو ڈھائی سال میں اس کی ملاقات نبی خان سے بمشکل تین چار مرتبہ ہوئی تھی لیکن اسے اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے یہی محسوس ہوتا تھا جیسے نبی خان کی پراسرار اور طلسماتی قوت کی حامل آنکھوں نے مسلسل اسے اپنی زد میں رکھا ہوا ہے۔

سجاول مقامی تھانے کا سپاہی تھا اور کبھی کبھی ممدو گوجر حیران رہ جاتا تھا کہ آخر سجاول نبی خان سے کیسے ٹکرا گیا۔ پھر وہ یہ سوچ کر خود بخود مطمئن ہو جاتا کہ بظاہر نبی خان کے لیے کسی دوسرے عالم کی مخلوق سے کوئی تعلق پیدا کر لینا بھی کوئی ایسا مشکل کام نہیں۔

اعلان آزادی سے پہلے ہی کشمیر کی سیاست کے بھارت سے جوڑ توڑ پیدا کرایا اور جس طرح انگریز اور ہندو کی ملی بھگت نے اسے پکے ہوئے پھل کی طرح بھارت کی جھولی میں ڈال دیا تھا' اس بات نے اس کی نظروں میں نبی خان کی اہمیت کئی گنا بڑھا دی تھی۔ اسے رہ رہ کر کلکتہ کی ساحلی آبادی کی وہ کھولی یاد آنے لگتی جہاں کبھی گورو منوہر لال نے اسے اور امیر خان کو ہو بہو مستقبل کی یہی تصویر دکھائی تھی۔

"ظالم کے اندازے کتنے صحیح تھے------!"

☆○☆

پچھلے دنوں جب وہ سجاول کا ایک خط رات کے اندھیرے میں اس پتھر کے نیچے رکھ کر آیا تھا تو اس کا جواب اسے تین روز بعد ملا تھا۔ اس دوران سجاول کی طرف سے "رپورٹ" بند ہو گئی تھی۔

---اور اس خبر نے ممدو گوجر کو خاصا پریشان کر دیا تھا کہ سجاول گرفتار ہو چکا ہے۔ سجاول کی گرفتاری کے بعد سے اسے اپنے گرفتار ہونے کا دھڑکا لگا رہتا تھا کیونکہ سجاول کو اس کی قیام گاہ کا علم نہیں تھا' لیکن پونچھ کوئی ایسا بڑا شہر بھی نہیں تھا کہ اسے ڈھونڈا نہ جا سکے--- ان کی تنظیم کے کسی باقاعدہ رکن کی یہ پہلی گرفتاری تھی۔

HBC

ممدو کو امید یہی تھی کہ اب اسے یہاں سے کہیں اور چلے جانے کا روپوش ہونے اور
ملے گا۔ لیکن یہ دیکھ کر وہ کچھ حیران اور پریشان بھی ہوا کہ اسے امیر خان کی آمد کا منتظر رہ
کر اس کو بتائے گئے طے شدہ منصوبے پر عمل کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔

اور آج امیر خان آ گیا۔

"کہاں غائب رہے اتنے دن؟" قہوے کی پیالی میں تیسری مرتبہ قہوہ انڈیلتے ہوئے اس
نے اپنے دیرینہ دوست کو مخاطب کیا۔

"یہیں سری نگر میں ——! پھر یکایک مجھے گلگت پہنچنے کا حکم ملا۔ لمبی کہانی ہے اور
کبھی سناؤں گا۔" اس نے گہری سانس لی اور یوں بیزاری کا اظہار کیا جیسے اس موضوع پر
اس موضوع پر بات کرنا پسند نہیں کرتا۔

ممدو نے یہ بات محسوس کر لی تھی۔ اسی لیے اس نے نہایت غیر محسوس انداز میں گفتگو
کا رخ بدل کر کلکتے کی باتیں شروع کر دیں۔ رات کا دوسرا پہر ہو چلا تھا، لیکن نیند دونوں کی
آنکھوں سے غائب تھی اور دونوں ہی ایک دوسرے سے "مطلب کی بات" شروع کرنے کی
توقع لگائے ہوئے تھے، لیکن دونوں ہی جیسے گفتگو کا آغاز کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ بالآخر
ممدو گوجر نے ہی ہمت کی۔ "مجھے مرکز کی طرف سے بڑی غیر مبہم سی ہدایات ملی ہیں۔ تم
شاید بہتر بتا سکو۔" اس نے امیر خان کو مخاطب کیا۔

"ممدو ——!" امیر خان نے پیالی ایک طرف رکھتے ہوئے الٹا ہاتھ مونچھوں پر پھیرا۔ یہ
اس کی پرانی عادت تھی جسے وہ اب تک ختم نہیں کر سکا تھا۔ "میرے ساتھ یہاں دس بندے
آئے ہیں۔ آٹھ مقامی ہیں اور دو سری نگر سے۔ کل تم مجھے بھی اپنے ساتھ چھاؤنی لے
جاؤ۔ مقامی ذرائع سے یہی اطلاع ملی ہے کہ رام سنگھ سجاول کو چھاؤنی میں لے آیا ہے۔
——بظاہر تو وہ مسلمانوں پر اعتماد کرتا ہے، لیکن اصلیت کا علم اسے ہو چکا ہے۔ اسے
اس بات کا یقین ہو چلا ہے کہ پولیس میں موجود نوے فیصد مسلمانوں کے دل مجاہدین کے
ساتھ اور زبانیں مہاراجہ کے ساتھ ہیں۔ خصوصاً زہراں اور شیرو کے فرار کے بعد سے تو
اس کا انسپکٹر میر پر بھی اعتبار اٹھ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی موت کے بعد یہاں ہندو
انسپکٹر کو لایا گیا ہے۔ حالانکہ عموماً یہاں مسلمان انسپکٹر ہی رہتا ہے اور اگر رام سنگھ اسے
قبضے میں رکھتا تو ہمارے لیے معاملہ زیادہ مشکل نہیں تھا، لیکن اب بات دوسری ہے۔" اس
نے رک کر لمبا سانس لیا اور اپنی کہی باتوں کا ردعمل ممدو کے چہرے پر تلاش کرتا ہوا دوبارہ
گویا ہوا۔ "ہمیں اصل میں دو کام کرنے ہیں ممدو بھائی۔"

ممدو جواب میں ایک ٹک اس کے چہرے کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔
"ایک تو سجاول کو ان ڈوگروں کے چنگل سے نکالنا ہے اور حسین خان کی بات پوری کرنی
ہے۔"

"کون سی بات؟" ممدو نے حیرانی سے پوچھا۔
"اس نے میجر رام سنگھ کو پیغام بھیجا تھا کہ اگر وہ پونچھ سے باہر نہ جا پایا تو وہ لوگ
اسے مار دیں گے۔"

"لیکن اس کے لیے یہ کام اتنا مشکل......"
"ہاں اس کے لیے یہ کوئی بہت بڑی بات نہ تھی۔" امیر خان نے اس کی بات کاٹی۔
"لیکن حالات اتنی تیزی سے بدل گئے ہیں کہ اس کے لیے اس معاملے کی طرف توجہ دینا
ممکن نہیں رہا۔ اچانک ہی بھارتی فوج نے مداخلت کی اور نبی خان نے اسے جموں بلا
لیا۔"

"ٹھیک ہے امیر خان۔" ممدو کی آواز اس لمحے کچھ بدلی بدلی دکھائی دے رہی تھی۔
"لہٰذا تم بھی مجھے پیچھے نہ پاؤ گے۔ میں اس راستے پر پیش آمدہ قیامتوں سے خبردار ہونے کے
بعد ہی اس پر چلا تھا۔"

"میرے خیال سے اب تھوڑا آرام کر لیں، صبح اٹھ کر تم نے بھینسیں بھی دوہنی ہیں
اور شاید آٹھ بجے تک دودھ بھی پہنچانا ہے۔" امیر خان نے بالآخر کہا۔
"نیند تو اب ہے نہیں اور رات بھی بمشکل ایک پہر باقی ہو گی۔ خیر تم کہتے ہو تو کمر
سیدھی کر لیتا ہوں۔" اس نے اپنا دیوار سے ٹکا سر چارپائی پر رکھے سرہانے پر دھر لیا اور
رضائی اوڑھ لی۔ اس کی مخالف سمت ویسی ہی ایک چارپائی پر بیٹھے امیر خان نے بھی یہی عمل
دہرایا تھا۔

☆○☆

پونچھ سے بڑی سڑک کے ذریعے بارہ مولا کی طرف سے کشمیر جانے کے بجائے انہوں
نے ایک ذیلی راستہ اپنایا تھا اور اب وہ لوگ گلمرگ کے راستے سری نگر جا رہے تھے جہاں
سے انہیں ایک خصوصی بندوبست کے بعد جموں کی طرف سفر کرنا تھا۔
اس خصوصی "بندوبست" کا علم سوائے حسین خان کے اور کسی کو نہیں تھا اور ابھی تک
نبی خان کی طرف سے اسے ایسی کوئی ہدایت بھی نہیں ملی تھی کہ وہ "صاعقہ" کو مجاہدین میں
متعارف کروائے۔ بسا اوقات اسے نبی خان کی جانب سے ایسے احکامات خاصی تجسس بھرے میں

جتلا کر دیتے تھے' لیکن ایک تو اس نے یحییٰ خان کی "مساعدت" کے کمانڈر کی وفاداری کا حلف اٹھایا تھا اور دوسری بات یہ بھی تھی کہ آج تک اس نے یحییٰ خان کے ہر فیصلے کو اپنی دانست میں غلط سمجھا' وہ خلاف توقع صحیح ثابت ہوا تھا۔

کبھی کبھی تو حسین خان کو اپنی سوچ سے وحشت ہونے لگتی تھی اور آج بھی اس پر ایسی ہی کیفیت سوار تھی۔ اس نے خیالات کی یورش سے بچنے کے لیے اپنی سوچ کا رخ [illegible] اور اپنی ساتھیوں پر نظر دوڑائی۔ وہ لوگ پچھلے تین دن سے متواتر سفر کرتے ہوئے آج سری نگر کے باہر مقیم تھے۔ اپنا اسلحہ انہوں نے تربیت یافتہ کمانڈوز کی طرح اپنے گرم کپڑوں میں چھپا رکھا تھا اور مختلف ٹولیوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے تعاقب میں سفر کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔ حسین خان کا ذہن نہ چاہتے ہوئے بھی "شیرو" پر اٹک جاتا تھا۔ اک [illegible] سی خلش اسے کبھی کبھی کچوکے دینے لگتی۔ وہ یوں محسوس کرنے لگا تھا جیسے شیرو کو اپنے ساتھ لا کر اس نے شیرو کی ماں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔

رات خاصی بیت چلی تھی اور انہیں اپنے عقب سے کبھی کبھی رائفل یا اسٹین گن کے فائر ہونے کی آواز سنائی دیتی۔ رائفل کا دھماکہ اس امر کی نشاندہی کے لیے کافی ہوتا تھا کہ رات کی تاریکی میں بھی پٹھان اپنے شکار سے غافل نہیں اور گشت پر موجود سپاہیوں میں سے جو بدقسمت بھی ان کی رینج میں آ جاتا' اسے قید حیات سے نجات دلائے بغیر نہیں رہتے تھے۔

دور کہیں کسی بھارتی فوج کے سیکشن نے "روشنی راؤنڈ" فائر کیے۔ شاید انہیں مجاہدوں کی کسی "پٹرول پارٹی" کا شک گزرا ہو گا۔ اگرچہ وہ لوگ میدان سے خاصی دور تھے اور بالکل محفوظ' پھر بھی حسین خان نے اشارے سے سب کو کسی آڑ میں ہو جانے کے لیے کہا تھا۔ اس نے شیرو کو اپنے پاس بلا لیا۔۔۔ دونوں اپنے ساتھیوں سے قدرے ہٹ کر بیٹھ گئے۔

سری نگر کی سردی ہڈیوں میں گھسی جا رہی تھی' لیکن مستقبل کے خدشات اور آنے والے حالات کے متعلق سوچ نے وہاں سردی گرمی کا احساس ختم کر دیا تھا۔ ان لوگوں کو یہاں آ کر علم ہوا تھا کہ انہیں یہاں سے بھیس بدلا کر مختلف ٹولیوں کی شکل میں سفر کرنا ہو جائے گا۔

ان کا بھیس کیا ہو گا؟ کون سا روپ دھارنا ہو گا انہیں؟ اس بات کا علم سوائے حسین خان کے اور کسی کو نہ تھا۔

"[illegible] رہے ہو؟" حسین خان نے اس کے چہرے پر سرسری نظر ڈالی۔ "ماں یاد [illegible]" اس نے بڑی شفقت سے شیرو کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"نہیں بابا۔۔۔ میں ابھی اتنا بزدل نہیں ہوا کہ۔۔۔"

"میرا مطلب یہ نہیں تھا شیرو۔ میں تمہیں بھی نہیں تمہارے احساسات کو بھی جانتا [illegible]" حسین خان نے بڑی تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

حسین خان محسوس کر رہا تھا کہ اس نے جھوٹ بولا ہے۔ واقعی سری نگر پہنچنے تک اس کا [illegible] لیکن شیرو پر پکا تھا اور اب اسے رہ رہ کر زہراں یاد آ رہی تھی۔ روانگی کے وقت [illegible] زہراں سے کتنا "جارحانہ" تھا۔ اس کا احساس اسے اب ہوا تھا۔ شیرو نے سوچا۔ [illegible] زہراں سے ایسی باتیں نہیں کہنی چاہیے تھیں۔ آخر وہ ایک عورت ہے اور ایک [illegible] عورت جو بدقسمتی سے شیرو سے محبت کرتی تھی۔

"ہم لوگ جموں کب جائیں گے؟" شیرو نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے [illegible] نہایت [illegible]

"شاید کل رات کو روانگی ہو۔" حسین خان نے اس کا فرار محسوس کر لیا تھا۔

"سنا ہے جموں کے پورے صوبے میں بڑا ظلم ہوا ہے۔ ہزاروں بے گناہ مسلمان مارے گئے۔" شیرو نے بڑی کڑوی سی بات کہہ دی۔

"ہاں۔۔۔! بدقسمتی سے وہاں ہمارے ساتھی منظم نہیں تھے اور ڈوگروں نے بھی ہماری کم تعداد سے فائدہ اٹھایا۔۔۔ پاکستان کی طرف سے آنے والے لشکروں نے تو۔۔۔" حسین خان نامکمل بات کہہ کر خاموش ہو گیا۔

اس نے شہر کی سمت سے آنے والے راستے پر ایک ٹارچ کو تین مرتبہ مخصوص انداز سے جلتے بجھتے دیکھ لیا تھا۔ "تم ذرا یہیں ٹھہرو۔۔۔ میں ابھی آیا۔"

وہ شیرو کو شش و پنج میں جتلا چھوڑ کر تیزی سے اندھیرے کی چادر میں غائب ہو گیا۔

حسین خان نے پستول کو فائرنگ پوزیشن میں کر کے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا لیکن اس کا یہ ہاتھ اس کمبل میں چھپا ہوا تھا جس نے اس کے سارے جسم کو ڈھانپ کر سردی کا زور خاصا توڑ دیا تھا۔

دوسری جانب اس کی آمد کو شاید محسوس کر لیا گیا تھا کیونکہ اس نے اپنے سامنے تقریباً پندرہ گز دور دوبارہ اسی ٹارچ کو جل کر بجھتے دیکھا۔ اس مرتبہ طریقے سے اسے بائیں سمت

اشارہ کیا گیا تھا۔

ابھی وہ پستول اس کی گردن سے لگائے بیٹھا تھا جب اس کے عقب میں ایک [illegible]

"بلند!"

حسین خان اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے [illegible] کرنے ہی [illegible] کھڑے نہیں کیے تھے۔

"پہچان۔۔۔؟" وہی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"مسافر۔۔۔!" حسین خان نے زیر لب کہا۔

"حل۔۔۔؟" سوال ہوا۔

"نامعلوم۔۔۔!" اس نے اگلا کوڈ دہرایا۔

"ساحل۔۔۔؟" اس کے عقب میں بولنے والا مطمئن ہو کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"ساحل۔۔۔!" حسین خان نے پستول جیب میں رکھ کر اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھا دیا۔

دونوں چاند کی پھیکی روشنی میں ایک دوسرے کی شکل بآسانی دیکھ سکتے تھے۔ ان کے عقب میں اب فائرنگ کی آوازیں مسلسل بلند ہو رہی تھیں۔ شاید قبائلیوں نے رات کے اندھیرے ہی میں سری نگر کے مضبوط دفاع پر قسمت آزمائی کا فیصلہ کر لیا تھا۔

سری نگر کا بے قاعدہ اور کئی میل لمبا دفاعی [illegible] بھارتی فوج کی مکمل گرفت میں تھا اور اس کی ابتدائی تین پلٹنوں نے جو اپنے ساتھ بھاری توپ خانہ لے کر آئی تھیں، [illegible] سے اس سمت آنے والی سڑک پر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رکاوٹیں کھڑی کر کے [illegible] مورچے قائم کر لیے تھے۔ ان مورچوں کا تحفظ بھارتی توپ خانے کی [illegible] کر رہی تھی۔

نووارد حسین خان کے لیے اجنبی تھا۔ اسے اس بات کی خوشی ہوئی کہ "ساحل" اپنے قدم مضبوط کر رہی تھی اور اب [illegible] بھی اس میں کام آنے لگے تھے۔

"میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ پونچھ کے بیٹوں نے جس دلیری کا مظاہرہ کیا ہے [illegible] کشمیر کے مسلمانوں کا حوصلہ بلند کر دیا ہے۔" نووارد نے حسین خان سے [illegible] کہا۔

"[illegible] ہم سب ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں۔ اپنی اپنی جگہ [illegible]

[illegible] حسین خان نے [illegible] دیا۔

[illegible] ابھی [illegible]

[illegible] نووارد نے کہا۔

[illegible] تم [illegible] میں اپنے [illegible] ہاتھ [illegible]

[illegible] ایک بار [illegible] آیا۔

[illegible] اپنے ساتھیوں میں [illegible]

[illegible] ہی [illegible] بعد وہ اپنے ساتھیوں [illegible]

[illegible] اس نے اپنے [illegible] باتیں [illegible] تم لوگ [illegible]

[illegible] ہدایات [illegible]

[illegible] شیر [illegible] کی طرف [illegible]

[illegible] ہوئے [illegible] کی طرف [illegible] بھارتی فوج [illegible]

[illegible] کی سمت پیش قدمی کرتے ہوئے [illegible] اگر تم میں سے [illegible]

[illegible] مبارک [illegible] ہو [illegible] کسی قیمت [illegible]

[illegible] زندہ [illegible] طرف [illegible] رنگ [illegible]

[illegible] شیر [illegible] ہاتھ [illegible] کی [illegible] "ساحل" سے [illegible]

[illegible] اس نے شیر [illegible] مقامی [illegible]

[illegible] ذمہ داری اس نے [illegible] خان [illegible] سری نگر کی [illegible]

اور دونوں اس کے پیچھے [illegible] قدموں [illegible] سری نگر [illegible]

[illegible] اور بھارتی فوجیوں کے ساتھ ساتھ اب [illegible] شیر کشمیر [illegible] کے [illegible]

[illegible] کے رضاکاروں سے بھی [illegible]

[illegible] ساری رات وہ لوگ مقامی غیر مسلموں کی [illegible] کے لیے ان کے [illegible]

[illegible] مراکز کے [illegible] کرتے رہے تھے۔ دوسری طرف کشمیر کے [illegible]

[illegible] میں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے، ان کے [illegible] کی [illegible]

[illegible] اور کشمیر [illegible] شیر سری نگر کے مسلمانوں کے سامنے [illegible]

[illegible] خون [illegible]

[illegible] کسی نے اس سے [illegible] پوچھا کہ [illegible] مسلمان [illegible]

[illegible] اگر [illegible] کی [illegible] خون کی [illegible]

پنڈتوں اور ڈوگروں کا بلیدان دیا جائے' جو غلام ہوتے ہوئے بھی علام تھے۔

علی الصبح جب کشمیر کے نیلگے حسن پر چھائے بدبختی کے کہرے کی چادر میں سے سورج کی لو رنگ کرنیں اپنا راستہ بنانے کی سرتوڑ کوشش کر رہی تھیں اور کسی مندر کا گھنٹہ دور دور سے بج کر فضا میں پھیلی نحوست کو چار چاند لگا رہا تھا تو سری نگر کے گنجان آباد علاقے ہری سنگھ ہائی اسٹریٹ میں بظاہر ایک بیکری کی دکان کے باہر ٹھٹھرتے تین کشمیری مجاہد اپنے سربلند عزائم کو عملی روپ دینے کے امکانات کا جائزہ لے رہے تھے۔ دکان کے دروازے پر بنا ایک چھوٹا سا چوکور لکڑی کا تختہ اٹھا کر کسی پر ٹکراتے پر پھیلی ہوئی گہری لکیروں تلے گھنی بھنوؤں میں دھنسی دو سرخ آنکھوں نے بیرونی ماحول کا جائزہ لیا۔ "نوواردوں" سے خفیہ الفاظ کا تبادلہ کیا اور مطمئن ہونے کے تھوڑی ہی لمحے بعد دروازہ کھول کر انہیں نگل لیا۔

☆○☆

پونچھ مجاہدین کے مکمل محاصرے میں تھا اور عملاً شہر میں انہی کی حکومت قائم تھی۔ صرف دفاعی نوعیت کے اہم مقامات اور جیل تھانے وغیرہ ابھی تک ڈوگرہ سامراج کی گرفت میں تھے۔

——— شہر کے عین وسط میں قائم ایک عارضی چھاؤنی کے باہر دو کشمیری گوجر جن کے کندھوں پر دودھ کے پیتل کے بڑے بڑے برتن رکھے تھے' آ کر ٹھہر گئے۔

"سلام صاحب جی———!" ممدو گوجر نے بیرل کے سامنے اونگھتے سکھ حوالدار کو مخاطب کیا۔

"او سنا بھئی ممدو۔ کیا حال ہے؟ دودھ میں پانی ڈالا یا ابھی ڈالے گا؟" پہرے پر موجود حوالدار نے حسب معمول رٹے رٹائے فقرے دہرائے۔

"مہاراج جی! ساری زندگی حرام نہیں کھایا۔ اب تو قبر میں ٹانگیں لٹک رہی ہیں۔" ممدو نے ہمیشہ والا جواب دہرایا۔

"اوئے یہ کون ہے تیرے ساتھ" حوالدار نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے اپنی اہمیت جتائی۔

"رشتے دار سردار جی اپنا۔ ادھر جموں میں تھا بے چارہ۔ میری طرح اکیلا ہی ہے۔ ڈر کر میرے پاس بھاگ آیا ہے۔"

ممدو نے بڑی عاجزی سے جواب دیا۔

ہوتے ادھر ہی کہیں مر کھپ جاتے۔ سالا اب ہمارا پاکستان بن گیا ہے' کہ یہ سکھ یہاں کیوں مرنے آ رہے ہیں۔ سیالکوٹ کیوں نہیں چلے جاتے؟" حوالدار کے ساتھ کھڑے سنتری نے مداخلت کی۔

ممدو نے محسوس کیا کہ اس کی بات سن کر حوالدار کو غصہ آیا۔ "سالا رہا ادھر کا ادھر ہی کمبخت نے کہا کر۔ فوجی بن فوجی اور انسان سکھ۔ جب افسر کسی سے بات کر رہے ہوں تو بیچ میں نہیں کیا کرتے——— میں نے بھی پندرہ سال فوجی نوکری کی ہے' جب کسی سے بات... اگر تیری سیاست بند نہ ہوئی تو سالے پنجو تنخواہ دوں گا۔ یاد رکھ———!" حوالدار نے سنتری کو اس بری طرح لتاڑا کہ اس کی گھگھی بندھ گئی۔

"شما کر دو حوالدار جی۔" اس نے کانپتے ہوئے ہاتھ باندھے۔

"جا یار ممدو۔ اس سالے براہمن کی اولاد نے تو سارے موڈ کا صبح ہی صبح بیڑا غرق کر دیا۔ جانے باقی سارا دن کیسے بسر ہو گا؟" سکھ حوالدار نے ممدو کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

"شکریہ سردار جی۔" امیر خان نے جو اس کے پیچھے تھا حوالدار کے قریب سے گزرتے ہوئے کہا جو سنتری کو رائفل سیدھی کر کے فوجیوں کی طرح پہرہ دینے کا حکم دے رہا تھا۔

ان کا رخ چھاؤنی کے میس کی طرف تھا۔ راستے کے دونوں اطراف میں فوجی ٹرک کسی بھی خطرناک اور ہنگامی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار کھڑے تھے۔ ان کے گرداگرد سردی سے ٹھٹھرتے ڈوگرہ فوجی اپنی رائفلیں دونوں ٹانگوں کے درمیان کھڑی کیے اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے کے ساتھ زور زور سے رگڑتے ہوئے ان میں سے گرمی پیدا کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

میس کے باہر ہی انچارج دوارکا داس اس کا منتظر تھا۔ "آؤ میاں۔ رات کیا حال تھی؟ آنکھیں بڑی چڑھی ہوئی ہیں۔" اس نے بغیر دعا سلام کے ممدو پر حسب عادت طنز کیا۔

"توبہ توبہ مہاراج جی!" ممدو نے دودھ کا برتن برآمدے میں رکھتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ "کس حرام شے کا نام لے دیا صبح ہی صبح۔ یہ تو ہمارا جموں سے آیا تھا بے چارہ۔ ادھر حالات ذرا خراب ہی ہیں۔ ہم دونوں رات گئے تک پرانی یادیں تازہ کرتے رہے۔ کافی دیر بعد سوئے ہیں نا۔" ممدو نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے امیر خان کے تعارف کے مرحلے سے بھی جان چھڑا لی۔

"ابے کیا بات کرتا ہے جموں کی؟ کس کی مجال ہے کہ وہاں سر اٹھائے؟ اپنی بھارتی سینا آ گئی ہے وہاں۔ وہ تو یہاں سالے مسلے اکڑتے پھرتے ہیں ورنہ تو سارے کشمیر میں———"

HBC

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر ممدو کے کندھے پر حسبِ عادت دور سے ہاتھ مارا اور کہ
بولا۔ "بس بیٹا! دو چار روز ہی کی بات ہے۔ پھر دیکھنا یہاں بھی فوج کے پہنچتے ہی سب سالے ٹھیک ہو جائیں گے۔"

ان لوگوں کو علم تھا کہ ممدو گوجر مسلمان ہے۔ وہ اسے کٹر نیشنلسٹ سمجھتے تھے اور بلا تکلف اس کے سامنے راز کی باتیں کر جاتے تھے۔ دوارکا داس نے بھارتی فوج کی آمد کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ان لوگوں کو علم تھا کہ مار دھاڑ کرتی بھارتی سیلاب پونچھ اور راجوری کے دروازوں پر دستک دے رہی تھی۔ وہ لوگ راستے میں اپنی پوزیشن مستحکم کرتے اور یورش کو کچلنے کے امکانات پر مکمل نظر رکھنے کے بعد ہی آگے بڑھتے تھے تاکہ ان کا عقب مجاہدین کے حملوں سے محفوظ رہے۔ جہاں کہیں بھی بھارتی فوج پہنچتی، سب سے پہلے وہ مقامی مسلمانوں میں سے سرکردہ اور پاکستان کے حامی افراد کو کسی نہ کسی بہانے ختم کر دیتی۔ اس کے بعد مضبوط مورچہ بندیاں قائم ہوتیں۔ مقامی نظم و نسق کا کنٹرول بھارتی فوج کا افسر سنبھالتا اور وہاں "مارشل لاء" کی سی صورت قائم کرنے کے بعد ہی وہ لوگ آگے بڑھتے تھے۔

دودھ ماپنے والا پیمانہ اور خالی برتن وہ لوگ کچن کے باہر برآمدے ہی میں لے آئے تھے۔ ممدو گوجر تو ان کے ساتھ باتیں کرنے لگا جب کہ امیر خان کی بے قرار نظروں نے ماحول کا گہرا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ اس کی بے چین نظروں کا فوکس جلد ہی کچن سے دس بارہ گز دور بنی کوٹھڑیوں کی اس قطار پر فکس ہو گیا جہاں مطلوب فوجیوں کو رکھا جاتا تھا۔ "اگر سجاول یہیں زیرِ عتاب ہے تو اسے اس وقت ان ہی کوٹھڑیوں میں سے کسی ایک میں ہونا چاہیے۔" اس نے سوچا۔

سنہرا اور سہما ہوا سورج اب پونچھ کی پہاڑیوں اور مرغزاروں پر کرنیں بکھیرنے لگا تھا۔ برآمدے کے سامنے سورج کی پہلی کرنوں کا رقص جاری ہو چکا تھا۔

"بھائی صاحب ـــــ!" ممدو گوجر نے اچانک گھوم کر امیر خان کو مخاطب کیا۔ "یہاں پالے میں کھڑے کیوں اپنی قلفی جما رہے ہو، وہاں سامنے دھوپ میں جا کر بیٹھ جاؤ۔ ابھی لالہ جی چائے پلاتے ہیں۔ وہیں دھوپ میں بیٹھ کر پئیں گے۔ بڑا لطف رہے گا کیوں لالہ جی مہاراج ـــــ!" اس نے دوارکا داس کی طرف دیکھ کر خوامخواہ دانت نکال دیے۔

"تم لوگوں کی مانگنے کی عادت نہ گئی۔" دوارکا داس نے باورچی خانے میں کسی کو آواز دے کر ان کے لیے چائے لانے کو کہا۔ اس کے طنز کی کاٹ بڑی گہری تھی، لیکن کیا مجال جو

ایک شکن بھی کہیں ممدو یا امیر خان کے ماتھے پر نمودار ہوئی ہو ـــــ دونوں "بے شرمی" سے دانت نکال رہے تھے۔

پھر ممدو تو لالہ دوارکا داس کے ساتھ پیسے کا جوڑ توڑ کرنے لگا اور امیر خان آہستہ آہستہ کوٹھڑیوں کے آگے پھیلی دھوپ کی طرف چلنے لگا۔ دن کا اجالا پھیلنے اور "ناشتے" کا وقت ہونے کی وجہ سے اسے اپنے قرب و جوار میں کہیں گارڈز کا دکھائی نہ دے رہا تھا۔ شاید ان لوگوں کو کم از کم یہاں کسی "غیر معمولی صورتِ حال" کے وقوع پذیر ہونے کا یقین نہیں تھا۔

کوٹھڑیوں سے کچھ فاصلے پر فوجی ضرور آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے، لیکن اس طرف کسی کا دھیان نہیں تھا۔ امیر خان بڑی بے تابی سے اس احاطے میں گھسنے کے مواقع تلاش کر رہا تھا، لیکن کوئی بہانہ ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ کسی بھی وقت کسی کے اس طرف آ نکلنے سے اندر داخل ہونے اور کوٹھڑیوں میں جھانک کر دیکھنے کے تمام مواقع ضائع ہو جاتے اور تیزی سے بدلتی صورتِ حال کے پیشِ نظر کسی بھی گھڑی کچھ بھی وقوع پذیر ہو سکتا تھا۔ "پھر خدا جانے ایسا موقع میسر بھی آئے گا یا نہیں۔" وہ بڑی شش و پنج میں تھا۔

سامنے برآمدے میں اسے ممدو گوجر کا قہقہہ سنائی دیا۔ وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں دوارکا داس کا دھیان اسی طرف لگائے رکھنے پر صرف کر رہا تھا۔ محض ایک لمحے کے لیے امیر خان نے کچھ سوچا، پھر اس کے قدم بے اختیار اسی کوٹھڑیوں والے احاطے کی طرف اٹھ گئے۔

اس احاطے کے تین اطراف میں کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ سامنے کی سمت اندر جانے کا راستہ ہونے کی وجہ سے خالی تھا اور وہاں دروازہ نام کی کوئی شے نظر نہیں آ رہی تھی۔ پہلے شاید یہ کوٹھڑیاں گھوڑوں کے اصطبل کا کام دیتی ہوں گی، لیکن اب ڈوگرہ فوج نے انہیں "کوارٹرز" میں بدل دیا تھا اور یہ سیل سزا یافتہ قیدیوں کے لیے مخصوص ہو گئے تھے۔

امیر خان نے ازار بند ڈھیلا کر لیا تھا اور بظاہر وہ پیشاب کرنے کے ارادے سے اس طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے دونوں طرف بنے دس سیلوں میں سے نو خالی تھے، آخری سیل جو ایک قطار کے کونے پر بنا تھا، وہیں امیر خان کی مراد بر آئی، جب سجاول کو اس نے کوٹھڑی کے ایک کونے میں دیوار سے ٹیک لگا کر سر جھکائے بیٹھے دیکھا۔

ـــــ اس کے ہونٹ تشدد کی وجہ سے کئی جگہ سے پھٹ گئے تھے اور ہونٹوں کی سطح پر بعض جگہ اب بھی سیاہ رنگ کے خون کے دھبے جمے صاف نظر آ رہے تھے ـــــ چہرے

پر پڑے نیل اب سرخی مائل سے سیاہی مائل ہو رہے تھے اور چہرے کی سوجن اور ورم کی وجہ سے اپنی آنکھیں بھی زور لگا کر کھلی رکھنی پڑتی تھیں۔ کپڑے چیتھڑوں کی شکل میں اس پر لٹک رہے تھے۔ اس کے چہرے پر چھائی وحشت پر نظریں ٹھہرتی نہیں تھیں، لیکن اس کی آنکھوں کی چمک ابھی ماند نہیں پڑی تھی، جوں کی توں باقی تھی۔

"سجاول!" امیر خان کراہا۔

سجاول اس کی آواز پر چونکا اور اسے یوں آنکھیں مل کر دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر کسی نہ کسی طرح گھسٹتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔ "خدائے بزرگ و برتر کی قسم، میجر رام سنگھ پر ایسی "صاعقہ" گرے گی کہ اس کے گھٹیا عزائم سمیت اسے بھسم کر ڈالے گی۔" اس نے سجاول کے نزدیک آتے ہی کہا۔ "صاعقہ" دشمن کا مقدر ہے۔ سجاول کے لہجے کا وقار بھی اس کے عزم کی طرح قائم دائم تھا۔

بمشکل ایک منٹ کے بعد ہی دونوں میں ایک منصوبہ طے پا چکا تھا۔

——— گفتگو کے خاتمے تک امیر خان نے شلوار کا ازار بند ہاتھوں میں پکڑے رکھا تھا۔ پھر وہ اسی پوزیشن میں آگے بڑھ گیا اور جب وہ فراغت پا کر کھڑا ہوا تو ایک سنتری اس کی طرف رائفل تانے اسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

☆○☆

جنرل طارق رکنے یا افسوس کرنے کا قائل نہیں تھا۔ وہ رات کے دوسرے ہی پہر ہلہ مولا سے روانہ ہو گیا۔ اس کی گاڑی کا رخ سری نگر کی طرف تھا جہاں اب قبائلیوں نے مورچے شروع کر دیئے تھے، لیکن بہت وقت ضائع کرنے کے بعد۔

بریگیڈیئر سین کی قیادت میں بھارتی پلٹنیں دھڑا دھڑ کشمیر میں اترنا شروع ہو گئی تھیں۔ کشمیر تک زمینی راستے سے آنے کا معاملہ ہوتا تو شاید وہ لوگ کبھی اتنی جلدی کامیابی حاصل نہ کر پاتے، لیکن پاکستان کے برعکس بھارت کے حصے میں ایک مضبوط، منظم اور مکمل ایئرفورس آئی تھی۔

رائل انڈین ایئرفورس بظاہر تو برطانوی ہوائی فوج کا بیڑہ تھا، لیکن ۱۹۴۵ء کے بعد سے ہندوستان کی حد تک اس پر عملاً حکمرانی بھارتی غیر مسلموں کی تھی۔ مسلمان کے نعرۂ پاکستان نے جب حقیقت کا روپ دھارنا شروع کیا تو جہانگیر کی روحانی اولاد نے اسی وقت سے اس مسلم مملکت کی تباہی کا سامان کرنا شروع کر دیا تھا جو ابھی وجود میں بھی نہیں آئی تھی۔

ایک سازش کے تحت جس میں ان لوگوں کو فرنگیوں کی مکمل آشیرواد حاصل تھی،

ہندوستان بھر کے قریباً تمام ایئر ہیڈ کوارٹرز، سگنلز یونٹس اور برانچ کے افسران اور ملازمین کے لیے میں دے دیئے گئے۔ تمام ہندو افسران نے اس بات کا ... کیا کہ مسلمان کو پائلٹ نہیں بننے دیں گے۔ اگرچہ افسران ... تھی۔ ۱۹۴۰ء تک ایئرفورس کے تمام شعبوں میں ایئرمینوں سے لے کر ایک ... حالت ہو کر آتا تھا، لیکن ۱۹۴۶ء میں جب مسلم لیگ نے ... کو بھی اس بات کا یقین ہو گیا کہ پاکستان بن کر رہے گا تو ہندو افسران نے ... دھمکی دے کر اپنے لیے "جھٹکے کا گوشت" منگوانا شروع کر دیا۔ اس بات پر احتجاج کرنے والے مسلمان ایئرمینوں کا کورٹ مارشل ہوا اور ان میں سے بیشتر کو نوکری سے باہر کر دیا گیا۔

برصغیر میں فضائی تربیت کے لیے دو مراکز قائم کیے گئے۔ ابتدائی تربیت کے لیے انبالہ اور اعلیٰ تربیت کے لیے جودھ پور۔ تقسیم ملک کے بعد یہ دونوں فضائی تربیتی مراکز بھارت کو مل گئے جہاں ٹریننگ سے متعلق تمام ضروری اور جدید ترین آلات موجود تھے۔

ایک سازش کے تحت قریباً تمام اہم اسکواڈرن بھارتی ہوائی اڈوں پر منتقل کر دیئے گئے تھے۔ ابتدا میں پاکستان کو چند ٹیسٹ طیارے دے کر ٹرخا دیا گیا۔ ٹیکنیکل اسٹاف نہ ہونے کے برابر تھا۔ پاکستان کے حصے میں آنے والے ایئرفورس کے ملازمین کی زیادہ تعداد کو جنوبی ہند کے دور دراز اسٹیشنوں پر ڈیپوٹ کر دیا گیا تھا اور ملک تقسیم ہوتے ہی ان کی حالت ایسی ہو گئی کہ پاکستان تک زندہ سلامت پہنچنا بھی ان کے لیے مسئلہ بن گیا تھا۔

سوائے پشاور کے جہاں مسلمان افسران زیادہ تعداد میں تھے، باقی تمام فضائی اڈوں مثلاً ماڑی پور، ڈرگ روڈ، چک لالہ، رسالپور وغیرہ ویران پڑے تھے۔ وہ ATC (ایئر ٹریفک کنٹرول) بلڈنگیں یا ایک آدھ ناکارہ طیارہ ہی چند ایسی نشانیاں رہ گئی تھیں جو ان کے "ایئرفورس اسٹیشن" ہونے کی نشاندہی کرتی تھیں۔ روانگی کے وقت غیر مسلم ایئرمین طیاروں کے سپیئر پارٹس نکال کر انہیں اپنے ساتھ ہی بھارت لے گئے تھے۔ اس طرح انہوں نے یہاں بچ جانے والے جہازوں کو عملاً ناکارہ کر دیا اور جو انجن صحیح سلامت بچے، انہیں وہ لوگ جاتے جاتے کباڑیوں کے ہاتھ فروخت کر گئے۔

اب صورت حال یہ تھی کہ مضبوط ہوائی اڈے، تربیتی مراکز، ہوا باز اور طیارے منظم اور مضبوط نظام کے ساتھ بھارتی فضائیہ کے پاس موجود تھے۔ کشمیر میں "مداخلت" کا بہانہ ہاتھ آتے ہی ونگ کمانڈر مہر سنگھ تمام بھارتی فضائیہ کو حرکت میں لے آیا اور ونو ہیگل ڈکوٹا

جہازوں میں بھر بھر کر بھارتی ہولناز اپنی آرمی کو سری نگر اور جموں پہنچانے لگے۔ ان فوجی بردار طیاروں کی حفاظت کے لیے اس دور کے لڑاکا طیارے ہری کین اور اسپٹ فائر بھی ان کے ساتھ ساتھ پرواز کیا کرتے تھے۔

ایک طرف تو ایئرفورس نے باربرداری کا ذمہ اٹھایا اور دوسری طرف وہ لوگ اپنی تمام تر قوت کے ساتھ میدان جنگ میں کود پڑے اور ان کی "ناقابل علاج" بمباری نے قبائلیوں کے قدم روک دیئے۔ ان کی دیدہ دلیری کا یہ عالم تھا کہ یہ لوگ اکثر گجرات کے نواحی علاقوں بلکہ مری تک پر بمباری کر کے چلے جاتے تھے۔ ہمارے پاس اول تو ان کے مقابلے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ اگر پاس کچھ تھا تو پاکستان ایئرفورس ان کے خلاف کسی کارروائی میں حصہ نہیں لے سکتی تھی کیونکہ اس سلسلے میں حکومت کے دو ٹوک اور سخت احکامات موجود تھے۔

جنرل طارق کی موجودگی بارہ مولا میں کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ انہیں علم تھا کہ مقامی غداروں نے یہ اطلاع آگے پہنچا دی ہو گی اور صبح ہوتے ہی بھارتی فضائیہ کے طیارے چیلوں کی طرح آسمان کو بھر دیں گے اور وہ جنرل کو مارنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے، لیکن سری نگر تک پہنچنا ان کے لیے بہت ضروری تھا کیونکہ ابھی تک محاذ کی صورت حال صرف کانوں سنی تھی، آنکھوں سے وہ اب دیکھنے جا رہے تھے۔

رات کے دوسرے پہر وہ سری نگر سے دس میل دور مجاہدین کی ایک چوکی کے پاس رک گئے۔ جہاں قبائلی مجاہدین اگلے روز علی الصبح حملے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ یہیں پہنچ کر جنرل کو "اندرون خانہ" حالات کا علم ہوا اور اس تلخ حقیقت کا ادراک بھی کہ اب قبائلی مجاہدین کا مقابلہ ڈوگرہ فوج سے نہیں بلکہ بھارتی مسلح افواج سے ہے جس نے ہوائی اڈے اور سری نگر شہر کے گرداگرد مضبوط مورچہ بندیاں کر لی ہیں۔

جنرل نے وہاں رک کر وقت ضائع کرنے کی بجائے آگے سفر کرنے کا قصد کیا اور صبح طلوع ہونے سے پہلے وہ چوتھے سنگ میل پر کھڑے تھے جہاں سے سری نگر صرف چار میل دور تھا۔

سڑک کے گرداگرد بھارتی فوج نے مورچے سنبھال لیے تھے۔ ان لوگوں نے قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کر کے مورچے قائم کر لیے تھے۔ بڑا خطرہ انہیں سری نگر کے اندر سے حملے کا تھا، لیکن اس طرف سے شیخ عبداللہ نے انہیں مکمل اطمینان دلا رکھا تھا اور اپنے عقب کے اس طرح محفوظ ہونے سے بھارتی فوج کا مورال آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا تھا۔

قبائلیوں نے سری نگر پر بجائے سامنے سے حملہ کرنے کے دائیں بائیں پہلو سے داخل

ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا اور انہوں نے یہ طریقہ اپنایا بھی، لیکن قدرت بھی شاید اور مسلمانوں کو سری نگر کے مضافات میں کھڑے پل نے ان کا راستہ روک لیا۔ اس طرح دشمن کو ایک قدرتی آڑ میسر آ گئی۔ مجاہدین پیچھے ہٹ گئے اور انہوں نے ایک احمقانہ قدم اٹھایا۔ وہ ایک بھارتی فوج کے ہاں سامنے سے حملہ آور ہوئے، لیکن سامنے سے آنے والے مزار اور مشین گن کے فائر نے اور پیچھے سے آنے والے توپ خانے کی گولہ باری نے ان کے اس حملے کو بری طرح ناکام بنا دیا۔

جنرل طارق آنکھوں سے دوربین لگائے ایک قدرے محفوظ آڑ میں کھڑے میدان کارزار کا جائزہ لے رہے تھے۔ انہوں نے قبائلی مجاہدوں کے لڑنے اور بھڑنے کے کئی مظاہرے اس سے پہلے بھی دیکھے تھے، لیکن آج ان کے انداز ہی نرالے تھے۔ اپنے اسلاف کی روایت دہرانے کے لیے وہ جان سے بھی گزر رہے تھے۔

عین ان لمحات میں جب قبائلی مجاہدین پسپائی اختیار کر رہے تھے اور سورج سری نگر کی پہاڑیوں پر ابھی بکھیر رہا تھا۔ ہوائی اڈے کی طرف سے "ٹیمپسٹ" اور "اسپٹ فائر" نمودار ہوئے۔ ونگ کمانڈر مہر سنگھ بذات خود اس حملے کی قیادت کر رہا تھا۔ اس کے علم میں یہ جنرل طارق کی موجودگی آ چکی تھی اور اس بات کا علم بھی اسے تھا کہ جنرل کے اپنے بھی اس کی مدد کو نہیں آئیں گے اور یہاں موجود قبائلیوں کی تھری ناٹ تھری کی رائفلیں یا ایک آدھ مشین گن ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔

اس نے فتح کے نشے کو دوآتشہ کرنے کے لیے بیک وقت قبائلیوں اور جنرل طارق کے مشترکہ شکار کا فیصلہ کر لیا تھا اور اب اپنے اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے باقی ساتھیوں کے ہمراہ حملہ آور ہوا تھا۔ جنرل طارق نے کسی محفوظ مقام تک پہنچنے کے لیے وہاں سے بارہ مولا کی طرف لوٹ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور ابھی وہ اپنی جیپ کے نزدیک ہی پہنچے تھے جب آسمان بھارتی طیاروں کی چنگھاڑ سے لرزنے لگا۔

ونگ کمانڈر مہر سنگھ نے شاید ان کی جیپ پہچان لی تھی اور وہ پیش آمدہ فتح کے نشے سے سرشار اب خاصی نیچی پرواز کرتا جیپ پر راکٹ پھینکنے آ رہا تھا۔

جنرل کے لیے یہ کوئی نیا کھیل نہیں تھا۔ محض چند لمحوں میں وہ تیار ہو چکے تھے۔ انہوں نے طیاروں کی آواز سنتے ہی جیپ سے باہر چھلانگ لگائی اور ڈرائیور کو جیپ بھگا لے جانے کا حکم دیا۔ خود وہ لڑھکنیاں کھاتے نزدیکی درختوں کی طرف جا رہے تھے۔

ونگ کمانڈر مہر سنگھ کا طیارہ اپنے پیچھے گولیوں کی قطار بناتا جیپ پر آ رہا تھا۔ ڈرائیور نے

اسے نزدیک آنے کا موقع دیئے بغیر ایک جھٹکے سے موڑ کاٹا اور جیپ کو اچانک دوسری … سے بائیں طرف گھما دیا۔ مرسنگھ چکرا گیا۔ اس کو سامنے کی جانب … پہاڑی اچھلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اپنے بائیں ہاتھ کی اسٹک کو اس نے یک دم … جھٹکے سے اوپر اٹھانا چاہا۔ طیارے کا منہ اوپر کو اٹھا اور اٹھا ہی رہ گیا۔ پہاڑی کی … ایک قبائلی مجاہد جانے کب سے اس "ساعت" کا منتظر تھا۔ اس کی رائفل کی … بیک وقت اسکرین سے ٹکرائیں، جن سے وہ اسکرین کو توڑ کر مرسنگھ کے جسم میں پیوست ہو گئیں۔

دماغ میں پھٹنے والی گولی نے اس کا سر توڑ دیا اور بھارت کا مایہ ناز ونگ کمانڈر جو کشمیر پر ایئرفورس کا حملہ کر کے اسے مظلوموں کے ہاتھ جانے سے بچا لیا تھا … انجام دیئے بغیر اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ "لیڈر" کی موت نے "فارمیشن" کے باقی طیاروں … ٹوٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی جنرل طارق چھلانگ لگا کر جیپ میں جا بیٹھا۔ انہوں نے ڈرائیونگ سیٹ خود سنبھالی تھی اور روانگی سے پہلے اس بات کا بخوبی اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر کسی بھی طرح وہ چند بکتربند گاڑیاں یہاں تک لے آئیں اور ان میں سوار کر کے مجاہدین کو سری نگر میں داخل کر دیں تو شاید تاریخ کا دھارا اپنا رخ بدل لے۔ انہیں … صورت میں یہ بکتربند گاڑیاں حاصل کرنا تھیں اور یہی ارادہ لے کر وہ راولپنڈی کی طرف اڑے چلے جا رہے تھے۔

☆○☆

نبی خان نے بذات خود ان کا استقبال کیا تھا۔ اس نے ان پچاس مجاہدین کو "ہوم گارڈ" کے لبادے میں جموں تک پہنچانے کا بندوبست کر رکھا تھا۔ اس سلسلے میں ایک پلان اس نے حسین خان کے سامنے رکھ دیا۔ ان لوگوں کو اب دو حصوں میں بٹ کر سفر کرنا تھا۔

نبی خان کی مسحور کن شخصیت کا جادو شیرو پر چل چکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اب دور دور تک نیند کا نام و نشان بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ نبی خان نے بالآخر اسے "معاہدہ" سے متعارف کروا دیا تھا اور تین گھنٹے کی مسلسل گفتگو کے بعد جب دوسری طرف حسین خان ایک بھرپور نیند سے لطف اندوز ہو کر اب بیدار ہو چکا تھا، شیرو نے "معاہدہ" کے … نئے … اختیار کر لیا تھا۔ اسے مرعوب کرنے کے لیے یہی بات کافی تھی کہ حسین خان نمبر ۱ … پر جان نثار ہے جس نے آج تک اپنی وابستگی کا کسی کو شک بھی نہیں ہونے دیا تھا۔ "… اب تم آرام کرو۔" نبی خان نے اسے کہا۔ "ہم … سے …"

… نہیں تھے۔

… "امراؤ محل" تک ہو آؤں۔ ایک … دیکھ آؤں گا۔" حسین خان نے … تمہاری مرضی۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا … اور … تک ہر صورت میں لوٹ آنا۔" … کہہ کر حسین خان باہر نکل آیا۔

ان دنوں امراؤ محل کے بازاروں میں یہ بات عام تھی کہ … وزارت عظمیٰ کے عوض کشمیر کو بھارت میں ضم کرنے … کوشش تھی کہ شیخ کے لیے … حسین خان امراؤ محل کے قہوہ خانے میں بیٹھ … مسلمانوں کے لیے اب اس کے سوا اور کوئی مشغلہ باقی نہیں رہا تھا … خبریں سن کر اپنا دل جلایا کریں۔

… کے خاتمے پر حسب معمول قہوہ خانہ سیاسی آماجگاہ بن گیا … حسین خان … سے قہوے کی پیالی لگائے بیٹھا تھا، لیکن اس کا دھیان لوگوں کی گفتگو کی طرف تھا … وہ چونک … ہوٹل کے دروازے سے اس کا دیرینہ رفیق قیوم احمد داخل ہو رہا تھا جو … سی۔آئی۔ڈی کے لیے اچھے خاصے کارنامے انجام دیئے تھے اور جو حسین خان کی اصلیت سے بھی واقف تھا۔

حسین خان جانتا تھا کہ یہاں ہوٹل میں بھی یقیناً اس کے ساتھی موجود ہوں گے … خصوصاً سری نگر میں ایسے حالات پر کڑی نظر رکھی جاتی تھی۔ اس نے چاہا کہ قیوم کی نظریں بچا کر نکل جائے اور اس ارادے سے وہ اٹھا اور ہوٹل کے کاؤنٹر کی طرف چلا … لیکن ابھی وہ کاؤنٹر پر پیسے دے کر گھوما ہی تھا کہ قیوم کی نظریں اس سے ٹکرا گئیں۔

"تم یہاں بھی آ گئے۔" حیرت اور غصے کے ملے جلے جذبات سے قیوم … مخاطب ہوا۔ "اب زیادہ چالاکی نہ دکھانا۔" اس نے اپنے ہولسٹر پر ہاتھ ڈالتے ہوئے حسین خان کو حکم دیا۔

حسین خان کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ محض ایک لمحے کی غفلت بھی اسے لے ڈوبے گی۔ اس نے قیوم کو ہولسٹر میں ہاتھ ڈالتے دیکھ لیا تھا۔ یہاں بھی وہ … سے رہا۔

ـــــ بجلی کی سی پھرتی سے حسین خان نے اپنی چادر میں ہاتھ ڈالا اور حیرت سے قیوم کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں' جب اس نے اپنے سینے کی طرف پستول کی نال اٹھی دیکھی۔ دوسرے ہی لمحے یکے بعد دیگرے دو شعلے اس کی طرف لپکے۔ حسین خان کے ارادے کے متعلق دم توڑتے قیوم کو کوئی غلط فہمی نہ تھی۔ خود حسین خان بھی جانتا تھا کہ ایک گولی ہی اس کے انجام کو کافی ہے' لیکن وہ قیوم کو اتنی مہلت بھی دینے کے لیے تیار نہ تھا کہ وہ مرتے مرتے بھی اس کا نام لینے کے قابل رہ جائے۔ اس نے قیوم کے دل کا نشانہ لیا تھا اور یکے بعد دیگرے دونوں گولیاں ایک دوسرے کے تعاقب میں ایک دوسرے سے محض دو انچ دور لگی تھیں۔ آخری میز کے کونے میں بیٹھے قیوم بٹ کے دونوں ساتھیوں نے ریوالور نکالے' لیکن انہیں اپنے ریوالور استعمال کرنے کا موقعہ ہی نہ ملا کیونکہ اسی کمرے میں داخلے کے دروازے سے لگے ایک شخص نے کسی میکانکی عمل کے تابع ایک ساتھ ہی ان پر گولیاں برسائیں تھیں۔ دونوں کچھ کرنے کی حسرت دل ہی میں لیے ٹھنڈے پڑ گئے۔ "حملہ آور" حیرت زدہ اور سہمے ہوئے لوگوں کو کچھ سوچنے یا کرنے کا موقع دیئے بغیر بڑی پھرتی سے باہر نکلا اور ہجوم میں غائب ہو گیا۔

یہ نبی خان تھا جو حسین خان کی مسلسل نگرانی کر رہا تھا۔

فائرنگ کی آواز پر لوگ ادھر متوجہ ہوئے۔ انہوں نے پستول ہاتھ میں پکڑے کسی کو بازار میں بھاگتے دیکھا ـــــ لیکن یہ سارا معاملہ پلک جھپکتے ـــــ ہی رونما ہو گیا تھا اور ان پر اتنی دہشت طاری ہو گئی تھی کہ کسی نے قاتل کا تعاقب کرنا تو ایک طرف رہا سی۔آئی۔ڈی کے دم توڑتے انسپکٹر ـــــ قیوم تک پہنچنے کی زحمت تک گوارا نہ کی اور پھر ہوٹل کا مالک ہی جرأت کر کے اٹھا۔

وہ قیوم کی سرکاری حیثیت سے واقف تھا۔ اس نے مزید ہمت کا مظاہرہ کیا اور قیوم پر جھک کر اسے اٹھانا چاہا۔ قیوم کی نیم مردہ آنکھوں نے جب ایک سائے کو خود پر جھکتے دیکھا تو اس کے منہ سے بمشکل "ح .... ح ...." ہی نکل پایا اور اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

حسین خان اس کا انجام دیکھنے کے لیے وہاں رکا نہیں تھا۔ قہوہ خانے کے گرد اکٹھے ہوئے ہجوم میں سے وہ بڑی تیزی سے راستہ بناتا بیکری کی دکان کی طرف اڑا چلا جا رہا تھا اور جب وہ بیکری کی دکان تک پہنچا تو نبی خان اور شیرو کو اپنا منتظر پایا۔

"تمہاری خبر تم سے پہلے ہی تیز رفتاری سے چل کر ہم تک پہنچ گئی حسین

خان ـــــ!" نبی خان نے اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی کہا۔

"الحمد للہ کہ ـــــ ایک غدار تو اپنے انجام کو پہنچا۔" حسین خان نے اپنے کندھے پر پڑی چادر کو ایک طرف رکھا اور سکون کی لمبی سانس لی۔

"انسپکٹر قیوم ہماری لسٹ میں تھا حسین خان۔" نبی خان نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "جلد یا بدیر اس کو اپنے انجام تک پہنچنا ہی تھا۔"

"بس تم جلد باز ہو۔" شیرو قریب ہی سے بولا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اب یہاں سے اٹھنا چاہیے۔ سی۔آئی۔ڈی انسپکٹر کی موت ان لوگوں کو چوکنا کر دے گی۔ ایک لحاظ سے تو یہ اچھی بات ہے کہ دشمن خوف زدہ ہو جائے' لیکن اس طرح بھارتی فوج ہوشیار ہو جائے گی۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔" حسین خان بولا۔

تھوڑی دیر بعد ہی تینوں ایک دوسرے کے تعاقب میں بیکری کی دکان سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے اپنے چہرے سردی کے بہانے تقریباً ڈھانپ رکھے تھے۔ ان کی منزل سری نگر ہی کا ایک اور محلہ تھا جس کے ایک محفوظ مکان میں "کشمیر ہوم گارڈز" کے افسران کی وردیوں میں ملبوس تین سرفروش ایک پلاننگ کے تحت حسین خان اور شیرو کا انتظار کر رہے تھے۔

سورج ڈھلنے سے پہلے ہی وہ لوگ ایک فیصلے پر پہنچ چکے تھے۔ رات کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے پونچھ سے آنے والے مجاہدین مختلف ٹولیوں کی شکل میں ہوم گارڈز کا روپ دھارے اپنے کمانڈر کے حکم کے منتظر سری نگر شہر میں موجود تھے۔

ان لوگوں کو تین مختلف ٹولیوں میں بٹ کر جموں کی طرف سفر کرنا تھا۔ وہ ہوم گارڈز کی جس کمپنی میں شامل ہوئے تھے' اسے جموں سے کچھ پیچھے ہی بنوٹ نامی ایک صحت افزا قصبے میں پہنچ کر اپنی ذمے داریاں سنبھالنی تھیں۔ یہاں سے ان لوگوں کو "امن و امان" قائم کرتے ہوئے جموں تک پہنچنا تھا۔

اگلے روز علی الصبح شیرو اپنے دس ساتھیوں کے ہمراہ ایک ٹرک میں بانہال کے سلسلہ ہائے کوہ کی طرف جا رہا تھا ـــــ ان کی کمانڈ ایک ڈوگرہ صوبیدار کے ہاتھ میں تھی اور ان لوگوں کو بنوٹ جا کر اپنی ذمہ داریاں سنبھالنی تھیں۔ حسین خان اس سے الگ ایک گروپ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔

[illegible] بولا۔" مرد نے [illegible] کہا۔

[illegible] کی [illegible] کے بعد [illegible] اس کی [illegible]

[illegible] ہو گی [illegible] کے علاوہ کی [illegible]

[illegible] ہو گی۔ ہم [illegible] کی [illegible] امیر خان کا ہاتھ [illegible] ہوئے کہا۔

دونوں اب جھونپڑی کے دروازے سے باہر نکل آئے تھے اور ان کا رخ مرد گوجر کے گھر کی طرف تھا۔

جیپ بڑی تیزی کے ساتھ ان کے قریب سے گزری تھی اور پھر [illegible] چرچرانے کی آواز سے دونوں ہی دہل کر رہ گئے۔ انہوں نے [illegible] سوار ہوتے اور اپنی طرف آتے دیکھا۔

اگر امیر خان اپنے ہوش و حواس قائم رکھ کر اچانک ہی پیچھے نہ ہٹ جاتا تو جیپ اسے کچل کر رکھ دیتی۔ اس نے دونوں کے پاس آ کے جیپ لا کر اس طرح کھڑی کی کہ ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھے میجر رام سنگھ سے ان کا فاصلہ بمشکل دو تین گز ہی رہ گیا تھا۔ رام سنگھ کی شکل پر نظر پڑتے ہی مرد گوجر کا ہاتھ پہلے تو ماتھے تک گیا پھر اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

"ست سری اکال سردار صاحب۔" وہ میجر رام سنگھ کو سردار صاحب ہی کہا کرتا تھا۔ امیر خان نے بھی اس کی تقلید میں یہی عمل دہرایا۔

"یہ کون ہے؟" میجر رام سنگھ کی آواز میں نہ جانے کیا بات تھی کہ مرد گوجر کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسناہٹ تیزی سے دوڑ گئی۔

"بھائی ہے میرا سردار صاحب۔" اس نے اپنا لہجہ حتی المقدور ہمت کر کے نارمل رکھا۔

"پہلے کبھی دیکھا نہیں۔" رام سنگھ نے اب اپنی نظریں امیر خان کی طرف [illegible] کنکھیوں سے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یہ جموں میں رہتا تھا میجر صاحب جی۔" مرد گوجر کے حواس قائم تھے۔ "سب [illegible] کے بعد میرے پاس آ گیا ہے۔ اب یہی دودھ لے کر آیا کرے گا مہاراج جی۔ میں تو [illegible] ڈنگر کی سیوا ہی کیا کروں گا۔ اسی لیے اسے لنگر خانہ دکھانے لایا تھا۔"

میجر رام سنگھ کے متوقع سوالوں سے بچنے کے لیے مرد نے اپنی ذہنی پیش بندی کر لی تھی۔

"ہوں——!" رام سنگھ نے ہنکارا بھرا۔ "اس کے بیوی بچے کہاں ہیں؟"

"میری طرح چھڑا چھانٹ ہے ملکی باپ۔ ہم غریب لوگ شادیاں کہاں کر سکتے ہیں حضور۔ دو وقت کی اپنی ہی روٹی پوری ہو جائے تو لاکھ شکر ادا کرتے ہیں مولا کا۔" مرد کی زبان قینچی کی طرح چلنے لگی۔

میجر رام سنگھ نے ٹکٹکی باندھ کر اسے گھورا، پھر کچھ کہے سنے بغیر اسی آندھی اور طوفان کی سی رفتار سے جیپ آگے بڑھا لے گیا۔

HBC

سلگتی آہیں

دونوں ایک تہ خانے میں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے۔ لالٹین کی روشنی نے ماحول کی پراسراریت کو دوچند کر دیا تھا۔

----پچھلے دو روز سے زہراں نے بمشکل اس سے دو تین فقرے ہی کہے تھے۔ اس نے مسلسل خاموشی اختیار کر رکھی تھی اور شرفو سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اسے کیسے بہلائے۔

اس کے دوست نے زہراں کی ذمے داری سونپ کر دراصل شرفو کو زبردست امتحان میں ڈال دیا تھا۔ پہاڑی سلسلے سے یہاں تک کا سفر اس کے لیے طلسمات کا سفر تھا۔ اس مختصر سے سفر میں اس کو اسرار و رموز کے کئی جہانوں سے آگاہی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے اس کی زندگی کا مقصد صرف تعلیم حاصل کرنا اور پھر کشمیر کو آزاد کروانا ہی تھا۔

لیکن آج----!

آج جب اس نے زہراں کو اتنے قریب سے دیکھا تو لاکھ ضبط کے باوجود وہ بے خودی کی سی کیفیت میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے بہت عرصہ پہلے ایک دفعہ زہراں کو دیکھا تھا' تب تو وہ ایسی نہیں تھی۔ نہ اسے دیکھ کر یوں کبھی شرفو کو اپنے خون کی گردش رکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے اس جذبے کو کن معنوں سے تعبیر کرے۔

کیا وہ زہراں کی محبت کا اسیر ہو گیا ہے؟ یہ خیال ہی اس کے لیے اتنا وحشتناک تھا کہ اس کے لیے اس مفروضے پر سوچنا ہی عذاب دہ تھا۔ شرفو نے چاہا کہ کسی طرح بھی اس خیال کو ذہن سے جھٹک کر باہر نکال دے' لیکن جب کبھی اس نے یہ ارادہ کیا' ایک صدا اس کے اندر سے اٹھتی جو اسے منافق اور جھوٹے ہونے کا طعنہ دینے لگتی۔

----زہراں اس کے دوست کی منگیتر تھی۔ وہ دوست جس نے شرفو کے لیے کبھی جان سے گزر جانے میں بھی بخل کا مظاہرہ نہ کیا تھا۔ ایک ایک کر کے اسے تمام گزرے واقعات یاد آنے لگے تھے اور یہ کوئی بہت پرانی بات بھی نہیں تھی' کل ہی کی بات تو تھی۔

"کیا میں اتنا کمزور انسان ہوں کہ انسانیت کی سطح سے بھی نیچے گر کر رہ گیا ہوں؟" اس

HBC

نے سوچا اور اسے خود پر رحم آنے لگا۔ ۔۔ اسے خود سے ایک لمبی اور کل لڑائی لڑنی تھی لیکن [illegible]
من تھا کہ اسے کسی پل چین ہی نہیں لینے دیتا تھا۔
"میں ہر بلاؤں کا' خود کو گولی مار لوں گا لیکن یہ شیطانی جذبہ بھی مجھ پر غالب نہ آنے دوں
گا۔" اس نے اپنے آپ کو کوسا اور وہاں سے اٹھ کر باہر آ گیا۔
"یہاں ان لوگوں کا قیام تھا۔ یہ جگہ ابھی تک اس لیے محفوظ تھی کہ جنگ کا دائرہ ابھی
محدود تھا' لیکن کسی بھی لمحے لڑائی یہاں تک پھیل سکتی تھی۔ نورولی نے حسین خان کی
خصوصی ہدایت کے پیش نظر اس بات کا خیال رکھا تھا کہ شرفو کو کسی "حساس مقام" پر جانے
سے بچایا جائے۔ اس نے زہراں کی حفاظت کے لیے ایک بوڑھی عورت کو بھی وہاں رکھا ہوا
تھا جو زہراں کا خیال اپنی بیٹیوں کی طرح رکھ رہی تھی۔۔۔۔ لیکن زہراں.......
زہراں تو جیسے اس عالم میں تھی ہی نہیں۔۔۔۔ لالہ اور شیرو کی ماں کی موت نے اس
کو اندر سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اگر شیرو یہاں ہوتا تو کوئی اور بات تھی۔ شاید وہ اس
کے زخموں پر اپنی محبت کا پھاہا رکھ سکتا۔ یہاں کون تھا جو اس کے دکھ کو جان پاتا؟ ایک
بوڑھی مجاہدہ تھی اور دوسرا شرفو اور جس طرح دن رات شرفو نے اس کا دل بہلانے کے
لیے اپنے سے جتن کر ڈالے تھے' اس پر وہ دل سے شرفو کی عزت کرنے لگی تھی۔ اسے یہ
نوجوان واقعی غیر معمولی نظر آ رہا تھا۔ چپ چاپ سا تنہا سا۔ "یہ جنگ و جدل اس کے بس کا
روگ کہاں تھا؟" زہراں سوچتی لیکن پھر خود ہی اسے جواب مل جاتا کہ آج کشمیر کا جو سپوت
ہتھیار نہیں اٹھا سکتا' وہ بے غیرت ہے۔ اس نے پچھلے دو روز سے یہاں درجنوں ایسے
زخمیوں کو آتے جاتے دیکھا تھا جن کے لیے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا محال تھا' لیکن لڑ رہے
تھے۔

یہ شاید مجاہدین کا کوئی خفیہ مرکز تھا جہاں زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کے بعد انہیں دوبارہ
محاذ پر روانہ کر دیا جاتا تھا۔

☆○☆

شرفو جب خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گیا تو اس غار نما کوٹھڑی کا سناٹا اسے ڈسنے کو
آنے لگا۔ وہ بوڑھی عورت جو اس کی خدمت پر مامور تھی' تھوڑی دیر پہلے ہی حسب
معمول نزدیکی گھاٹیوں سے دودھ لینے چلی گئی تھی۔ ماحول کی یکسانیت سے اسے اب ہول آنے
لگا تھا۔ وہ اٹھ کر باہر آ گئی۔ اس وقت عموماً نورولی وہاں اس کی خیریت دریافت کرنے آیا
[illegible] شیر محمد کے متعلق بھی اسے سنا دیا کرتا اور اتنے وثوق سے

[illegible] کے لیے جھوٹ بولا کہ وہ اسے [illegible]
زہراں کی نظریں [illegible] اس راستے پر گئی تھیں جو [illegible]
منظر کو ایک لمحے کو ابھرتے دیکھا اور جب آنکھوں پر [illegible]
منظر جو اگلے لمحے نے مجاہدین کے مقامی کمانڈر نورولی کی شکل اختیار کر لی۔
زہراں کے دل کی دھڑکنوں نے اس کے ساتھ ہی اپنی رفتار معمول پر کر لی۔
"کیسی ہو بیٹی؟" اس نے زہراں کے سلام کے جواب میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے
ہوئے پوچھا۔
"ٹھیک ہوں چاچا۔" زہراں نے آج پہلی مرتبہ اسے روئے بغیر جواب دیا تو نورولی کو
ایک گونہ اطمینان سا ہوا۔
"شیرو جلد ہی جموں سے لوٹ آئے گا۔ ابھی ابھی اس کے دستے کی طرف سے ایک
مجاہد ایک خبر لے کر آیا ہے۔ بس تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے بیٹی۔ پھر تم دیکھنا۔ ہم سب
آزاد ہوں گے۔ یہ ہمارے پہاڑ' دریا' درخت' وادیاں' یہ فضائیں' ہمارا کشمیر جنت نظیر آزاد
ہوگا۔"
۔۔۔۔نورولی نہ جانے جوش میں اور کیا کیا کہہ جاتا' لیکن جلد ہی اسے اپنی بے توقیری کا
احساس ہو گیا اور وہ خاموش ہو کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ شرفو اسے اس طرف آتا دکھائی
دیا۔ اس نے رائفل اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی اور گولیوں کے پٹے ایک دوسرے کو کراس
کرتے ہوئے اس کے سینے پر نمایاں تھے۔
"میں اب یہاں نہیں رہوں گا چاچا۔" اس نے نورولی کو ایک طرف لے جاتے ہوئے
کہا۔
"خیریت۔۔۔۔؟" نورولی نے اس کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا۔
"مجھے وحشت ہونے لگی ہے اس ماحول سے۔ یوں بے عملوں کی طرح ہاتھ پر ہاتھ
دھرے آخر میں کب تک بیٹھا رہوں گا۔۔۔۔ میرا یہ مقام نہیں چاچا نورولی۔" نہ
جانے اس کے لہجے میں کیا بات تھی کہ نورولی چونکے بغیر نہ رہ سکا۔
"میں سمجھتا ہوں بیٹا۔" اس نے شرفو کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر اسے مخاطب
کیا۔
"تمہارے جذبات مجھ سے چھپے نہیں' لیکن ابھی تمہیں اس لڑائی کے جہنم میں' جو ختم
ہوتے نظر نہیں آ رہی' جھونکنے کا وقت نہیں آیا۔ یقین جانتا جب بھی ایسا موقع آیا'

تمہارے سارے ارمان نکل جائیں گے۔ ابھی انتظار کرو اور دیکھو۔"

"لیکن یہ ظلم ہے چاچا۔ میرے ساتھی محاذ پر سرگرم ہیں اور میں یہاں روٹیاں توڑ رہا ہوں۔ میرا دوست شیرو سینکڑوں میل دور جموں میں دشمن سے برسرپیکار ہے اور میں یہاں......"

ـــــ وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ شدت جذبات سے اس کا گلا رندھ گیا اور ولی نے ایک لمحے کے لیے اس کی طرف نظر بھر کر دیکھا، پھر اس کی پیٹھ پر تھپکی دے کر آگے بڑھ گیا۔

☆○☆

شرفو نے اپنی دانست میں یہ باتیں تخلیئے میں کی تھیں، لیکن وہ اس بات سے لاعلم تھا کہ جس پتھر کی اوٹ میں وہ دونوں محو گفتگو تھے، اس کے ایک کونے سے ٹیک لگائے زہراں نے ان کی ساری باتیں سن لی تھیں۔

"شرفو یہاں سے کیوں جانا چاہتا ہے؟" اس نے سوچا: "شاید میری وجہ سے، میری مسلسل سوگواری سے تنگ آ کر۔" وہ خود کو قصوروار گرداننے لگی۔ "اسے کیا حق حاصل تھا کہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ رلاتی پھرے، لیکن اگر شرفو بھی چلا گیا تو کون اس کی غم گساری کرے گا۔ یہاں اس بھرے پرے پونچھ میں وہی تو اس کا سب سے نزدیکی عزیز تھا۔ باقی سب تو ایک ایک کر کے ختم ہو چکے تھے ـــــ ایک جو تھا اس کی خبر بھی نہیں تھی۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی کسی نادیدہ طاقت کے انتہائی مجبور کرنے پر وہ خواب کی سی حالت میں چلتی ہوئی شرفو کے سامنے آن کھڑی ہوئی جو پہاڑی کے دامن میں بہتے چشمے کے کنارے ایک درخت سے ٹیک لگائے اپنی گود میں رائفل رکھے پتھروں سے ٹکرا کر جھاگ اڑاتے پانی پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔

"کیا مجھ سے بہت تنگ آ گئے ہو شرفو؟" اس کی آمد سے بے خبر شرفو اچانک اس کی آواز پر چونکا۔

اس نے گردن دوسری طرف موڑی تو زہراں کو اپنے سامنے پایا جس نے اپنے بکھرے بالوں کو سلیقے سے باندھ کر خود کو ایک بڑی سی چادر میں ڈھانپ رکھا تھا، لیکن جس کے جسم سے خارج ہوتی ہوئی برقی رو چادر کا پردہ چاک کرتی ہوئی باہر نکل کر شرفو کے دل و دماغ میں اترتی چلی جا رہی تھی۔ وہ پل دو پل سے زیادہ اس کے چہرے پر نظریں نہ جما سکا، بے اختیار اس نے گردن جھکا لی۔

"میں نے تمہیں تنگ بھی تو بہت کیا ہے۔" زہراں نے اور بھی دوسری بات بھی کہہ کر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

شرفو نے جواب میں کچھ کہنا چاہا، لیکن اس بات نے جیسے حلق بند کر دیا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ اب کبھی بول ہی نہیں پائے گا۔ "تنہا؟ شرفو! آیا ہے، پر دیا ہے میں نے تمہیں؟ ایک ہی ہے" اور یہاں کون ہے میرا؟"

ـــــ شرفو کو زہراں کی اس بات نے لرزا کر رکھ دیا۔ وہ زہراں کو کیسے بتاتا کہ پچھلے دو تین روز سے جو اذیتناک جنگ اس کے اندر چھڑی ہوئی ہے اس سے کہیں بہتر تھا کہ وہ محاذ پر جا کر شہید ہو جاتے۔

"نہیں زہراں۔" اس نے حوصلہ کیا۔ "اگر تم ایسی بات سوچو گی تو مجھے بہت دکھ ہو گا۔ میں تو صرف اس لیے کہہ رہا تھا کہ یہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا ہوں۔ میرا ضمیر ملامت کرتا ہے۔ مجھے شرم آنے لگی ہے خود سے۔"

زہراں نے دوبارہ اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں اب نمی تیرنے لگی تھی۔ "شاید بے چارے کو میرے دکھ نے غمگین کر دیا ہے۔" اس نے سوچا۔ وہ اس سے زیادہ بہتر ہمراز ہی آنسوؤں کا اور کیا تلاش کر سکتی تھی۔ "دیکھو شرفو! تم شیرو کے دوست ہو اور مجھے بے حد عزیز، لیکن میں تمہارے لیے کوئی مجبوری نہیں بننا چاہتی۔ اگر تمہیں میری حفاظت کے خیال سے یہاں رکھا گیا ہے تو مطمئن رہو۔ تمہارے دوست کی غیرت پر کوئی جیتے جی ہاتھ نہ ڈال سکے گا۔ جاؤ اور غنیم کو بتا دو کہ تمہاری رگوں میں بھی بڑا غیرت مند خون دوڑ رہا ہے اور تم آزادی کے لیے بہت کچھ قربان کر سکتے ہو، حتیٰ کہ اپنے دوست کا پیار بھی۔"

اس لمحے زہراں جوالا مکھی بن چکی تھی ـــــ اس کی آنکھوں سے اٹھنے والے شعلوں کی لپٹیں شرفو کے دامن دل تک آ پہنچی تھیں اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولے، زہراں پروقار چال چلتی وہاں سے واپس ہو گئی۔

ـــــ شرفو میں اتنی ہمت ہی باقی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ واپس جاتی زہراں کو نظر بھر کے دیکھ بھی سکتا۔

وہ چپ چاپ اٹھا، اپنی رائفل سنبھالی اور مجاہدین کے نزدیکی ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆○☆

پونچھ خاصا بڑا شہر اور مہاراجہ کے دور میں "پونچھ جاگیر" کا دارالخلافہ بھی تھا۔

ایک سایہ وہاں موجود تھا۔

نزدیک پہنچ کر جب اس نے نووارد کو پہچان لیا تو ہاتھ کے مخصوص اشارے سے میجر کو "سگنل" دیا اور اس کے ساتھی اٹھ کر قریب آ گئے۔ پھر وہ سب نیم دائرے کی شکل میں نووارد کے گرداگرد بیٹھ رہے۔ امیر خان کی نظریں جب اس کے چہرے پر پڑیں تو اسے یاد آ گیا کہ اس نے آج صبح ہی جب وہ ممدو گوجر کے ساتھ چھاؤنی میں دودھ لے کر گیا، اسے دیکھا تو لیکن کس روپ میں؟ یہ اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔

"تقریباً" پچاس ساٹھ سپاہیوں کی ایک کمپنی میجر رام سنگھ کی قیادت میں وہاں موجود ہے۔ سجاول بھی وہیں ہے۔ میں نے اس تک منصوبہ پہنچا دیا ہے۔" اس نے سرگوشیوں میں خطاب کیا۔ پھر وہ انہیں فوجیوں کی پوزیشنیں سمجھانے لگا۔

"ٹھیک ہے دوست۔ اب تم چلو۔" امیر خان بولا۔

"خدا حافظ۔" کہہ کر نووارد جس طرح آیا تھا' اسی طرح غائب ہو گیا۔

☆○☆

اس کی روانگی کے بمشکل دو تین منٹ بعد ہی وہ لوگ بھی وہاں سے اٹھ کر چل دیے۔۔۔۔ ان کی کمان امیر خان نے سنبھال لی تھی۔ مسلسل اندھیرے میں چلتے رہنے کی وجہ سے اب ان کی آنکھیں کسی قدر دور دیکھنے کے قابل ہو گئی تھیں۔

چھاؤنی سے کچھ ہی دور وہ رک گئے۔ ان میں سے ایک نے جس کے ہاتھ میں ڈسچارجر کپ تھا' وہاں پوزیشن سنبھال لی تھی۔ یہ جگہ چھاؤنی سے بمشکل پندرہ بیس گز دور تھی اور یہ امر ان کے لیے باعث رحمت تھا کہ یہاں سرچ لائٹ موجود نہ تھی' نہ ہی چار دیواری میں کوئی "چیک پوسٹ ٹاور" بنایا گیا تھا۔ رک جانے والے کو امیر خان نے ہاتھ کے مختلف اشاروں سے سمجھایا اور باقی ساتھی اسے خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گئے۔

روانگی سے پہلے امیر خان نے اپنے پستول پر سائیلنسر فٹ کر لیا تھا اور وہ ان سب کے آگے چل رہا تھا۔ ان کا رخ اس دروازے کی طرف تھا جو ایک طرح سے چھاؤنی کا عارضی دروازہ تھا اور جس کے باہر لگے بیریئر کے ایک کونے پر بنے لکڑی کے ایک کیبن میں دو سنتری سکڑے سمٹے بیٹھے تھے۔ انہیں اصولاً" تو اٹھ کر گشت کرنا چاہیے تھا' لیکن انہوں نے یہ بات خاص طور سے نوٹ کر لی تھی کہ جب سے شیرو فرار ہوا ہے' میجر رام سنگھ لاکھ چوکنا اور سنجیدہ ہونے کے باوجود کبھی رات کے وقت چھاؤنی کے بیرونی دروازے تک آنے کا روادار نہیں ہوا بلکہ اس کے ذہن پر ایک ہی بات سوار تھی کہ۔۔۔۔ اگر وہ رات کو

چھاپہ مارے گا تو سب سے پہلے اسی دروازے سے گزریں گے۔

مجاہدین ابھی دھمکی پر عمل کر گزریں گے۔ سنتری ابھی تک سٹیزوں کی طرف رینگ رینگ کر اس طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے پاؤں زمین سے چپکے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے ان کے چلنے کا انداز بھی ہاں کمانڈو جیسا تھا' پھر ان میں سے دو تو کٹ کر الگ ہو گئے اور وہ جتنا امیر خان اور ممدو اس لکڑی کے کیبن کی طرف رینگنے لگے جہاں آنے والی قیامت سے بے خبر دونوں سنتری رم کی اس بوتل سے جی بہلا رہے تھے' جو ان میں سے ایک کسی طرح چھپا کر یہاں لے آیا تھا۔

دونوں دوست ایک دوسرے کی متضاد سمت میں لیٹے تھے۔۔۔۔ امیر خان کی نظریں کیبن پر جمی ہوئی تھیں اور دائیں ہاتھ میں پکڑے پستول کی نال اس طرف اٹھی ہوئی تھی۔ اسکیم کے مطابق جب ممدو گوجر نے کیبن کی اپنی سمت والی دیوار کو آہستہ سے ٹھوکر لگائی تو اندر بیٹھے دونوں سنتری یوں بدکے جیسے انہیں کسی بچھو نے ڈس لیا ہو۔

"کچھ سنا؟" ایک نے دوسرے کو مخاطب کیا۔

"ہاں! کچھ بات ضرور ہے۔" دوسرے کی خوفزدہ آواز سنائی دی۔

"لیکن ۔۔۔۔ اس وقت یہاں کون ہو سکتا ہے۔" وہ بولا۔

"لیکن یار ۔۔۔۔ کہیں میجر صاحب ہی نہ ہوں۔" دوسرے نے اندیشہ ظاہر کیا۔

دونوں کا خیال چھاپہ ماروں کی طرف نہ گیا کیونکہ ابھی تک ان کی دانست میں وہ لوگ چھاؤنیوں پر بھی گھات لگا سکیں۔ دونوں اسی خیال سے سہم گئے کہ میجر رام سنگھ تک ان کی ڈیوٹی سے غفلت کی رپورٹ پہنچ گئی ہے اور وہ خود اچانک چھاپہ مارنے آیا ہے۔

وہاں ایک کونے میں رکھے لکڑی کے بکس میں رم کی بوتل چھپا کر دونوں ہی اپنی اپنی رائفلیں سنبھالتے افراتفری میں باہر نکلے کہ اپنی ڈیوٹی پر مستعد ہو جائیں۔ امیر خان کو بس اتنا ناکافی تھا کہ ہدف نظر آ جائے۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ اس کا نشانہ کبھی خطا ہوا ہو۔ وہ اندھیرے میں صرف آواز پر نشانہ لگانے کا ماہر تھا۔ محض دو سیکنڈ کے وقفے سے دو گولیاں ایک دوسرے کے تعاقب میں لپکیں اور بوکھلائے ہوئے سنتری باری باری اپنے سینوں کے بائیں طرف ہاتھ رکھے کوئی آواز نکالے بغیر زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ صرف ٹریگر دبنے کی ہلکی سی آواز دو مرتبہ امیر خان کے پستول سے برآمد ہوئی تھی۔

دونوں بجلی کی سی پھرتی سے دم توڑتے سپاہیوں کے سروں پر پہنچ گئے تھے اور اس خطرے کے پیش نظر کہ مبادا ان کے منہ سے کوئی آواز نکلے' انہوں نے دونوں کے منہ پر

اپنے ہاتھ روک دیے تھے۔

——پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ چاروں دیواروں سے پھاند کر اندر داخل ہو رہے تھے۔ ان میں سے ایک مشین گن والے کو ایک محفوظ پوزیشن میں لا کر آگے بڑھ گئے۔ مشین گن بیرک کے سامنے نصب کی گئی تھی، جہاں سپاہی سو رہے تھے۔ انہیں یہاں گشت پر موجود پہرے داروں سے نمٹنا تھا۔

امیر خان ان سے الگ ہو کر ان کوٹھڑیوں کی طرف نکل گیا جہاں سہلول کو اس نے بند دیکھا تھا۔ محمود گوجر اور اس کے دوسرے ساتھی نے بھی مشین گن والے سے ہٹ کر اپنی پوزیشنیں سنبھال لی تھیں اور اب ان سب کو محض اپنے اس ساتھی کے اشارے کا انتظار تھا جو انہیں اطلاع دے کر واپس یہاں آ گیا تھا۔

——بالآخر وہ ساعت سعید بھی آ گئی۔ بیرک کے دروازے کے سامنے لگے ہوئے الارم کے پاس انہوں نے ایک سائے کو کھڑے دیکھا۔ یہ الارم آگ لگنے کے خطرے کے پیش نظر بجایا جاتا تھا۔ سائے نے الارم کا بٹن دبایا اور انتہائی تیز ہوٹر بجنے لگا۔

——بیرک میں آگ لگنے کی اطلاع سے افراتفری پھیل گئی۔ سپاہی ہوٹر کی آواز پر چیختے چلاتے باہر نکلے جہاں ہلکی مشین گن نے انہیں چاٹنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی ان پر مختلف اطراف سے پوزیشنیں بدل بدل کر پھینکے گئے دستی بموں نے قیامت ڈھا دی۔ مجاہدین کے اس دلیرانہ شب خون نے ان کے اوسان خطا کر دیے۔ صرف ڈیوٹی پر موجود سپاہی ہی ایسے تھے جو کارروائی کر سکتے تھے، لیکن انہیں ابھی تک یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر یہ حملہ آور ہیں کدھر؟ وہ گولی چلائیں تو کس پر؟

☆○☆

امیر خان دیوار سے چپکا اس طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے فائرنگ اور مرنے والوں کی چیخ پکار سے گھبرا کر باہر نکلتے گارڈ کو دیکھ لیا تھا اور اب وہ بے چینی سے اس لمحے کا منتظر تھا جب یہاں موجود پہرے دار اپنے ساتھیوں کی مدد کے لیے یہاں سے باہر نکلے، لیکن اس کم بخت نے شاید باہر نہ نکلنے کی قسم کھا رکھی تھی یا پھر اسے میجر رام سنگھ کی طرف سے بڑی سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ حالات خواہ کچھ بھی ہوں، وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔

امیر خان کے اعصاب انتظار کی شدت سے تڑخنے لگے تھے۔ اس نے مزید انتظار کا عذاب مول لینے کی بجائے آگے بڑھ کر کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا اور دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا ان کوٹھڑیوں کے کٹہرے تک آ گیا جہاں اس کا غازی مرد——سہلول خان

بیڑیوں میں موت کی سرحدوں پر کھڑا اپنے جیالے ساتھیوں کا منتظر تھا۔

وہ یہاں تک پہنچ گیا اور امیر خان کو یہاں موجود پہرے دار نظر نہیں آ رہا تھا، پھر بھی خود بخود وہ گارڈ کی چالاکی کو داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ پہرے دار مضبوط اعصاب کا مالک ہے اور اپنے ساتھیوں کی طرح بوکھلا کر حملہ آوروں کی گولیوں کا شکار بننے کی بجائے وہ یہاں چھپ کر حملہ آوروں کا منتظر ہے تاکہ یہاں اور حملہ آور اندر گھس آنے والوں پر نشانہ آزما سکے۔ اسے شاید سہلول خان کی اہمیت کا احساس تھا اور یہ اندازہ بھی اس نے لگا لیا تھا کہ حملہ آوروں نے یہ سارا ہنگامہ سہلول خان کو دشمن کی قید سے رہا کروانے کے لیے پھیلایا ہے۔

امیر خان بھی سہلول خان کی طرح جیلان انٹیلی جنس کا تربیت یافتہ اور پیشہ ور کمانڈو تھا۔ اس نے اچانک اپنے قدم آگے بڑھائے اور اپنے سامنے دو تین گز کے ایریا میں تیزی سے پاؤں زمین پر مارے جس سے یہ تاثر ابھرتا تھا کہ کوئی بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا ہے۔ اس کی یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور دوسرے ہی لمحے اسے ایک سیل کے سامنے سے بھاگ کر دوسری طرف جاتا ہوا ہیولا دکھائی دے گیا۔

گارڈ خطرناک حد تک چالاک تھا گو کہ وہ امیر خان کے دھوکے میں آ گیا تھا، لیکن اس نے بھی ایک چال چلی تھی اور ایک طرف سے دوسری طرف بھاگ کر تیزی سے اس طرح نکل گیا جیسے وہ بھی اپنی موجودگی کا دھوکہ دے کر وہاں آنے والے کو سامنے آنے پر آمادہ کر رہا ہو۔

پھر ان دونوں میں ایک دوسرے کو دھوکا دے کر مارنے کا مقابلہ شروع ہو گیا اور دو ہی منٹ بعد اس مقابلے کا اختتام امیر خان کے پستول سے نکلی گولی نے کر دیا۔ گارڈ کے کندھے کے بائیں طرف دو گولیاں ایک دوسرے سے محض تین چار انچ کے فاصلے پر لگیں اور وہ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

اس کے ساتھ ہی پستول امیر خان کے ہاتھ سے جیب میں پہنچ گیا اور اس نے اسٹین گن سنبھال لی۔ بجلی کی سی پھرتی سے وہ اس کوٹھڑی کے سامنے جا پہنچا جہاں اس کے خیال میں سہلول کو موجود ہونا چاہیے تھا، لیکن اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا جب اس نے سہلول کو وہاں سے غائب پایا۔ امیر خان دیوانہ وار ایک ایک کوٹھڑی میں جھانکتا پھرا اور ہلکان ہوتا رہا۔ آخر ایک کوٹھڑی کے فرش پر اسے گوشت کا ایک ڈھیر سا بنا نظر آیا، لیکن اس کے جسم میں جنبش نہیں ہو رہی تھی۔

امیر خان نے اسے آواز دے کر مخاطب کرنے کی بجائے اسٹین گن [illegible]
کوٹھڑی کا بھی کھولا اور اندر جا گھسا۔ ان کا جان نثار ساتھی بمشکل کراہٹ سے کروٹ [illegible]
امیر خان نے جھک کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں تو کھلی تھیں، لیکن چہرہ تشدد اور مار [illegible]
بری طرح سوج چکا تھا۔ اس کے ہونٹ پھٹ کر پپڑیاں ہو گئے تھے۔
اس لمحے دردناک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی، اس نے امیر خان [illegible]
جسم میں چنگاریاں دوڑا دیں۔ اس کی آنکھوں کی تیزی سے بدلتی رنگت کو امیر [illegible]
اندھیرے میں بھی سجاول خان محسوس کر سکتا تھا۔ اس نے زمین پر گرے سجاول کو کندھے [illegible]
اٹھایا اور باہر کو لپکا، لیکن ابھی وہ کوٹھڑیوں والے احاطے کے بمشکل باہر ہی پہنچا [illegible]
اسے ایک جیپ جس کی ہیڈلائٹس بجھی ہوئی تھیں، بڑی تیز رفتاری سے اس طرف آتی
دکھائی دی۔ اتنے اندھیرے میں اتنی تیز رفتاری سے ڈرائیو کرنا کسی عام آدمی کا کام نہ
تھا یا تو یہ شخص پاگل ہے یا پھر جیپ اس کے کنٹرول سے باہر ہو چکی تھی۔
"کہیں میجر رام سنگھ ہی نہ ہو؟" اس نے سوچا کیونکہ اس افراتفری کے عالم میں وہ [illegible]
ایک شخص تھا جو اپنے "شکار" کی فکر کر سکتا تھا۔ اپنی دانست میں شاید وہ اس لیے اس طرف
آ رہا تھا کہ حملہ آوروں کے سجاول تک پہنچنے سے پہلے پہلے یا تو وہ اسے گولی مار دے یا
یہاں سے چپ چاپ نکال کر کسی محفوظ مقام پر لے جائے۔
میجر رام سنگھ کا خیال دل میں آتے ہی ایک مسکراہٹ خودبخود امیر خان کے ہونٹوں پر
آ گئی۔ اس نے بڑی احتیاط لیکن پھرتی سے سجاول کو ایک کوٹھڑی کے آگے بنے برآمدے میں
اس طرح لٹا دیا کہ نزدیک آنے پر ہی وہ نظر آ سکتا تھا اور خود وہ اس احاطے میں داخل
ہونے والے دروازے سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اسٹین گن پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی [illegible]
دھڑکتے دل سے انگلی ٹریگر پر جمائے وہ آنے والے کا منتظر تھا۔
---دوسرے ہی لمحے جیپ کے بریک دور سے چرچرانے کی آواز سنائی دی۔ [illegible]
ساتھ ہی امیر خان کو جھٹکے سے جیپ رکنے کا احساس ہوا اور اس نے اپنی سمت آنے والے [illegible]
کی آواز سنی--- آنے والا ہر قسم کی احتیاط کو بالائے طاق رکھ کے جیپ سے اتر کر [illegible]
اندر داخل ہوا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں پکڑا ریوالور امیر خان کو بخوبی نظر آ رہا تھا۔
---اور جیسے ہی وہ اس سے چند گز آگے نکلا۔ امیر خان پکارا۔
"ہاں!"
"فرنٹ!" آنے والے کے منہ سے نکلا، اور اپنی دانست میں اس نے انتہائی [illegible]

ملاحظہ کرتے ہوئے قدرے جھک کر اس کی طرف گھسٹنے کی بھرپور کوشش کی تھی
اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی رہا لیکن وہ ایک ایک انچ ہٹ کر تھا کہ اس کا [illegible]
ہاتھ [illegible] اسٹین گن کے بٹ سے بھرپور ضرب نے اسے بے حال کر کے رکھ دیا۔
آنے والے کو تڑپنے یا آواز نکالنے کی مہلت بھی میسر نہ آئی۔ امیر خان نے آگے بڑھ
کر زمین پر اکڑوں بیٹھتے ہوئے جھک کر اس کا چہرہ دیکھا۔
"میجر رام سنگھ" وہ بڑبڑایا۔ "بلاشبہ تم ایسی ہی موت کے مستحق تھے۔"
تھوڑی ہی دیر بعد وہ سجاول کو میجر رام سنگھ کی اسی جیپ میں پچھلی سیٹ پر لٹائے بڑی
احتیاط سے صدر دروازے کی طرف جا رہا تھا۔۔۔ دھماکوں اور چیخوں کی آوازیں رفتہ رفتہ
مدھم پڑنے لگی تھیں۔
اس کے ساتھیوں نے بھی "شکار کھیلنے" میں کسی بخیلی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔
---جیپ اس نے صدر دروازے کے ایک طرف کھڑی کر دی اور خود اس سے ہٹ
کر اسٹین گن تھام کر کھڑا ہو گیا۔ اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا اور تین چار منٹ بعد ہی
باقی تینوں ساتھی بھی اس تک پہنچ گئے۔ واپسی کا سفر انہوں نے اسی جیپ میں کیا۔
جیپ "اسچار جر کپ" والے ساتھی کے نزدیک جا کر ٹھہر گئی، جس نے انہیں دیکھتے ہی
اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ "کپ" سے نکلنے والے بم بڑی نفاست سے ایک ترتیب کے ساتھ
پہلے سے مقرر کردہ ٹارگٹ پر گر رہے تھے۔۔۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ "چاند ماری" کی
مشق کر رہا ہو۔
ان کے دیکھتے ہی دیکھتے چھاؤنی سے شعلے بلند ہو کر آسمان کو چھونے لگے۔ انہی شعلوں
کی روشنی نے ماحول کو نکھار دیا تھا اور وہ جلد از جلد اس "بربنگی" سے نجات پانا چاہتے
تھے۔
جیپ بڑی تیزی سے واپس بھاگ رہی تھی۔ "سانحہ" کے جانباز میجر رام سنگھ کو موت
کی نیند سلا کر اور اس کی "چھاؤنی" کو نیست و نابود کر کے اپنے ساتھی کو اس کے خونی پنجوں
سے چھین لائے تھے۔

لہو کا چراغ

جنرل طارق نے اس واضح حقیقت کا اعتراف کر لیا تھا کہ جب تک توپخانوں کو بکتر بند گاڑیاں نہ دی گئیں، ان کے لیے اس قیامت کی گولہ باری سے گزرنا ناممکن ہو گا کیونکہ بھارتی فوج نے سری نگر کے اردگرد اپنی قلعہ بندیاں مستحکم کر لی تھیں اور ان کی ایئرفورس مکمل کر میدان میں آ چکی تھی۔

قبائلی حملہ آوروں نے دشمن کی پٹنوں پر سامنے سے بڑا تیز اور جان توڑ حملہ کیا تھا کیونکہ دشمن کے پہلو یا بارش کی وجہ سے کھڑے ہو جانے والے پانی نے بالکل محفوظ کر دیے تھے، لیکن اپنی لاکھ جوالں مردی کے باوجود وہ سری نگر کا دفاعی حصار نہ توڑ سکے کیونکہ ان کی توقعات کے بالکل برعکس شہر کے اندر سے کوئی مداخلت نہیں ہوئی تھی اور سری نگر میں موجود بھارتی افواج کو شیخ عبداللہ کی مہربانیوں کے طفیل بالکل محفوظ "عقب" میسر آ گیا تھا۔

جنرل طارق بڑی تیز رفتاری سے بھاگم بھاگ راولپنڈی پہنچا تاکہ کم از کم دو بکتر بند گاڑیاں ہی مجاہدین کے لیے حاصل کر سکے۔ اس کی پہلی ملاقات کرنل مسعود سے ہوئی جنہوں نے اپنے جذبہ جہاد سے سرشار جنرل طارق کو پوری بکتر بند رجمنٹ دینے کی یقین دہانی کروا دی۔ اس حوصلہ افزائی نے جنرل طارق کا سیروں خون بڑھا دیا، لیکن یہ خوشی بالکل عارضی ثابت ہوئی کہ ایک طرف تو رجمنٹ کو خفیہ طور پر تیار رہنے کا حکم دے دیا گیا جب کہ دوسری طرف وقت قیامت کی چال چل گیا۔ جب —— "سیاست کے فرزانوں" تک ان "دیوانوں" کی تازہ واردات کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے سر پیٹ لیا اور فوراً شور مچاتے جنرل طارق کی طرف دوڑے۔ ان سب کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا:

"انڈیا ہم پر حملہ کر دے گا —— انڈیا ہم پر حملہ کر دے گا۔"

بے چارے جنرل طارق کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ میدان جنگ کا جیالا جرنیل حیرت اور افسوس سے کار پردازان سیاست کے منہ دیکھتا رہ گیا۔ اس نے لاکھ کوشش کر ڈالی

[illegible] وہی رہتے تھے۔ تب سے ہی انہیں کوئی [illegible]
[illegible] ہے تو [illegible] مجھے ہی تو کس بات پر؟
[illegible] اور یہاں بھی جب انہیں اس بات کی کوئی
[illegible] آپ پیارا کر [illegible] پہنچے
[illegible] ان کی مدد کو آتے ہیں تو وہ راتوں رات پیچھے ہٹتے ہوئے
[illegible] کر کے [illegible] میل دور اور [illegible] سے تمیں میل پیچھے
[illegible]

☆○☆

تمام تر حقائق جنرل طارق کے سامنے تھے اور ہزار طرح کی سوچیں بھی ———!
کہ ۲ نومبر کی رات کو کشمیر کی جنگ آزادی کے [illegible]
لیکن اسی شام ان کے مکان پر [illegible] یہ لوگ ہر صورت جنگ جاری رکھنا چاہتے
لے بیٹھے تھے۔
جب کہ حکومت کی فوج کو سختی سے غیر جانبدار رہنے کی ہدایات بھی پیش نظر تھیں۔
ان کشمیری لیڈروں کو کسی ایسے فوجی کی تلاش تھی جو اپنی جان اور مستقبل داؤ پر لگا کر
ان کے مظلوم مسلمان بھائیوں کی مدد کو آگے بڑھے اور [illegible] کے نقش کرنے [illegible] کو
سنبھالے۔ یہ لوگ اس سے پہلے آرمی کے قریباً سب ہی سینئر کمانڈروں سے مظلوم کشمیریوں
کی مدد کرنے کی اپیل کر چکے تھے اور اب ہر طرف سے مایوس ہو کر اس بخت آور جرنیل
کے پاس آ گئے تھے جو اپنے خون جگر سے تاریخ کے اوراق پر وہ لہو رنگ کہانی لکھ رہا تھا جو
نسلیں اپنی آنے والی نسلوں کو تبرک کی طرح منتقل کیا کرتی ہیں۔
وہ سب اس کی طرف دیکھ رہے تھے ——— اور آخر ہوا کی لہروں میں ارتعاش ہوا۔
"میں جاؤں گا وہاں ——— میں لڑوں گا ——— میں اکیلا ہی لڑوں گا۔ خدا کی قسم! جب تک
میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے، بھارتی فوج کو آزاد کشمیر پر قبضہ نہیں کرنے
دوں گا۔" جنرل طارق نے چٹان کے سے مضبوط عزم سے انہیں مخاطب کر کے ان کے مردہ
چہروں پر زندگی کی لہر دوڑا دی۔
اور پھر ۲ نومبر کی شام ایک اسٹیشن ویگن جو جنرل طارق کا ہیڈکوارٹرز بھی تھی اور جس
میں ایک وائرلیس سیٹ، دو رضاکار سگنلز اور کیپٹن تسکین الدین موجود تھے، تاریخ حریت کا نیا
باب رقم کرنے کے لیے محاذ کی طرف روانہ ہو گئی۔
——— ان کے سنگ سنگ ان ہزاروں لاکھوں مجبور اور بے کس انسانوں کی دعائیں بھی
تھیں جو اپنے پیاروں کو شہید کروا کے جانے کب سے کسی طارق بن زیاد کے منتظر تھے۔

[illegible]

[illegible] "[illegible] جنگ" سے مراد [illegible] بڑی سے بڑی [illegible]
[illegible] گھات لگانا اور بھاگ جانا ان کا دل پسند مشغلہ ہے [illegible]
[illegible] حملہ آور ہوتے ہیں اور نہ ہی یہ پسند کرتے ہیں کہ قلعہ بند ہو کر
[illegible] اجازت دیں۔ ہر دو صورتوں سے یہ احتراز برتتے ہیں۔
[illegible] "فوج" کو اپنی مرضی کے محاذ پر لا کر اس پر حملہ آور ہوتے ہیں اور مرکزی
[illegible] "انفرادی جنگ" لڑتے ہیں۔ ان کے طریق کار اور صدیوں کی
[illegible] نظر رکھا جائے تو یہ ممکن نہیں کہ انہوں نے اپنی ۵۰۰ لاشیں پیچھے چھوڑی
[illegible] تنہا کبھی ہجوم کی صورت میں حملہ آور ہوتے ہی نہیں۔ ان کی سب سے بڑی

[illegible] ایک [illegible]

[illegible]

☆○☆

[illegible] رات کے بعد پہنچے تھے۔ فضا میں موت کا سا سناٹا طاری تھا۔ [illegible] کو گھنڈرات میں بدل کر رکھ دیا تھا۔ ایک مکان بھی ایسا نہ تھا جس کی چھت [illegible] ... سے محفوظ رہی ہو۔ ایک جگہ جنرل طارق کو [illegible] نظر آیا۔ قریب ہی جھونپڑیوں میں قبائلی لشکر مقیم تھا۔ جنرل کو میجر خورشید کی [illegible] بھی کا پتہ ہو چکا تھا۔

[illegible] یہاں پہنچ کر بڑی اطلاع ملی کہ راتوں رات ایک بھارتی بریگیڈ بارہ مولا پہنچ گیا ہے جس کا فاصلہ یہاں سے بمشکل ۳۰ میل تھا لیکن یہ ۳۰ میل مکمل پہاڑی علاقہ تھا جس کے [illegible] درمیان سے ایک سڑک گزر کر لوزی تک آتی تھی۔ ایسا علاقہ قبائلی جنگجوؤں کے لیے [illegible] تھا سڑک دونوں اطراف سے بند تھی۔ ایک طرف تو درختوں اور جھاڑیوں سے لدی ہوئی پہاڑیاں تھیں جب کہ دوسری طرف تیز رفتار جہلم کی سرکش موجیں۔

دریا پر ایک پل لوزی سے قریباً پندرہ سولہ میل دور بنا ہوا تھا، لیکن پیدل گزر کر فوجی گاڑیاں اور بھاری اسلحہ یہاں سے پار نہیں اتارا جا سکتا تھا۔ سڑک نیڑھی میڑھی تھی اور راستے میں جگہ جگہ رسوں کے بنے ہوئے جھولا نما پل موجود تھے۔

[illegible] دشمن کے لیے رکاوٹ کھڑی کی جا سکتی تھی۔ پہاڑیوں کی چوٹیوں پر "پکٹوں" کے ساتھ لیڈ واش کرنا بھارتی لشکر کے بس کا روگ نہیں تھا کیونکہ قبائلیوں کی موجودگی میں "پکٹیں" بند ممکن نہیں تھا اس کے لیے بے تحاشا نفری درکار تھی تاکہ زیادہ سے زیادہ جوانوں کو ہوا کر لیڈ واش کیا جا سکے۔

جنرل نے یہاں رک کر وقت ضائع کرنے کی بجائے فوراً اور راتوں رات آگے بڑھ کر راستے میں آنے والے ایک اہم پل کو اڑانے کا پروگرام بنایا تاکہ دشمن کی پیش قدمی رک جائے اور انہیں دفاعی مورچہ بندیاں قائم کرنے کی مہلت نصیب ہو۔

یہاں [illegible] مل سکا البتہ بارود کے چند کنستر اور گینتیاں ہاتھ لگ گئیں۔ جنرل نے کسی نہ کسی طرح دہلی ساتھ آئی-این-اے (انڈین نیشنل آرمی) کے رضاکار جو جہلم [illegible] میں شامل تھے اکٹھے کیے اور بے سروسامان رضاکاروں کے اس مختصر دستے کے ساتھ پل کی طرف روانہ کر دیا۔ راتوں رات دشمن کے گشتی دستوں کی آنکھوں میں دھول

[illegible] ہی گئے۔
[illegible] اس کے ساتھ ہی [illegible] مجاہدین [illegible]
[illegible] لوگوں نے وہاں [illegible]
[illegible] سکون میسر رہا تھا لیکن [illegible] کے پیچھے سے ہو گا۔
[illegible] دشمن کے لیے [illegible] جنرل طارق نے یہاں

[illegible] کو بتا دیا۔ دفاعی مورچوں کے لیے مختلف مقامات کا انتخاب بھی کر لیا اور [illegible] جنرل نے کسی نہ کسی طرح نیلی فون کے پرانے تار جو ابھی سلامت تھے [illegible] پہنچ کر جنرل نے نیلی فون مدد کا پیغام بھی بھیجا۔ لیکن دوسری طرف سے جواب [illegible] سوالی فوج کو بذریعہ [illegible] کمانڈر فوج سمیت واپس جا چکا ہے۔"

[illegible] سوالی فوج کا کمانڈر [illegible] سے ہاتھ ملنے کے سوا اور کیا کرتا؟ مگر —— اس نے پھر بھی ہمت نہ [illegible] یہاں سے تین سو میل دور تھا کہ کسی نہ کسی جنرل نے آدمی موت کی طرف بھیج دیا جو یہاں سے [illegible] کر کے واپس لے آؤ۔ اس طرف کمک کے لیے آدمی دوڑا کر [illegible] اور ایک کو رضامند [illegible] ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا۔ جیسے ہی اس نے ان لوگوں سے اپنا تعارف [illegible] پھر قبائلیوں کی [illegible] تنقیدی سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ پاکستان [illegible] انہوں نے جنرل پر [illegible] قربانی کے بکرے بنا کر یہاں بھیج دیا ہے اور خود پاکستانی فوج انہیں ایک توپ بھی نہیں دے سکی۔ جنرل نے انہیں بہت سمجھایا، لیکن وہ لوگ نہ سیاست اور مکاری کرتے تھے نہ ہی سیاست اور مکاری پر یقین رکھتے تھے۔

[illegible] طارق بن زیادہ کا سپاہی اکیلا رہ گیا تھا۔ اس کے ساتھ صرف سات مجاہد تھے۔ جنرل کا [illegible] آفیسر اور [illegible] وائرلیس سمیت واپس جا چکے تھے۔ بارہ صدیاں پہلے جبرالٹر کے ساحل پر طارق بن زیاد نے اپنے جہاز جلا کر "موت یا فتح" کا نعرہ لگایا تھا۔ جنرل طارق بھی اپنی کشتیاں پھونک کر یہاں آیا تھا اور وہ آبرومندانہ واپس جانا چاہتا تھا۔ یوں بزدلوں کی طرح میدان چھوڑ دینا اس کے اسلاف کی روایت نہ تھی۔ اس نے اپنی مختصر سی فوج کا جائزہ لیا جو پاک فوج کے ایک میجر، دو ریٹائرڈ سابق آئی-این-اے کے صوبیداروں، لطیف افغانی نامی ایک سیاسی کارکن، دو ڈرائیور، باورچی تین سویلین اور ان کے بڑے بھائی پر مشتمل تھی اور درجن رائفلیں اور ایک مشین گن اس فوج کا اسلحہ تھا۔ یہ تھی وہ مختصر اور نامکمل جمعیت جس کے ساتھ جنرل طارق بھارتی فوج کے ایک بریگیڈ سے ٹکرانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

"میں واپس نہیں جاؤں گا۔ میں یوں واپس جانے کے لیے نہیں آیا۔" اس نے عمر رسیدہ [illegible] اپنے ساتھیوں سے کہا۔
"ہم سب یہیں ایک ساتھ مر جائیں گے۔ ہم ———" ان میں سے ایک نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

☆○☆

ان کا سیکشن کمانڈر بھگن داس مہاراجہ کی فوج کا سابق صوبیدار آگے ٹرک میں ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا تھا۔ باقی تمام سیکشن پیچھے سکڑی سمٹی بیٹھی تھی۔ شیرو کے پہلو میں موجود غلام محمد بھی مہاراجہ کی فوج کا سابق حوالدار تھا، لیکن تھوڑے ہی عرصے کی ملاقات میں اس نے شیرو کو اپنا معتقد کر لیا تھا۔ وہ بظاہر تو ان پڑھ نظر آتا تھا، لیکن اس کی باتیں بڑے پڑھے لکھے عالموں جیسی تھیں۔

"میں پچھلے ہفتے جموں سے واپس آیا ہوں۔" اس نے خاموشی کو توڑا۔

"پھر؟" شیرو کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"تم نے ابھی تک بتایا نہیں کہ تم ہو کہاں کے رہنے والے؟" اس نے اچانک ہی شیرو سے پوچھ لیا اور شیرو کا خیال نبی خان کی طرف چلا گیا جس نے روانگی کے وقت اسے اس بات کی تاکید کی تھی کہ وہ اپنے پونچھ کے ساتھیوں کے علاوہ اور کسی کو اپنا رازدار نہ بنائے۔

"میں پونچھ سے آیا ہوں۔" شیرو نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔

"پونچھ سے؟" غلام محمد کو حیرت ہوئی۔ "تم سے کس گدھے نے کہا تھا یہاں سری نگر آنے کے لیے؟ ادھر مظفر آباد کی طرف نکل جاتے۔" اس کے لہجے میں حقارت اور طنز نمایاں تھا۔

"نوکری کی تلاش میں آیا تھا۔" شیرو نے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

"پھر تو تم بہت مطمئن ہو گئے ہو گے یہ نوکری پا کر؟" اس کے لہجے کی کاٹ بڑی گہری تھی۔

"تم جموں کی کیا بات کر رہے تھے؟" شیرو نے چاہا کہ موضوع بدل کر اس سے جان چھڑا لے۔

"ہاں جموں ———" اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "ادھر جموں کے سارے صوبے میں تمہیں شاید ہی کوئی مسلمان زندہ ملے گا۔ جموں، کٹھوعہ، ادھم پور، رام نگر اور ریاسی کے علاقوں میں ہندوؤں نے بھارتی فوج کی مدد سے انہیں چن چن کر مار ڈالا ہے۔ وہ مظفر آباد

[illegible] رہے ہیں ان سے اور اب تو وہاں ہندو ہی ہندو رہ گئے ہیں۔ [illegible] بے وقوف ہیں ہم لوگ جو انہیں اپنے مسلمان بھائیوں سے صلح [illegible] کی تلقین کرتے [illegible] سنو!" اس نے شیرو کی طرف جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ [illegible] اور بھائی چارے کے لیے اب ہندوؤں کے درمیان کوئی مسلمان باقی ہی نہیں [illegible] کھوکھلا اور بے بنیاد بن گیا ہے۔ نیشنل کانفرنس کے سیاسی عقیدے [illegible] ہیں جہاں شیخ عبداللہ [illegible] مسلمانوں کو اسلام کے نام کا [illegible] ریوڑ کی طرح جس طرف چاہے ہانک کر لے جائے۔ وہاں جموں میں امن امن [illegible]

[illegible] بابا غلام محمد۔" شیرو نے انتہائی ضبط کا مظاہرہ کیا۔ "میں سیدھا سادا سپاہی ہوں، کوئی سیاسی لیڈر نہیں کہ تمہاری باتوں کی تہہ تک پہنچ سکوں۔ میرا کام صرف حکم کی تعمیل کرنا ہے اور بس۔ جموں میں کیا ہوا؟ پونچھ میں کیا ہو گا؟ مجھے ان باریکیوں کا کیا پتہ!"

"اور ہاں" حوالدار غلام محمد نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ "یاد رکھو نفرت کا ردعمل صرف نفرت ہوتا ہے ——— نفرت! جب پونچھ پہنچ کر یہ مسلمان بے چارے اپنے بھائیوں کا حال دیکھیں گے تو ہندوؤں کے لیے ان کے دل میں نفرت کا جذبہ اور مستحکم ہو جائے گا اور یہ نفرت صرف جموں یا پونچھ کے نہیں، سارے کشمیر کے ہندوؤں کے لیے ہو گی۔ تب کیا کرے گا یہ شیخ عبداللہ ——— شیر کشمیر؟" آخری الفاظ اس نے خاصے طنزیہ اور حقارت سے ادا کیے تھے۔

"تم یہ سب کچھ مجھے ہی کیوں سنا رہے ہو؟" شیرو بالآخر پھٹ پڑا۔ سیکشن کے باقی تمام ہوم گارڈز انہیں چونک کر دیکھنے لگے۔

"سنو ———" حوالدار غلام محمد کی آواز خاصی بلند تھی۔ وہ اپنے انجام سے بے خبر نظر آ رہا تھا۔ "تم سدھن ہو۔ تمہیں شرم آنی چاہیے۔ وہاں تمہارا قبیلہ ہندوؤں کے ساتھ زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہا ہے اور تم یہاں منہ اٹھا کر امن قائم کرنے آ گئے ہو۔" شیرو مسکرا کر چپ ہو رہا۔

ٹرک ناسری نالے کے پاس پہنچ کر رک گیا۔ شاید ان کا سیکشن کمانڈر پل کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔

"وقت وقت کی بات ہے۔" غلام محمد پھر بولنا شروع ہو گیا۔ "میں ۲۵ اکتوبر کو مہاراجہ کو بھی جو سری نگر سے بھاگ کر جموں جا رہا تھا، رکنا پڑا تھا۔ اس نے شاید اسی جگہ کھڑے ہو

کرپو شہر سے آنے والے سکھوں سے کہا تھا "خالصہ! راج ہاتھ سے جا رہا ہے — اسے بچا لو۔" اور جانتے ہو خالصہ جی نے راج دربار کو بچانے کے لیے کیا کیا؟" وہ شیرو کے کندھے پر ہاتھ مارا ہوا ترپال کو ایک طرف ہٹا کر باہر کا جائزہ لے رہا تھا۔ "انہوں نے اس روز بونٹ میں پہلا حملہ کیا اور بے خبر اور نہتے مسلمانوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ مظفر آباد اور راولپنڈی کے سکھوں نے اپنا سارا غصہ بونٹ کے نہتے مسلمانوں پر نکالا۔ اب وہاں کیا رہ گیا ہے؟" حوالدار غلام محمد خاموش ہو گیا۔ اس نے بھگمن داس کو اس طرف آتا دیکھ لیا تھا۔ شاید وہ ان لوگوں کو تازہ ہدایات دینے آ رہا تھا۔

"تم لوگ ذرا 'آرام' کر لو۔ ہم یہاں پانچ دس منٹ ٹھہریں گے۔"

تمام لوگ ایک ایک کر کے نیچے اتر آئے اور ہاتھ پیر ہلا کر اپنے شل ہوتے اعصاب اور جسموں کو حرارت پہنچانے لگے۔

——اس سیکشن میں صرف یہی تین آدمی' ڈرائیور' بھگمن داس اور غلام محمد ان کے لیے اجنبی تھے' باقی تمام لوگ وہی تھے جو پونچھ سے اپنے سر ہتھیلیوں پر رکھ کر آئے تھے۔ وہ سب شیرو کے صرف ایک اشارے پر کسی بھی لمحے کچھ بھی کر گزرنے کو تیار تھے۔ شیرو نے بونٹ سے پہلے ہی کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگر غلام محمد ان کے ساتھ نہیں تھا تو وہ ان کی مخالفت بھی نہیں کر سکتا تھا۔

انہیں یہی مشن سونپا گیا کہ ٹرک پر قبضہ کر کے اپنی اصلیت چھپاتے ہوئے وہ لوگ بونٹ میں موجود بھارتی فوج پر نقب لگائیں۔

یہ دس منٹ شام کو پورے ہوئے۔ بعد میں بونٹ پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ یہاں خصوصی ہدایت کے تحت روکا گیا تھا کیونکہ ابھی مقامی ہندوؤں اور سکھوں کے لیے بونٹ کے نواحی دیہاتوں میں "شکار" موجود تھا اور وہ لوگ دوران شکار ہوم گارڈز کے اس سیکشن کو جس میں زیادہ تعداد مسلمان سپاہیوں کی ہے' یہاں بلا کر کباب میں ہڈی بنانے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

☆○☆

شام کے گہرے سائے بونٹ کی نحوست کو چار چاند لگانے کے لیے اب آہستہ آہستہ اسے اپنے دامن میں سمیٹ رہے تھے۔

——ابھی ان لوگوں نے ناری جگہ عبور کیا ہی تھا جب اچانک ٹرک ایک دھچکے سے رک گیا۔ اس طرح کا احساس ہوتے ہی تمام سپاہی پھرتی سے چھلانگیں لگا کر نیچے اتر

گاڑی میں ایک بوڑھا کشمیری [illegible] دن میں گھرا ہوا تھا اور ایک نیم پاگل عورت کو ایک بوڑھے کشمیری نے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ ڈرائیور اور بھگمن داس کی جھپٹ رہی تھی۔ ان دونوں کی آنکھوں سے [illegible] ان کے درمیان سے نکل کر آگے بڑھا۔ اس نے حوالدار غلام محمد نے انہیں مخاطب کیا تھا۔ دونوں مقامی دیہاتی نظر آ رہے تھے۔

"نہیں" بوڑھے نے سسکی آواز میں کہا۔ "پگلی ہے یہ۔ میری زبان میں —— نہیں —— آپ لوگ جائیں۔"

"ظالموں نے مار ڈالا۔ ادھر بھدرواہ میں میری بیٹی چھین لی۔ یہاں اس کو مار ڈالا —— مار ڈالا۔" وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر بھگمن داس کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے چلا رہی تھی۔ بوڑھے نے اس کے منہ پر ہاتھ جما کر اس کی آواز بند کر دی۔ خوف اور دہشت سے اس کا رنگ پیلا پڑ رہا تھا جب کہ عورت بپھری ہوئی شیرنی نظر آ رہی تھی۔

اس کارنامے کا مطلب سب کی سمجھ میں آ گیا۔ اس بدنصیب کی لڑکی کو وہاں بے آبرو کر کے قتل کر دیا گیا تھا اور جب یہ جان بچا کر سری نگر کی طرف بھاگ رہے تھے تو ٹرک ڈرائیور نے لاپروائی سے اس کے بچے کو مار ڈالا۔ صوبیدار بھگمن داس اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"بکتی ہے سالی۔" کہہ کر اس نے اپنا ریوالور سیدھا کیا اور عورت پر گولی داغ دی۔

بیک وقت دو فائر ہوئے تھے۔ ایک گولی بھگمن داس کے پستول سے نکلی اور پاگل عورت کے سینے میں لگی جسے بوڑھے کشمیری نے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ خون میں بھیگ گئے۔ دوسرا فائر حوالدار غلام محمد نے کیا تھا۔ گولی صوبیدار بھگمن داس کی پشت پر لگی اور وہ منہ کے بل آگے جا گرا۔ اس سے پہلے کہ وہ معاملے کی نوعیت جان سکتے' شیرو نے گن کا بولٹ کرنے کی آواز سنی۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا فائر ہوا اور گولی بھگمن داس کی کھوپڑی کو توڑتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔

ٹرک ڈرائیور نے اپنی اسٹین گن سیدھی کی ہی تھی کہ شیرو کی گن سے نکلی گولیوں نے اسے چاٹ لیا۔ سبھی لوگ بھونچکے سے وہاں کھڑے تھے۔ یہ سارا عمل اتنی تیزی سے اور اچانک انجام پایا کہ کسی کو اپنی جگہ سے ہلنے کی مہلت بھی نہ ملی۔

سب سے پہلے شیرو ہی اس عورت پر جھکا جو اب بوڑھے کشمیری کے ہاتھوں سے نکل کر

زمین پر جا پڑی تھی۔ اس کا منہ کھل گیا تھا اور آنکھیں حلقوں سے پھٹ کر ابل رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ کوئی سپاہی اپنی بوتل سے پانی اس کے منہ میں ڈالتا' ایک ہچکی نے اس کی سانسوں کا تمبو بکھیر کر رکھ دیا۔

"بخدا بے غیرتوں کے لیے پونچھ کی سرزمین بھی تنگ نہ تھی کہ ہم یہاں [illegible]" شیرو نے حوالدار غلام محمد کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنی طرف متوجہ کیا۔ "ہم لوگ یہاں آئے ہیں تو اس لیے کہ جس حد تک ممکن ہو دشمن کو نقصان پہنچائیں اور یہ تحریک صرف پونچھ ہی تک محدود نہ رہے' سارے کشمیر میں پھیل جائے۔"

چاچا غلام محمد نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جن میں بیک وقت محبت اور عقیدت کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ "میں فوج سے ریٹائر ہو چکا ہوں بیٹا' لیکن ابھی ان ہاتھوں میں اتنا دم ہے کہ یہ بڑھ کر دشمن کا گلا گھونٹ سکیں۔ میں تمہارے جذبے کو سلام کرتا ہوں۔ میں پونچھ کی ماؤں پر سلامتی بھیجتا ہوں جنہوں نے کشمیر کو ایسے غیرت مند سپوت بخشے [illegible] کبھی پیچھے نہ پاؤ گے۔"

"یہ سب ہمارے ساتھی ہیں اور پونچھ سے ہم اکٹھے آئے ہیں۔" شیرو نے تمام [illegible] باقی مجاہدین کی طرف سے بھی مطمئن کر دیا۔

بوڑھے کشمیری کی داڑھی بھی آنسوؤں سے بھیگ رہی تھی۔ وہ سسکیاں لے کر رو رہا تھا۔ کبھی وہ بے بسی سے روتے روتے بچے کی لاش پر نظر ڈالتا' کبھی پاگل عورت کی لاش پر اور بچوں کی طرح سسکنے لگتا۔ پھر اچانک جیسے اسے چپ لگ گئی۔ اس نے اپنی میلی کچیلی قمیص کے پلو سے اپنا چہرہ صاف کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں رائفل چلانا جانتا ہوں۔" اس نے شعلے برساتی نظروں سے شیرو کو مخاطب کیا۔

"اسے ایک وردی دے دو۔ دونوں لاشیں دفن کر دو اور ان دونوں کو اٹھا کر ان کھڈ میں پھینک آؤ۔" اس نے بچن داس اور ڈرائیور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے احکامات جاری کیے۔ "ان کی تلاشی اچھی طرح لے لینا۔"

مرنے والوں میں سے ایک کی رائفل اور گولیوں کا پٹہ اس نے بوڑھے کشمیری کو تھماتے ہوئے کہا۔ "ہم ان دونوں کا انتقام بھارتی فوج سے ضرور لیں گے۔ بلکہ انہیں ہزاروں معصوموں کے خون کے ایک ایک قطرے کا حساب دینا ہو گا۔"

سپاہیوں نے دونوں لاشیں کدالوں سے گڑھے کھود کر وہاں دفن کر دیں اور باقی دونوں کو گہری کھائی کی نذر کر دیا۔ اب ان سب کی کمان عملاً شیرو کے ہاتھ میں تھی جو حالات نے

[illegible] ایک سپاہی مارا گیا تھا۔ اس نے اپنے [illegible] لوگوں سے ایک بات [illegible] سے مخاطب ہوا۔ [illegible] الحمد للہ آج وہ پورے کرنے کا موقع [illegible] ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی نصیب [illegible] خدا کے حضور دعا کریں۔ [illegible] اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے جوانوں کو [illegible] ان لوگوں نے آگے بیان [illegible] کی موت کے متعلق وہ کہانی سنبھالی جو ان لوگوں کی طرف روانہ ہو [illegible] حوالدار غلام محمد نے سنبھالی اور ٹرک بونٹ کی طرف [illegible] شہر کے باہر ہی بنے [illegible] سری نگر سے آنے والی سڑک پر "مقامی پولیس" کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ وہ [illegible] امن و امان قائم کرنے میں موجود انسپکٹر اشونی کمار ان کا منتظر تھا۔ [illegible] ڈاک بنگلے پر [illegible] سنبھلنے سے پہلے ہی [illegible] ہم پر اچانک حملہ ہوا اور ہمارے [illegible] میرا نام پر لب شاکر ہے اور میں ہی اب اس کیشن کا [illegible] شیرو نے اشونی کمار کے کچھ پوچھنے سے پہلے ساری کہانی سنا دی۔

"کون تھے حملہ آور؟ یہاں سے تو کوئی......" اشونی کمار کچھ کہتے کہتے چپ ہو گیا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔

شیرو کو بات کی تہہ تک پہنچنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے اشونی کمار کی آنکھوں میں جھانکا جو اس سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں پا رہا تھا۔ "یہ تمہارے کام نہیں انسپکٹر۔ ہمارا درد سر ہے کہ وہ کون تھے۔ میرے خیال میں شاید وہ حملہ [illegible] تخریب کار تھے۔" اپنی کہی ہوئی بات کا ردعمل تلاش کرنے کے لیے اس نے دوبارہ انسپکٹر اشونی کمار کی آنکھوں میں جھانکا۔

"لیکن یہاں؟" اشونی کمار نے حیرت سے کہا۔

"اچھا انسپکٹر! جے ہند۔" شیرو نے مزید گفتگو سے بچنے کے لیے کہا۔ "مجھے اپنے جوانوں کے لیے لنگر کا انتظام بھی کرنا ہے۔" اور وہ آگے بڑھ گیا۔

"جے ہند!" انسپکٹر اشونی کمار کے منہ سے نکلا اور وہ بنگلے کی طرف جاتے شیرو کو دیکھنے لگا۔

☆○☆

رات ایک پہر بیت چکی تھی۔ ڈاک بنگلے کے بندو چوکیدار نے ان کے کمرے میں ایک

طرف لکڑیوں کا گٹھا کر رکھ دیا۔ پھر لکڑیاں آتش دان میں رکھ کر جب [illegible] جاتے جاتے اس نے دروازے کے پاس کھڑے ہو کر پہلے ہاتھ ملتے ہوئے، پھر [illegible] دانت نکال کر بولا۔

"مہاراج جی! یہاں سب سے قیمتی چیز لکڑی ہے۔ اس موسم میں تو خاص طور [illegible] میرے لائق کوئی سیوا ہو تو ضرور بتائیے۔ ادھر کری کا سارا بندوبست موجود ہے [illegible] ہے جو مسلمان چھوکریاں آتی ہیں نا، ایک دم پٹاخہ ہیں صاحب ---- ایک دم پٹاخہ [illegible] سونی لاج میں رہتے ہیں وہ لوگ۔"

"بکو مت اور دفع ہو جاؤ۔" شیرو کا ساتھی ضبط نہ کر سکا۔

چوکیدار نے اس ڈانٹ کو صاحب لوگوں کا "نخرہ" جانا اور ہاتھ باندھتا ہوا باہر نکل گیا۔ پچھلے پندرہ سال سے اس ڈاک بنگلے کی چوکیداری کے ساتھ ساتھ یہاں آنے والے "صاحب لوگوں" کی اسی طرح خدمت انجام دے رہا تھا اور اب کافی حد تک ان صاحبوں کے مزاج سے آشنا ہو چکا تھا۔

"صبح ہونے پر ہی حالات کا صحیح اندازہ کیا جا سکے گا۔" شیرو نے چٹختی لکڑیوں پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"ہاں اس کے بعد ہی کوئی منصوبہ بندی ہو گی۔ میرے خیال سے ہم لوگوں کو جلد از جلد جموں کی طرف نکلنا چاہیے۔" اس کے سری نگر والے ساتھی نے جواب دیا۔

دونوں لیٹنے کے ارادے سے کمرے کی دیوار کے ساتھ زمین پر بچھے اپنے بستروں کی طرف چل دیے ---- باقی گارڈز دوسرے کمروں میں موجود تھے۔

"---- کی ممکنہ "شرارت" کو شیرو نے نظر انداز نہیں کیا تھا۔ وہ حوالدار غلام محمد کے زیر کمان دس جوان اس ڈاک بنگلے کے گرداگرد باری باری پہرہ دے رہے تھے۔ اس نے خود کو تو اشونی کمار کے سامنے ہندو ظاہر کر دیا تھا، لیکن اشونی کمار کو یہ علم تھا کہ باقی تمام [illegible] گارڈز مسلمان ہیں۔ یہاں یہ تاثر عام پایا جاتا تھا کہ شیخ عبداللہ اپنی سیاسی طاقت بڑھانے کے لیے ہوم گارڈز میں مسلمانوں کی تعداد بڑھاتا چلا جا رہا ہے اور اس بے چارے کے "منصوبہ امن" میں بھی متعصب ہندوؤں نے کیڑے نکالنا شروع کر دیے تھے۔

ساری رات شیرو [illegible] کے مرغزاروں میں زہرہ کا تعاقب کرتا رہا۔ کبھی وہ سیبوں سے [illegible] کی جھکی ہوئی ڈالیوں سے، کبھی کسی شوریدہ سر ندی کی لہروں کے دوش پر [illegible] پہنچ جاتا جہاں وہ ان لوگوں کو چھوڑ کر آیا تھا۔ ہر جگہ، ہر موڑ پر

[illegible] اپنا مقصد [illegible] ایک ہندو اور [illegible] اور [illegible] مقامی پولیس [illegible] ان دونوں کو [illegible] جرم [illegible] ڈاک بنگلے سے [illegible] بنگلے کی طرف تھا جس کے مسلمان [illegible] کو قتل کر [illegible] کیا تھا۔

☆○☆

ابھی دونوں بنگلے کی حدود ہی میں تھے کہ رات والا چوکیدار انھیں اپنی سمت آتا دکھائی دیا۔ اس نے ایک فوجی کمبل اپنے جسم پر اچھی طرح لپیٹ کر خود کو سردی سے بچانے کا خاطر خواہ بندوبست کر رکھا تھا۔ شیرو نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے ساتھی کو پرسکون رہنے کی ہدایت کی۔

"جے ہند مہاراج جی!" اس نے سرکس کے بندروں کی طرح ہاتھ باندھ کر بتیسی دکھائی۔

"کیسے ہو؟" شیرو نے زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی۔

"کرپا ہے بھگوان کی مہاراج جی۔ ایک خبر سنانے آیا ہوں۔ ابھی ابھی ایک آدمی پہنچا ہے بھدرواہ سے۔ ارے میں بھی کیا بیوقوف ہوں، پہنچا تو وہ مہاراج جی رات کو تھا، مجھے ابھی [illegible]۔ ادھر جو کمپنی ہے نا ہوم گارڈز کی، اس نے اپنے پٹھان کمانڈر کو مار ڈالا ہے۔" اس نے بڑی مکاری سے آنکھ دبائی اور بولا۔ "بے چارہ ہندو تھا نا۔ یہ سالے مسلمان اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔ ایسے واقعات تو ہوم گارڈز میں اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں تمام خبریں پہنچ جاتی ہیں۔ وہ تو بھگوان بھلا کرے سنگھ (جن سنگھ) والوں کا، جو کشتواڑ سے وہاں پہنچے اور انھوں نے راتوں رات مسلمانوں کا وہ حشر کیا کہ بس سالوں کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا ہو گا۔ کچھ مال ادھر بھی پہنچا ہے مہاراج جی۔ ایک دم گرم مال ہے۔ کہیے تو آج رات ----" اس نے دوبارہ اپنی ایک آنکھ دبائی۔ "ادھر سونی لاج پر جو گارڈ انچارج ہے نا، پولیس کا حوالدار بہوت رائے، پکا یار ہے اپنا۔ بس آپ کے اشارہ کرنے کی دیر ہے مہاراج۔"

"اچھا ---- اچھا اپنے کام سے کام رکھو۔ زیادہ باتیں نہ کیا کرو۔" شیرو نے وہاں سے آگے بڑھ جانے کا ارادہ کیا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ اس کے ساتھی نے صبر [illegible] جھٹک کر ہے۔

HBC

"ایک بات ہے سردار۔ ان مسلمانوں سے ذرا ہوشیار ہی رہیو کہ ہم لوگ ادھر
ہے۔" اس نے چلتے چلتے نظر ان کی سمت اچھال دی اور "سب ہندو کر کے ...
"سوہنی لان" کے قریب سے گزرتے ہوئے دونوں کے پیچھے ہم اور پیسے کی ...
پٹنے جا رہے تھے۔ لیکن ابھی کچھ کرنے کا وقت نہیں آیا تھا۔ شیرو کو یہی نکتہ ... حملہ
طرح یاد تھا۔ "ہمارا ایک غلط قدم نہ صرف ان سب لوگوں کو مروا دے گا بلکہ تحریک
اپنے ابتدائی مراحل میں زبردست سانحے سے دوچار ہو جائے گی اور جانے ہم یہ حملہ
برداشت کر سکیں گے یا نہیں۔"

دونوں سوہنی لان کے قریب سے بغیر آواز پیدا کیے گزر گئے تھے اور ان کا رخ اب ہر
ہوٹل کی طرف تھا جسے مقامی لوگ "ترخیوجی ہوٹل" کہتے تھے۔ ان کی آمد سے پہلے آمد کی
خبر ہوٹل میں پہنچ چکی تھی۔ جبھی تو وہ موٹا سا سکھ سردار جو سامنے کاؤنٹر کے ایک کونے میں
روم کے ایک گدے پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا، انہیں دیکھتے ہی لپکا اور ان تک جا پہنچا۔

"ست سری اکال جی ——— ست سری اکال! جی آیاں نوں! دھن بھاگ، ہمارے تو
بھاگ جاگ اٹھے، کیزی کے گرنام آ گئے مہاراج۔"

"چائے کے ساتھ جو بھی تمہارے پاس تیار ہے لے آؤ۔" شیرو کے ساتھی نے اس کی
مزید بکواس سے بچنے کے لیے جان چھڑائی۔

"لو جی۔" اس نے وہاں موجود ایک لڑکے کو آواز دی۔

"آیا باؤ جی۔" کاؤنٹر کے پیچھے سے ایک سر نمودار ہوا۔

تھوڑی ہی دیر میں چائے اور پوریاں ان کی میز پر موجود تھیں۔ اس دوران موٹا سکھ
مسلسل ان کا دماغ چاٹتا رہا۔ "ادھر مظفر آباد میں اپنا ہوٹل تھا جی، لیکن ایسا نہیں۔ واہ گرو
جی کی کرپا سے اس سے تین گنا بڑا ہوٹل مل گیا۔ واہ مالکا تیری لیلا بھی نیاری ہے۔ سنتے ہیں
جی کہ اس کا مالک کوئی ... شاہ تھا اسے بلوائیوں نے مار ڈالا۔ بڑے ظالم لوگ ہیں جی یہ
ڈوگرے۔" وہ اپنی ترنگ میں کہہ تو گیا لیکن فوراً ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ "کیا
کریں جی۔ وہ بھی مجبور ہیں بے چارے۔ ادھر پٹھانوں نے بھی تو ان کے ساتھ برا کرنے میں
کوئی کسر نہیں چھوڑ رکھی۔ مہاراج جی! ایک رات میں سات ہزار ڈوگرے تو انہوں نے بارہ
مولا میں ... "

... بکتا رہا۔ دونوں کے کان تو اس کی گفتگو پر ہی لگے تھے، لیکن ذہن
... سردار کی گفتگو کا سلسلہ دو فوجیوں کی آمد پر ٹوٹا۔ دونوں ایک

... لڑکھڑاتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے ...
کہا۔ "ہم بہت صبح ہی صبح نکل پڑے۔" سردار نے ... بیٹھا ہوا ... کی طرف
بڑھا۔ "واہے گورو ——— واہے گورو۔ ست کرو نام تمہارا ..." اس نے ...
دیا۔

"اوئے موٹے کیا ہے تیرے پاس؟" ان میں سے ایک لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولا۔
"ابھی لاتا ہوں مہاراج جی۔" اس نے جان چھڑانی چاہی، لیکن وہ تو اس کی جان کو آ
گئے تھے۔

"اوئے موٹے۔ وہ سالا پانی لوگ کدھر ہے ——— پانی لوگ، جن کے پاس گرم گرم
گرم مال ہوتا ہے۔ کشمیر کا پانی لوگ تو ادھر مہاراشٹر میں بہت مشہور ہے لیکن ادھر
تو ———" مرشد حوالدار کی آواز نشے سے لڑکھڑانے لگی تھی، پھر نجانے انہیں کیا ہوا۔ شیرو
پر نظر ڈالتے ہی وہ نارمل ہو گئے۔ شاید انہیں ہدایات ہی ایسی دی گئی تھیں۔ موٹا سردار
دوبارہ ان کے نزدیک آ کر بیٹھ گیا۔

"اوئے ——— کہاں مر گیا ہے اوئے تو ———!" اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے لڑکے کو آواز
دی جس نے حسب سابق کاؤنٹر کے پیچھے سے سر نکال کر اس کی طرف دیکھا۔ "فوراً
گرم پوریاں نکال صاحب لوگوں کے لیے ——— اور تازہ پتی کی چائے بنا کر لا۔"

"لایا سردار جی۔" لڑکا دوبارہ کاؤنٹر کے پیچھے غائب ہو گیا۔

"مہاراج جی! یہ جو سالا اشوک کمار ہے نا ——— یہ سب اسی کا کیا دھرا ہے۔ بڑا بدمعاش
آدمی ہے۔ اس نے تو مہاجروں کے ناک میں دم کر رکھا ہے اور ہوم گارڈز والوں کا تو دشمن
ہے دشمن ——— اسے ہر مسلمان پر شک رہتا ہے کہ وہ ڈوگروں کے خلاف ہے۔ پہلے تو
ہمارے پیچھے بھی کافی دیر تک لگا رہا ——— بڑی مشکل سے جان چھڑائی ہے ہم نے اس سے۔"

"اچھا سردار جی۔ ہم چلتے ہیں۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ ادھر ڈاک بنگلہ میں ہم لوگ
رہتے ہیں۔ کوئی بات ہو تو چلے آنا ——— پر تم فکر نہ کرو ہم ہے سیر اور جو تمہارا اشوک کمار
ہے نا ——— اس سے تو میں نمٹ لوں گا۔" شیرو نے سردار کے "ہاں ہاں" کرنے کے باوجود
اسے بل ادا کیا اور دونوں باہر نکل آئے۔

ہوٹل کے باہر دھند اور سورج کی طویل لڑائی اپنے اختتام کو پہنچ چکی تھی اور فضا میں
دھند غائب ہو گئی تھی۔ ان کے چاروں اطراف سبزے پر شبنم کے قطرے اب بھی چمکتے

HBC

[illegible]
دونوں اس کی طرف دیکھے بغیر آگے بڑھ گئے۔

☆○☆

سہول کی حالت مسلسل اور بھرپور تشدد سے اس قابل نہیں رہی تھی کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑا بھی رہ سکے۔ یہ تو اس کی مضبوط قوت ارادی تھی جس نے کسی کمزوری کو اس کے نزدیک نہ پھٹکنے دیا اور کسی نہ کسی طرح دو چار روز ہی میں وہ اپنے پاؤں پر نہ صرف کھڑا رہنے بلکہ چلنے کے قابل بھی ہو گیا تھا۔

بجر رام سنگھ کی موت کی خبر نے اسے خوشی کے بجائے مایوس کر دیا تھا۔ سہول نے قسم کھائی تھی کہ وہ خود موذی کو اپنے ہاتھوں اس کے بھیانک انجام تک پہنچائے گا اور وہ اب اپنی اس قسم کا کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا، مگر دیکھتے ہی دیکھتے حالات نے اتنی تیزی سے پلٹا کھایا کہ سہول اور اس کے ساتھی سوائے بے بسی سے تماشا دیکھنے کے اور کوئی کارنامہ انجام نہ دے سکے۔

پونچھ کی جاگیر کا دارالحکومت یہی پونچھ شہر تھا جس کی ۳ لاکھ ۸۲ ہزار مسلم اور ۳۹ ہزار غیر مسلم آبادی زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہی تھی۔ اس شہر کی خصوصی جنگی اہمیت کے پیش نظر فوج کو سختی سے حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے مورچوں سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹے۔ کوٹلی اور آزاد پتن سے دشمن کو رگیدتے ہوئے مجاہدین نے اسے پونچھ میں محصور کر دیا تھا۔ دوسری طرف وہ لوگ سالم حویلی اور مینڈر کی تحصیلوں سے گزرتے راجوڑی تک آ گئے تھے۔ دشمن کے لیے پونچھ شہ رگ کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ یہ شہ رگ کٹ جاتی لیکن اپنوں کی سیاہ کاریاں رنگ لائیں اور ایک شاندار فتح کا موقع جان بوجھ کر ہاتھ سے نکل جانے دیا گیا۔

یہ کشمیر کی تاریخ حریت کا وہ اندوہناک باب ہے جس پر ماضی کی گرد گہری ہوتی جا رہی ہے، لیکن اس میں چھپے المناک سوالوں کے جواب مورخ کو اس لیے بھی میسر نہ آ سکے کہ

[illegible]
کے ایک کونے پر غازی امیر محمد خان شدید زخمی حالت میں بھی اپنے جوانوں [illegible] کرتے رہے لیکن ــــ منصوبہ ادھورا رہا۔ دوسری طرف سے عبدالقیوم خان نے حسب منصوبہ کے مطابق شہر پر باہر سے چاروں اطراف سے حملہ کر [illegible] تھی؟ حملہ ملتوی کیوں کیا گیا؟ جب کہ شہر پونچھ کی فتح بس چند گھنٹے انتظار کرنے کی بات تھی۔ اس سوال کا جواب نہ "مجاہد اول" کے پاس ہے نہ ہی تاریخ کے پاس ــــ!

غازی امیر خان اپنے درجنوں جوانوں کو شہید کروانے کے بعد ہی اپنے ساتھیوں اور زخمیوں کو کندھوں پر اٹھائے واپس آ گئے کیونکہ اب شہر کے اندر لڑنا سوائے حرام موت مرنے کے اور کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔

شہر کے اندر موجود مجاہدین اپنی معمولی رائفلوں اور ایک آدھ برین گن کے ساتھ دشمن کو "سناپنگ" یا پھر اکا دکا معمولی نوعیت کے شب خون مارنے کے علاوہ اور کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔

غازی امیر خان کے دلیرانہ حملے کی ناکامی کے فوراً بعد کشمیر اور بھارت کے الحاق کے تحت بھارتی فوجیں سارے کشمیر میں پھیل گئیں۔ پونچھ میں موجود "لینڈنگ گراؤنڈ" پر بھارتی فوجیوں سے بھرے جہاز اترتے اور چڑھتے رہے۔ معمولی رائفلیں ان کا کیا بگاڑ سکتی تھیں؟

پونچھ کے باہر مجاہدین کا محاصرہ اب خاصا سخت ہو گیا تھا، لیکن ایک روز جب زخمیوں اور بیماروں کو شہر سے نکالنے کے بہانے تھوڑی دیر کی فائر بندی عمل میں آئی تو بریگیڈیئر پریتم سنگھ کے زیر کمان بھارتی فوج کا پورا بریگیڈ بڑی ہوشیاری سے شہر میں داخل ہو گیا اور

HBC

محاصرے پر مامور کشمیری فوج اس تماشے سے محظوظ ہوتی رہی۔
بعد ازاں بریگیڈ کے شہر میں داخل ہوتے ہی وہاں کا نقشہ بدل گیا۔ ان لوگوں نے شہر کے چاروں اطراف زبردست مورچہ بندیاں کر کے شہر کو اب ناقابلِ تسخیر قلعے میں تبدیل کر دیا تھا۔

☆○☆

"حالات تمہارے سامنے ہیں دوستو۔" امیر خان نے اپنے سامنے موجود پانچوں کو مخاطب کیا۔

"پی خان نے آخری ہدایت یہی بھیجی ہے کہ ہم اپنی صوابدید کے مطابق کوئی فیصلہ کریں۔ ہمارے لیے سری نگر اور وہاں سے پھر جموں تک جانے کا بندوبست بھی ہو چکا ہے۔ اب میں معاملہ تم پر چھوڑتا ہوں۔"

"یہ آخری ضرب ضرور لگانی ہوگی امیر خان!" سجاول کی کہی بات کے پیچھے کارفرما محرکات کا امیر خان کو اندازہ تھا، پھر بھی اس نے ایک کمانڈر ہونے کی حیثیت سے اپنے باقی ساتھیوں کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔ وہاں موجود ہر شخص آتش فشاں پہاڑ کی طرح کسی بھی لمحے پھٹ جانے کو تیار تھا۔ پھر ایسے "غنیمت" مواقع سے فائدہ نہ اٹھانا ان کے نزدیک کفرانِ نعمت کے مترادف تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ لوگ ایک "ہدف" منتخب کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اب وہ اس پر آپس میں بحث کر رہے تھے۔ ان کا انتخاب دریائے پونچھ کے کنارے دشمن کا ایک کیمپ تھا جہاں محفوظ بنکروں سے وہ لوگ مجاہدین پر دن رات آگ برسایا کرتے تھے۔

زمین پر ایک کاغذ بچھا کر امیر خان نے ماہر جرنیلوں کی طرح اس پر لکیریں کھینچ کر ان لوگوں کو اس مورچے کے گرداگرد موجود رکاوٹوں اور مشکلات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے مرو گوجر کو یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ وہ کل رات کو اس علاقے میں "ریکی" کر کے دشمن کی پوزیشنوں کا ایک مرتبہ پھر قریب سے جائزہ لے لے تاکہ وہاں عمل میں آئی کسی بھی ممکنہ تبدیلی سے وہ لوگ آگاہ ہو سکیں اور ضرورت کے مطابق اپنے پلان میں تبدیلی کر سکیں۔

دوسرے ہی روز پھر رات گئے وہ لوگ اکٹھے ہو گئے۔ مرو گوجر کے سامنے وہی نقشہ موجود تھا اور وہ اندازے سے پہلی لکیروں سے کچھ مختلف لکیریں کھینچ رہا تھا۔ اس کی بڑی بڑی لکیروں کا ایک مرکزی نقطہ بہرحال تھا۔

"یہ وہ مورچہ ہے جہاں ان لوگوں نے "میڈیم گن" حال ہی میں نصب کی ہے۔" اس

نے امیر خان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پرجوش لہجے میں کہا۔
"ضرورت ہے۔ "حیدر اتری" والے یہاں تک کہیں سے [illegible] تم تینوں اس سے اچھی طرح واقف ہو؟ جانے کا خطرہ نہیں آ رہا۔" امیر خان بولا۔
"ایک جگہ میں نے ایسی تلاش کر لی ہے امیر خان!" [illegible] "وہ گوجر کالا" [illegible] کے ذریعے اس "بنکر" کا بخوبی جائزہ لے سکتے ہیں۔"
"ٹھیک ہے۔ ہم صبح اسے دیکھ لیں گے۔" امیر خان بولا۔ "تم لوگ [illegible] یہاں سے [illegible] والے ہو؟" اس واحد اس کے مطالب وہ دو افراد تھے جو اس سے پہلے اس مہم میں اس کے ساتھ حصہ لے چکے تھے۔

اپنی تنظیم کے اصول کے مطابق اس نے ابھی تک تعارف حاصل نہ کیا تھا۔ ان لوگوں سے یہ تیسری ملاقات تھی۔ امیر خان شاید یہ بات دریافت نہ کرتا لیکن انسان کی فطری کمزوری آڑے آئی کہ وہ اپنے ہم کار کے متعلق کچھ متجسس رہتا ہے۔

"میں پلندری سے آیا ہوں۔ یہ یہاں کا مقامی ہے۔" ان میں سے ایک نے مختصر سا جواب دیا۔

امیر خان کو اس کے جواب نے احساس دلایا کہ اس کو ان دونوں سے یہ سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔ "اصل میں، میں یہ چاہتا تھا کہ تم میں سے ایک ہمارے ساتھ جائے جو اس علاقے کی واقفیت رکھتا ہو۔ یہاں ہمارے اس مختصر ٹھکانے کی حفاظت کے لیے بھی کسی نہ کسی کا رہنا تو ضروری ہے، پھر ہم میں سے کوئی ایک تو بچ جائے جو ہمارے احوال کی خبر پی خان کو پہنچا سکے۔" اس نے نوواردوں کو مطمئن کرنے کے لیے کہہ دیا۔

وہ رات انہوں نے اکٹھے ہی باری باری پہرہ بدل کر اپنے ٹھکانے پر گزاری۔ صبح جب شہر کے کسی کونے سے اذان کی آواز بلند ہوئی تو سجاول، امیر خان اور مرو گوجر دونوں ساتھیوں کو وہیں چھوڑ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ طاقت ور شیشوں کی ایک دوربین امیر خان نے اپنے گلے میں لٹکا کر اس پر کمبل اوڑھ رکھا تھا۔ اس کے دونوں ساتھیوں کی اسٹین گنیں بھی اسی طرح ان کے جسموں سے چپکی ہوئی تھیں۔

ان کے مطلوبہ مقام تک پہنچنے تک جہاں سے انہوں نے "بنکر" کا نظارہ کرنا تھا، سورج نہیں نکلا تھا، لیکن پرندوں کی ملی جلی آوازیں اکا دکا فائروں کی آوازوں کے درمیان اپنا راگ الاپ رہی تھیں۔ تینوں یخ بستہ پتھروں پر چلتے اس جگہ پر پہنچے تھے۔ پہاڑوں کی سربفلک چوٹیاں نیلے آسمان پر پھیلتی ایک پراسرار سی سرد روشنی میں اب ان کے سامنے نمایاں ہو رہی

تھیں۔

تینوں دم سادھے ایک ڈھیلی چٹان سے چپکے بیٹھے تھے۔ اس [illegible] تک فنی مورچوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ صرف وہی راستہ محفوظ تھا جس [illegible] کو برف کی سردی میں سفر کرتے ہوئے آئے تھے۔ اسے گزر کر [illegible] چٹانوں اور اونچے نیچے ٹیلوں میں بکھر کر یہاں تک پہنچے تھے۔ سردی اور ماحول کی پراسراریت کے سبب بڑے احساس نے انہیں دم سادھ کر چپ بیٹھے رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ دم توڑتے اندھیرے میں جہاں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حد نظر تک جائزہ لیا تو [illegible] کو دل ہی دل میں داد دیئے بغیر نہ رہ سکا کہ اس کے دشمن کے مورچوں کے عین درمیان ایسی جگہ ڈھونڈی تھی جہاں کسی بھی "سرچنگ جوڑ" کا دھیان ہی نہ جا سکتا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے سورج کی پہلی کرن چمکی اور خوشبو کی طرح ان کے احساس کی گہرائیوں میں رچ گئی۔ وادی جنت نظیر نے گھور اندھیروں کا سیاہ غلاف اتار پھینکا تھا۔ یہاں دشمن کے بیچوں بیچ بیٹھے ان تینوں سرفروشوں نے جیسے اپنی زندگیوں پر پڑے خول کو بھی اتار کر ایک طرف رکھ دیا تھا۔ ان جسموں نے نئی زندگی کی نئی صبح کو سرد ہوا کے لمس اور دہکتے سورج کی لو رنگ کرنوں کے بوسے کے ساتھ خوش آمدید کہا۔ ان کے چاروں طرف پھیلی چوٹیوں پر دھوپ نے نوزائیدہ بچوں کی طرح لرز لرز کر سانس لینا شروع کر دیا تھا۔ پیلی کرنوں نے سرکف مجاہدین کے عزم و استقلال کو ہدیہ تہنیت پیش کرنے کے لیے پہاڑوں کی پیشانیوں کو چومنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے سلسلہ ہائے کوہ پر پھیلی کرنوں کے سرد شعلے بھڑک کر اب لطیف ہوا کے برفیلے جھونکوں میں تبدیل ہونا شروع ہو گئے تھے۔

سامنے کا منظر نمایاں ہونے لگا تھا۔ ان کے سامنے والی پہاڑی سڑک پر ایک جیپ نمودار ہوئی۔ یہ سڑک تنگ درے کے بیچوں بیچ لہراتی بل کھاتی ہوئی چلتی تھی۔ جیپ کبھی اونچی چوٹی پر چڑھتی اور کبھی ڈھلوانوں سے لڑھکتی نظر آ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ چوٹیاں کشمیر کے بہادر سپوتوں کی عظمت کی طرح بلند سے بلند تر ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ پہاڑی سڑک کا کھڈ والا استرے کی دھار کی طرح تیز اور باریک کنارہ انہیں صاف دکھائی دے رہا تھا۔ جیپ ایک خطرناک موڑ پر ان کی نظروں کے سامنے سے اوجھل ہو کر پہاڑی کے پیٹ میں کہیں اتر گئی۔

امیر خان نے اپنی گود میں رکھی دوربین کے شیشوں کو اپنی چادر کے ایک کونے سے صاف کیا اور دوربین آنکھوں پر جما لی۔ اس کی آنکھوں کے عین سامنے پست قد کی ایک

پہاڑی [illegible] وادی کے عین درمیان [illegible] رہی تھی۔ یہ پہاڑی [illegible]

امیر خان نے دوربین کا [illegible] اسے اپنے ہاتھ کی لکیروں کی طرح واضح اور الگ الگ نظر آ رہی [illegible] ایک ایک زاویہ، ایک ایک اسلحہ، جھوٹوں کی ایک ایک [illegible] گرد پھیلی کمین جھاڑیوں کا ایک ایک پتہ اس کے سامنے تھا۔ جھاڑیوں کا یہ سلسلہ پہاڑی کے وسط سے شروع ہو کر [illegible] ختم ہو گیا تھا۔ چوٹی سے ذرا نیچے سنگلاخ چٹانوں کی [illegible] خان کی نظریں پھسل پھسل جاتی تھیں۔ سیاہ نوکیلی چٹانوں کے پیچھے [illegible] اور کانٹے دار جھاڑیوں سے پھسلتی، الجھتی، اٹکتی اس کی نظروں نے [illegible] سے میڈیم گن کی باہر کو جھانکتی نال اور اس کے ساتھ ساتھ [illegible] دھار میں جکڑ لیا۔

"یہ لوگ یہاں تک پہنچے کیسے اور راشن اور ایمونیشن یہاں تک کیسے پہنچاتے ہیں؟" اس نے دوربین آنکھوں سے الگ کر کے محمد کوجر سے پوچھا۔

"امیر خان——!" محمد کوجر نے اس کی طرف دیکھے بغیر سامنے پہاڑی پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "دوربین کو شمال اور مشرق کے مرکز میں رکھ کر دیکھو۔"

سورج اب پہاڑی چوٹی کے سر پر چمکنے لگا تھا۔ امیر خان نے قدرے رخ بدل کر دوربین کو سیٹ کیا تو اس کی نظریں تیز کرنوں میں نہائی ہوئی اس [illegible] چٹان سے ٹکرائیں جس کی بغل میں ایک پتلی سی لکیر پھوٹتی نظر آ رہی تھی۔ سورج کی روشنی میں [illegible] اور سیاہ عریانی اسے مسکرا مسکرا کر ان کے ارادوں کا مذاق اڑاتی نظر آئی۔ اس چوٹی پر [illegible] گن کو تباہ کرنا فوجی لحاظ سے قطعی ناممکن تھا۔

امیر خان کو الجھن سی ہونے لگی، پھر یہ الجھن غصے میں بدل گئی۔ اسے خود پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے ایسا سوچا ہی کیوں؟ "میں تمہارا زعم خاک میں ملا دوں گا۔ کل صبح جب سورج تمہارے سروں پر خدا کا عذاب بن کر طلوع ہو گا تو یہ سامنے کا منظر بدل چکا ہو گا۔ تب اس محفوظ بنکر کے پرخچے اس میں موجود "یم راجوں" اور ان کے آتشیں ہتھیاروں سمیت اڑ چکے ہوں گے۔" اس نے خودکلامی کے انداز میں کہا۔

دونوں ساتھیوں نے چونک کر امیر خان کی طرف دیکھا۔ دوربین اس کی آنکھوں سے الگ ہو چکی تھی اور اس کے چہرے پر آنکھوں کی جگہ دو انگارے دہکتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

یہ خیال اتنا لذت انگیز تھا کہ امیر خان کو اپنی رگ رگ میں طمانیت کا ایک سمندر ہلکورے لیتا محسوس ہوا۔ اس پر نشے کی سی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔

☆○☆

رات اپنی مسافت بڑی تیزی سے طے کرتی دن کے تعاقب میں لپک رہی تھی۔ جنرل طارق ایک پتھر پر پاؤں رکھے پاؤں کی پنڈلی پر دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی میں اپنی ٹھوڑی جمائے سوچ میں غرق تھا۔ اس کے گرداگرد اوڑی کے اطراف میں پھیلے پہاڑوں کے درمیان وادی ایک پیالے کے پیندے کی طرح نظر آ رہی تھی۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس نے ۵۷ میل لمبی اس سڑک کو خالی چھوڑ دیا تو دشمن یلغار کرتا ہوا کسی بھی لمحے پاکستان کی سرحدوں تک پہنچ جائے گا۔ اگر اسے صاف راستہ مل گیا تو وہ محض تین گھنٹے میں مظفر آباد پر قابض ہو جائے گا۔

پٹھان یہاں سے فرار ہو کر اس کے لیے ایسا خلاء پیدا کر گئے تھے جس کو پر کرنا بظاہر ناممکن نظر آ رہا تھا۔ ان لوگوں نے بڑے "حساس مقام" سے پسپائی اختیار کی تھی۔ ممکن ہے اگر وہ کشمیر کے کسی اور محاذ کو خالی کر جاتے تو اس کے نتائج اتنے ہولناک نہ ہوتے، لیکن یہ سڑک جو کشمیر کے سب سے زیادہ وسیع و عریض خطے میں سے گزرتی تھی، بڑی نازک اہمیت اختیار کر گئی تھی۔

جنرل طارق سوچ رہا تھا کہ اگر بھارتیوں نے علی الصبح ایڈوانس نہ کیا تو بھی ان کی نگرانی کرنے والے جہاز دن کا اجالا پھیلتے ہی یہاں آئیں گے اور دشمن کو "خالی علاقے" کی خوشخبری سنا کر اس کے ایڈوانس کی راہ ہموار کر دیں گے۔ اگر خدانخواستہ دشمن اس سڑک پر قابض ہو جاتا تو سارے کشمیر میں پھیلی تحریک آزادی اپنی موت آپ مر جاتی کیونکہ اس سے لڑنے والوں کا مورال تباہ ہو کر رہ جاتا۔ یہ بڑی بھیانک صورت حال تھی۔

پاکستان سے رضاکاروں کے یہاں پہنچنے میں چند دن تو ضرور درکار تھے جب کہ صرف چند گھنٹے باقی بچے تھے۔ اس محاذ کو خالی چھوڑنا کشمیر اور پاکستان کی قسمت سے کھیلنے کے مترادف تھا۔ اندھیرے میں ایک سائے کو اپنی طرف آتے دیکھ کر جنرل چونکا۔ قریب آنے پر جب اس کے نقوش واضح ہوئے تو اسے اپنا اردلی نظر آیا۔ وہ اسٹیشن ویگن کو روانگی کی حالت میں

کھڑا کر کے اپنے جنرل کے پاس آیا تھا۔ جنرل کو سلیوٹ مار کر وہ بڑے ادب سے کھڑا ہو گیا تاکہ وہ اگلے حکم کا منتظر ہو گیا۔

جنرل کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔ تمام حالات سے کچھ ایسی ... انداز میں جنرل نے ... لہجے میں کہا۔

"... سر" اردلی نے گردن کو خم دیا اور وہ جس سمت سے آیا تھا اسی سمت میں اندھیرے کی چادر میں غائب ہو گیا۔

جنرل سوچ رہا تھا کہ دشمن کو اس بات کا احساس دلانا ضروری ہے کہ قبائلی پٹھان ابھی یہاں سے نہیں گئے ہیں اور وہ اوڑی میں اس کی حرکات اکٹھے ... اس کے لیے لازم تھا کہ تخریبی کارروائیاں کی جائیں۔ جنرل نے فیصلہ کیا کہ وہ سب سے پہلے دشمن کے راستے میں آنے والے کچھ پلوں کو تباہ کر دے گا اور اپنی اس قلیل ترین جمعیت کے ساتھ اس انداز سے پہاڑوں میں پھیل کر "سنائپنگ" کرنے کا کہ دشمن کے ایڈوانس کرنے کا عمل پر اکا دکا گولیاں اسے سنبھلنے اور باآسانی آگے بڑھنے سے باز رکھیں۔

جنرل طارق نے اپنی فوج کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ ایک حصے کو تمام پل "پل" ہٹانے کے لیے بھیج دیا اور چار آدمیوں کے ساتھ وہاں مورچہ بند ہو کر دشمن کا منتظر ہو رہا۔

ساری رات ان لوگوں نے آنکھوں میں کاٹ دی۔ صبح کے آثار اب واضح ہونے لگے تھے۔ سامنے سے دشمن تو نظر نہ آیا البتہ عقب سے روشنی کی دو لکیریں سی جنرل طارق کو اپنی سمت لپکتی نظر آئیں۔

کیا دشمن نے راستہ کاٹ کر انہیں گھیرے میں لے لیا ہے کیونکہ پچھلے چند گھنٹوں سے میدان اس کے لیے خالی تھا اور اس کی کوئی نقل و حرکت سامنے سے دکھائی نہیں دیتی تھی۔ یہ تھا پہلا خیال جو جنرل طارق اور اس کے ہمراہیوں کے ذہن میں کوندا۔

جنرل نے اپنے ساتھیوں کو فوراً پوزیشن لینے کا حکم دیا اور خود جیپ کی طرف بڑھنے لگا جو تیز رفتاری سے اس کی طرف بھاگی چلی آ رہی تھی۔

صبح کاذب کے اجالے میں جیپ اب صاف دکھائی دینے لگی تھی۔ یہ پاکستان کی باقاعدہ آرمی کی جیپ تھی۔ جیپ جنرل طارق سے چند گز کے فاصلے پر آ کر رک گئی اور یکے بعد دیگرے چار گبھرو پٹھان اس میں سے چھلانگیں لگا کر باہر نکل آئے۔ وہ شاید جنرل طارق کو پہچانتے تھے کیونکہ اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی ان کی ایڑیاں بجیں اور ان کے ہاتھ ان کی پیشانیوں کو چھونے لگے۔

"کون ہو تم لوگ؟" جنرل طارق نے انہیں جانتے بوجھتے ہوئے بھی سوال کیا۔

"سر ہم اپنی یونٹ سے ـــــــ" ان میں سے ایک جو شاید ان کا کمانڈر تھا، بولتے بولتے رک گیا۔

"بھاگ کر آئے ہو؟" اس کی منہ میں رکی بات جنرل نے پوری کر دی۔

"یس سر۔" اس نے جواب دیا۔ باقی تینوں کے سر بھی اس کے ساتھ ہی جھک گئے۔

"کیوں؟" جنرل نے ان پر نظریں جمائے ہوئے پوچھا۔

"ہم جہاد میں حصہ لینا چاہتے تھے۔"

"تمہارا اسلحہ؟" جنرل کے ہونٹوں پر آئی مسکراہٹ سے ان کے کھنچے اعصاب کو سکون میسر آنے لگا۔

"ہم نے یہ فیصلہ بالکل اچانک کیا تھا سر۔ یہ ایم سی کا جوان ہے۔" اس نے اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کیا۔ "جیپ لے کر کہیں جا رہا تھا۔ ہم نے نیکی نقل کی اور اس طرف بھاگ آئے۔ افسوس ہم یونٹ سے اسلحہ نہ چرا سکے ـــــــ!"

ان چاروں کے چہروں سے ٹپکتے جوش اور عزم نے جنرل طارق کو اس بات کا یقین دلا دیا کہ خدا کو اس کے حال پر رحم آ گیا ہے اور یہ چاروں جوان اس کے لیے تائید غیبی بن کر آئے ہیں۔ انہیں راستے میں بھگوڑے قبائیوں کی ٹکڑیاں بھی ملے تھے جنہوں نے انہیں بدول کر کے یہاں سے بھاگ جانے کو کہا تھا اور یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ محاذ پر لڑائی تو کوئی رہا ہی نہیں، اگر کوئی بچا بھی ہے تو وہ کوئی پاگل ہو گا کیونکہ ان حالات میں وہاں کوئی عام انسان قیام نہیں کر سکتا۔

ان بے چاروں کو کسی نے اپنی رائفل بھی مستعار نہیں دی تھی۔ یہ چاروں جوان اپنا مستقبل اور نوکری داؤ پر لگا کر ایک عظیم مقصد کے لیے یہاں آئے تھے۔ ان کی آمد گو کہ جنرل طارق کے لیے غنیمت تھی، لیکن اس نے ان کے عظیم جذبے کو "ایکسپلائٹ" کرنے کے بجائے انہیں حقیقت حال سے باخبر کرنا ضروری جانا۔

"محاذ کی صورت حال تمہارے سامنے ہے بہادرو۔ ہمارے ساتھی منہ موڑ کر چلے گئے ہیں۔ ہم فوجی لحاظ سے نہتے ہیں۔ ان رائفلوں اور برین گنوں کی حیثیت دشمن کے نزدیک کچھ بھی نہیں۔ پاکستانی افواج اور برسراقتدار طبقہ ہماری مدد کرنے کے بجائے ہمارے حوصلے پست کرنے پر تلا ہوا ہے۔ ہم چومکھی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ دشمن اور اپنوں کی ریشہ دوانیوں کے خلاف ہمیں بیک وقت لڑنا پڑ رہا ہے۔ ان حالات میں کوئی بھی جذباتی فیصلہ خمیر

[illegible] کے بجائے اسے نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔ تم پر کوئی اختیار نہیں۔ میں بھی اس بحث میں [illegible] کی حیثیت سے حصہ لے رہا ہوں۔ تم اگر چاہو تو اب بھی واپس جا سکتے ہو۔" جنرل نے انہیں مخاطب کیا۔

ابھی ان میں سے ایک کی آواز جوش جذبات سے لرزنے لگی۔ "ہم مسلمان فوج کے سپاہی ہیں۔ ہم قرآن کی سرزمین کے رکھوالے ہیں۔ ہمارے بھائیوں پر کافر ظلم توڑ رہے ہیں۔ ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کو نیلام کیا جا رہا ہے اور ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں ـــــ لعنت ہے ہماری زندگیوں پر۔"

[illegible] ان کا عزم دیدنی تھا ـــــ "ہم آپ کے ساتھ ہی جئیں گے اور مریں گے۔" ان کے [illegible] نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

☆○☆

رات برق رفتاری سے اپنی وکٹ بڑھا رہی تھی۔ سورج نکلنے میں بمشکل ایک آدھ گھنٹہ باقی رہ گیا تھا۔ دن چڑھتے ہی دشمن کی زمینی اور فضائی افواج کی سرگرمیاں شروع ہونے والی تھیں۔ جنرل نے ان چاروں کے جذبہ جہاد کو خراج تحسین پیش کیا اور انہیں رائفلیں اور ایک مشین گن دے کر اس ہدایت کے ساتھ آگے بھیج دیا کہ وہ دشمن کے ایڈوانس کرتے ہی ہراول دستے پر فائر کر کے اس کا راستہ روکے رکھیں۔

جوں ہی یہ چار سرکٹ جانباز اپنے ٹھکانے پر پہنچے، دشمن کی توپوں کے دہانے بھی کھل گئے۔ دشمن کی میڈیم بیٹریاں بے تحاشا گولہ باری کر رہی تھیں۔ وہ لوگ بغیر کسی نشانے کے اندھا دھند آگ برسا رہے تھے، لیکن یہ گولہ باری بالکل بے سود تھی کیونکہ جو تھیلی نظر آ رہی تھی وہ ان کی تباہ کاریوں سے مامون و محفوظ تھی۔

ایک گھنٹہ تک اوڑی کی پہاڑیوں میں بھارتی گولہ باری نے زلزلہ بپا کیے رکھا۔ وہ لوگ صرف دور مار گولہ باری پر ہی اکتفا کر رہے تھے اور پیش قدمی کے سلسلے میں خاصے محتاط دکھائی دے رہے تھے۔ یہ چاروں جوان اگر دشمن پر چار راؤنڈ فائر کرتے تھے تو اس کے جواب میں وہ چار ہزار راؤنڈ فائر کرتا تھا۔ یہ سودا جنرل کے لیے بڑا سستا تھا۔ وہ وقت حاصل کرنا چاہتا تھا اور دشمن کو دھوکے میں رکھ کر وقت حاصل کرتا رہا۔ اس دوران دن کا بھرپور اجالا پھیلنے لگا تھا۔ اس کے ساتھ ہی دشمن کی فضائیہ بھی حرکت میں آ گئی۔ ان کے درجنوں طیارے آسمان پر نمودار ہوئے اور انہوں نے اپنی زمینی افواج کی حمایت میں بم گرانے اور مشین گنیں فائر کرنا شروع کر دیں۔ جہاں وہ فائر کر رہے تھے، وہاں سوائے

پہاڑیوں اور قابضوں کے خالی کردہ مورچوں کے اوپر بھی تھے۔ جنرل اور اس کے دوسرے ساتھی اس قیامت خیز گولہ باری سے بال بال بچ نکلے اور اس کے نزدیک ایک پل اڑانے میں مصروف رہے۔ انہیں ان کے پچھلے براہ راست حملہ میں کامیابی نصیب ہوئی اور پل ناکارہ ہو کر ناقابل استعمال بن گیا۔

جنرل طارق نے اپنے ساتھیوں کو اس تباہ کردہ پل کے کنارے پر اس طرح پوزیشن دی کہ وہ لوگ زمین اور فضا سے کی جانے والی گولہ باری سے مکمل محفوظ تھے، البتہ دشمن ان کے نشانے کی زد پر تھا۔ جنرل اور اس کے ساتھیوں کی نظر ہراول دستے کے ایک سیکشن پر پڑی جس کے سپاہی اندھا دھند گولہ باری کی آڑ میں ایڈوانس کرتے اس طرف بڑھ رہے تھے۔

تباہ شدہ پل کے نزدیک وہ رک گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ محفوظ آڑ میں جائیں، ان پر گولیوں کا مینہ برسنے لگا اور اس ہراول سیکشن کا بمشکل ہی کوئی جوان زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو سکا۔

دشمن نے اندھا دھند جوابی گولیوں اور گولوں کا مینہ برسایا، لیکن اس نے آگے بڑھنے کی ہمت نہ کی۔ دراصل قبائلی پٹھانوں کا طریقہ جنگ ایسا خطرناک اور جاں گسل تھا کہ دودھ کا جلا دشمن اب چھاچھ کو بھی پھونک پھونک کر پی رہا تھا۔ بھارتی فوج کا ہر سپاہی جانتا تھا کہ اگر وہ قبائلی پٹھانوں کے گھیرے میں آ گیا تو ایک اذیت ناک موت اس کا مقدر بن کر رہ جائے گی۔ قبائلی یہاں موجود نہیں تھے، لیکن ان کی پھیلائی دہشت ہیبت ناک بھوتوں کی شکل میں بھارتی اور ڈوگرہ فوجیوں کے دل و دماغ پر مسلط تھی۔

شام کے سائے لمبے ہونے لگے تھے۔ سورج کی سرد اور کپکپاتی روشنیوں کا سفر اپنے اختتام کو پہنچ رہا تھا۔ اندھیرا پھیلنے کے ساتھ ساتھ بھارتی توپوں کی گولہ باری بھی سرد پڑنے لگی اور رات ہوتے ہی انہوں نے فائرنگ مکمل بند کر دی۔ تاریک رات کا ہولناک سناٹا ماحول کو ڈسنے لگا۔ یہ لمحات جنرل طارق اور اس کے ساتھیوں کے لیے غنیمت تھے۔ وہ لوگ پچھلے اڑتالیس گھنٹے سے مسلسل بیدار تھے۔ سکون کے چند لمحات ان لوگوں نے آپس میں بانٹ کر گزارے اور صبح کا دھندلکا ابھرنے سے پہلے دوبارہ سرگرم عمل ہو گئے۔

انہوں نے دشمن کے ہراول پر اپنی نظریں رکھی ہوئی تھیں۔ برق رفتاری سے یہ ملی وہ سرفروش پہاڑیوں پر بھاگتے دوڑتے رہے۔ کبھی وہ ایک پہاڑی سے چند راؤنڈ فائر کرتے، کبھی دوسری سے۔ اس دوران ان کی کوشش یہی رہی کہ دشمن کو دائیں بائیں بکھر کر

پوزیشن لینے پر مجبور کرنے دیں۔ انہیں اس کوشش میں خاطر خواہ کامیابی بھی حاصل ہوئی اور بھارتی پیش قدمی کو سست کر دیا گیا۔

جنرل طارق کے ساتھی پیچھے ہٹتے ہوئے سڑک پر آنے والے ٹینکوں کو نشانہ بناتے ہوئے کرتے جا رہے تھے اور ایڈوانس کرنے کے لیے دوری تھی۔ بھارتی فوجی ڈٹ کر آگے بڑھ رہے تھے۔

یہ آنکھ مچولی چھ دن تک جاری رہی۔ اس دوران جنرل طارق اور اس کے ساتھیوں نے دشمن کو سست رفتار اپنانے پر مجبور کر دیا۔ پیچھے ہٹتے ہوئے وہ اوڑی سے پندرہ میل پیچھے چکوٹھی کے مقام پر ایک گہرے مورچہ بندیاں کر رہے تھے۔ ابھی تک پاکستان سے کوئی مدد نہیں آئی تھی۔

☆O☆

شیرو نے حوالدار غلام محمد کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا جو اپنے ایک ساتھی کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"مجھے علم ہے بابا——!" اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائیں۔ "لیکن کوئی بھی جذباتی قدم ہمیں لے ڈوبے گا۔ آپ لوگ میری بات سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ شہر میں تین بٹالین فوج موجود ہے۔ ارد گرد کے مسلمان اول تو زندہ نہیں بچے، اگر کوئی بدقسمتی سے بچ بھی گیا ہے تو وہ اتنا خوف زدہ ہے کہ اسے اپنی جان بچانے کے سوا کسی اور بات کا ہوش نہیں۔ ہم جموں اور سری نگر کے درمیان بھارتی فوج کے سیلاب میں پھنسے بیٹھے ہیں۔ ہوم گارڈز کو پہلے ہی لوگ شیخ عبداللہ کی فوج سمجھتے ہیں اور مقامی ہندوؤں کو علم ہے کہ ہم مسلمان بھلے لاکھ نیشنلسٹ ہونے کی دہائی دیتے رہیں، وہ ہم پر کبھی اعتبار نہیں کریں گے۔ "سونی لاج" کی ساری کہانی میرے علم میں آ چکی ہے۔ بخدا مجھ میں غیرت ابھی زندہ ہے۔ آپ لوگ ذرا صبر کریں۔ ابھی ہم صرف "انتظار کرو اور دیکھو" کی پالیسی پر عمل کریں گے۔ اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"اوہ میرے خدایا! اس بے غیرتی سے تو موت ہی آ جاتی۔" حوالدار غلام محمد نے آہ بھری۔

"کاش ہمیں نبی خان نے اس طرف نہ بھیجا ہوتا۔ ہماری آنکھوں کے سامنے یہ ظلم ہو رہا ہے اور ہم——" ان کا تیسرا ساتھی اپنی بات ادھوری چھوڑ کر چپ ہو رہا۔

"خدا کے لیے—— آپ لوگ ایسی باتیں نہ کیجئے۔ ابھی وقت نہیں۔ ابھی——"

اپنے ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔

"بہرحال حتمی فیصلہ تو تمہی کو کرنا ہے' لیکن میرا فرض تھا کہ تمہیں اپنے جذبات سے آگاہ کر دوں۔ یہ لوگ پونچھ سے تمہارے ساتھ ہی آئے ہیں اور تم انہیں بھائیوں سے زیادہ بہتر سمجھتے ہو ——— میں اور وزیر انہیں ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرتے ہیں' لیکن خیال رکھنا کہ یہ لوگ زیادہ دیر تک چپ رہنے والے نہیں ہیں۔" حوالدار غلام محمد نے اپنے خدشات سے آگاہ کیا۔

"میں بھی ان ہی میں سے ہوں چاچا غلام محمد اور میری رگوں میں بھی مسلمانوں کا باغیرت خون دوڑ رہا ہے۔ جب بھی وقت آیا' خدا تم مجھے سب سے آگے پاؤ گے۔" اس مرتبہ فرط جوش و جذبات سے شیرو کی آواز کانپنے لگی تھی۔

☆○☆

اشونی کمار نے اپنی آنکھیں بدستور چوکیدار پر جما رکھی تھیں۔ "جانتے ہو تم کیا کر رہے ہو؟" اس نے بڑے سرد اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"درگاں کی قسم مالک!" چوکیدار نے دونوں ہاتھ باندھ دیئے ——— "وہ ہندو نہیں۔"

"لیکن تمہیں بتایا کس نے؟" اشونی کمار نے پولیس والے مخصوص لہجے میں اس سے پوچھا۔

"مائی باپ! مجھے شک تو اسی روز ہو گیا تھا جس روز میں نے اس سے چھوکریوں کی بات کی تھی۔ پچھلے پندرہ بیس سال سے اسی ڈاک بنگلے پر صاحب لوگوں کی سیوا کرتا رہا ہوں مالک۔" اس نے چاپلوسی اختیار کی۔

"آگے بکو۔" اشونی کمار چلایا۔

"میں نے خود نگرانی شروع کر دی تھی اس کی۔" چوکیدار سہم کر بولا۔ "اسے میں نے نماز پڑھتے دیکھا تھا' پھر حوالدار جانکی داس کو میں نے اس کے پیچھے لگا دیا۔"

"ہوں........" اشونی کمار نے بڑے لمبی "ہوں" کہہ کر دوبارہ اس کی آنکھوں میں جھانکا اور بے چینی سے اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے ایک ہاتھ میں پکڑی بید کی چھڑی کو بار بار دوسرے ہاتھ پر مارتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ چوکیدار کمرے کے ایک کونے میں سکڑا سمٹا کھڑا تھا۔

معاملات اس کی توقع کے بالکل برعکس پیش آ رہے تھے۔ اسے تو یہی امید تھی کہ جب وہ منہ در منہ کے سامنے یہ انکشاف کرے گا کہ پرتاپ ٹھاکر ہندو نہیں' مسلمان ہے تو وہ

... ابھی بڑے گا اور اسے ضرور بیٹے کی طرح اطمینان سے لوا دے گا۔ اوش کا انداز ... کی جانب مڑا ایس ایچ او اشونی کمار نے اسے الٹے سیدھے سوالات کر کے پریشان کر ...

... وہ ایک فیصلے پر پہنچ کر رک گیا۔ کمرے میں رکھی میز کے ایک کونے ... نے اپنے سامنے کھڑے ڈاک بنگلے کے چوکیدار کو مخاطب کیا۔ "دیکھو!" ... کر اس نے آواز میں کہا۔ "تم یہ بھول جاؤ کہ پرتاپ ٹھاکر مسلمان ہے یا تم نے ... بڑی بار سب دیکھا ہے۔ اس بات کا کسی سے بھول کر بھی ذکر نہ کرنا۔ کسی کو یہ بھی نہیں ... آئے ہو ——— اور ہاں تمہاری یہاں آمد کا تو کسی کو علم نہیں ہوا؟"

... تم میرے پاس بہت رات کو پتہ ہے کہ میں آپ کی سیوا کیا کرتا ہوں۔ وہی مجھے ... سرکار! صرف ... دیا کرتا ہے نا ——— اس سے ہٹا کر رکھنی پڑتی ہے۔" چوکیدار نے ہاتھ ... کی اطلاع ...

... اس سے یہی کہنا کہ تم میرے پاس "تازہ مال" کی خبر کرنے آئے ہو۔ اب ٹھیک ہے ... نے اپنی جیب سے ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

"دھن واد مہاراج جی۔" چوکیدار کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ بڑی تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا اچانک اشونی کمار کی گونج دار آواز نے اس کے قدم پکڑ لیے۔

"ادھر نہیں۔" اس نے مخالف سمت والے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "ادھر سے۔"

چوکیدار جانتا تھا کہ جس دروازے کی طرف وہ اشارہ کر رہا ہے' اس کے باہر دور دور تک کسی جاندار شے کا وجود ہی نہیں ہے۔

انسپکٹر اشونی کمار کو بھوٹ کے مقامی بادشاہ کی حیثیت ہوم گارڈز کے آنے سے پہلے حاصل تھی۔ مقامی ہندو لٹیرے اس کی سربراہی میں بھوٹ اور اس کے گرد و گرد سارے علاقے میں لوٹ مار مچا رہے تھے۔ اس کا حصہ ہر دوسرے تیسرے دن نقدی' سونے اور ہر طرح کی لڑکیوں کی شکل میں اس تک پہنچ جاتا تھا۔ ہوم گارڈز کی اچانک آمد سے اس کا یہ کام رکا نہیں تھا' لیکن اس میں وہ پہلے کی سی تیزی باقی نہیں رہی تھی۔

جن جن علاقوں میں ہوم گارڈز آئے تھے' وہاں خوفزدہ اور بچے کھچے مسلمانوں نے اب سمٹنا شروع کر دیا تھا۔ یہ بات انسپکٹر اشونی کمار کے لیے خاصی تکلیف دہ تھی کہ اب مسلمان اکا دکا مقامات پر مدافعت بھی کرنے لگے تھے۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ جیسے بھی ہو' ہوم گارڈز یہاں سے چلے جائیں۔ فوج کی طرف سے مایوس ہو کر اب اس نے خود کوئی

خطرناک قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے سامنے مسلمانوں کی عصمت [illegible]
"غیرت" کی شکل میں موجود تھی۔ اس کے اجداد نے اسے نسل در نسل ایک [illegible]
تھا کہ یہاں پہلا مسلمان سندھ کے راستے محمد بن قاسم کی شکل میں [illegible]
کی پکار پر چلا آیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اور اس کے اجداد ایک [illegible]
مسلمانوں کو بے غیرت بنانے لگے تھے۔

"براہ راست ان لوگوں کی غیرت پر ہاتھ ڈالا جائے۔" اس نے سوچا۔

اور اب اشونی کمار کے خطرناک عزائم لے کر "سونی لاج" کی طرف جا رہا تھا [illegible]
سلائے لیے ہو رہے تھے اور وہ اپنے عملے کے سارے کے سارے [illegible]
کے ساتھ اس طرف رواں دواں تھا۔

☆○☆

ڈاک بنگلے کی سمت آنے والی سڑک کے ایک کنارے پر درختوں کے جھنڈ میں [illegible]
کرتے سپاہی اللہ داد نے جب پولیس کی اس بھیڑ کو اس طرف آتے دیکھا تو اس کا [illegible]
پیش آمدہ خطرے کے احساس سے تھکنا۔ اندھیرے کی برلیلی چادر نے آہستہ آہستہ ہونٹ کر
دم توڑتے اجالوں کو ڈسنا شروع کر دیا تھا، لیکن ابھی اتنا اندھیرا بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ سامنے
کے منظر کو اچھی طرح دیکھ ہی نہ پاتا۔

چند لمحے کشمکش کا شکار رہنے کے بعد اس نے وہاں سے ہٹ جانے کا فیصلہ کر لیا۔
یہاں معمول کی گشت ڈیوٹی کر رہا تھا۔ شام ہوتے ہی ان لوگوں کو ڈاک بنگلے کے گرد اگرد
علاقے میں شرپسندوں کی ممکنہ کارروائیوں سے نمٹنے کے لیے پہرے پر متعین کر دیا جاتا تھا۔
اگر وہ یہیں رہتا تو ان لوگوں کی نظروں میں آ جاتا، جو اسے گوارہ نہیں تھا۔ پولیس ظاہر
طرف آتا تو کوئی خطرناک بات نہیں تھی، لیکن اتنے ہجوم کے ساتھ انسپکٹر اشونی کمار کی آ
نے اسے ضرور مشکوک کر دیا تھا۔ سپاہی اللہ داد نے دیکھ لیا تھا کہ آنے والوں نے رائفلیں
بھی تھام رکھی تھیں اور کئی ایک کے کندھوں سے لٹکتی گولیوں کی پٹیاں بھی اسے دکھائی دے
گئی تھیں۔

سپاہی اللہ داد پیچھے ہٹ کر ایک محفوظ آڑ میں بیٹھ گیا۔ پھر اس نے مزید احتیاط کی خاطر
[illegible] دوسرے ہی لمحے وہ ایک درخت کی ٹہنیوں میں چھپا بیٹھا اندھیرے
[illegible] پھر آنے والوں کو دیکھنے لگا۔ سونی لاج سے یہ سڑک سیدھی ڈاک بنگلے
[illegible] وہ لوگ سونی لاج والے موڑ سے اسی عمارت کی طرف مڑ گئے

[illegible] سارے معاملات کی بو آ گئی [illegible]
سپاہی [illegible] کی طرف آتے دیکھے [illegible]
[illegible]
حوالدار غلام محمد [illegible]
[illegible] جب انہوں نے سپاہی اللہ داد کو بھاگتے ہوئے [illegible]
[illegible] ؟" اس کے وہاں رکتے ہی پوچھ گئے [illegible]
"چاچا!" مسلسل اور تیز بھاگنے سے سپاہی اللہ داد [illegible] حوالدار غلام محمد
پولیس آ گئی ہے۔ وہ ادھر... سونی لاج کی طرف...
"کیا سونی لاج کی طرف؟" غلام محمد نے اس کی بات کاٹ کر [illegible]
"ہاں--- ہاں چاچا! وہ لوگ ادھر سونی لاج کی طرف گئے ہیں۔" [illegible]
بات مکمل کر دی۔

"کیا کرنے؟" اس مرتبہ شیرو اس سے مخاطب تھا۔

اسے اپنی بات کا جواب بجائے سپاہی اللہ داد کے سونی لاج کی طرف سے اٹھنے والی
چیخوں نے دیا۔

"تمام جوانوں کو فال ان کرو۔" شیرو نے برآمدے سے کمرے کی طرف تیزی سے بڑھتے
ہوئے کہا۔

حوالدار غلام محمد نے اپنی جیب سے سیٹی نکال کر بجانی شروع کر دی۔ جب تک شیرو اپنی
اسٹین گن اور گولیوں کا تھیلا اٹھا کر باہر آتا، ہوم گارڈز کے وہ جوان جن کے کانوں تک سیٹی
کی آواز پہنچی تھی، وہاں پہنچ چکے تھے۔

"پانچ جوان یہاں رک جاؤ، باقی دو سیکشنوں میں بٹ جاؤ--- مطلب پانچ جوان میرے
ساتھ جائیں گے۔ باقی کو تم میرے تعاقب میں لے کر آؤ۔ نزدیک آنے کی ضرورت نہیں،
جب تک میری طرف سے اشارہ نہ ملے، کوئی جوان گولی نہیں چلائے گا۔" شیرو نے تمر
برساتی آواز میں ہدایات جاری کیں۔

پانچ جوان اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی آگے بڑھ آئے۔ "میں آگے چلوں گا، تم
لوگوں کو میرے پیچھے لانا۔ فاصلہ دس قدم--- احتیاط سے--- آواز پیدا نہ ہو---
ایڈوانس جوان!" اس نے آگے نکلتے ہوئے کہا۔

"پوزیشن جوان--- دائیں تین جوان پھیلو--- [illegible] بائیں [illegible] --- [illegible]

"گز ——— تیار جوان ——— ایڈوانس!" اپنے عقب میں اسے حوالدار غلام محمد کی آواز سنائی دی۔

ابھی وہ لوگ پندرہ بیس گز آگے ہی بڑھے تھے جب اچانک بکھرے سر ایک لڑکی چیختی ہوئی سامنے کی طرف سے بھاگ کر اس طرف آتی دکھائی دی۔ اس کے گلے سے ایسی چیخیں بلند ہو رہی تھیں جیسے کوئی قصائی کسی بکری کو ذبح کر رہا ہو۔ وہ بھاگتے بھاگتے دو تین مرتبہ گرتے گرتے بچی تھی۔ شیرو ٹھٹک کر رک گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ صورت حال کو سمجھ سکے' سامنے سے بھاگ کر آتی ہوئی عورت اس سے ٹکرا گئی۔ خوف اور دہشت سے اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"کیا بات ہے ——— کیا ہوا؟" شیرو نے اس کا بازو تھام کر اسے خود سے الگ کرتے ہوئے قریباً جھنجھوڑتے ہوئے دریافت کیا۔

"وہ ——— وہ درندے وہاں ———" اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ لفظ اس کے گلے میں کہیں اٹک کر رہ گئے۔

"گھبراؤ نہیں۔ ہم تمہارے مسلمان بھائی ہیں۔" ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر اسے تسلی دی' لیکن اس کی وحشت میں کوئی کمی نہ آئی۔ وہ خوف اور دہشت سے پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ شیرو کو دیکھتی رہی۔

"اسے وہاں موجود جوانوں کی حفاظت میں دے آؤ۔" شیرو کی آواز میں صاعقہ کی کڑک تھی۔

سپاہی سہمی ہوئی لڑکی کو جو مرتے مرتے بچی تھی کسی نہ کسی طرح ان لوگوں کے چنگل سے نکل کر یہاں تک آ گئی تھی' بڑی آہستگی سے بازو پکڑا اور تیز تیز قدموں سے واپس آ گیا۔ وہ لوگ جوں جوں "سیلی لائن" کے نزدیک ہوتے جا رہے تھے' وہاں بپا قیامت صغریٰ ان کی سماعت کو اور تیزی سے جھنجھوڑنے لگی تھی۔

شیرو نے اسٹین گن کو پوزیشن میں کر لیا تھا۔ اپنے ساتھیوں کو اس نے چند قدم پیچھے ہی مختلف جگہوں پر بکھر کر پوزیشن لینے کا حکم دیا تھا۔ ابھی وہ چند گز دور ہی تھا جب اچانک "ہالٹ" کی آواز سن کر رک گیا۔

"کون ہو تم؟" اندھیرے میں آواز بلند ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک طاقتور ٹارچ جل اٹھی تھی جس کی روشنی ایک پہلو سے نکلی اور شیرو قدرے نمایاں ہو گیا۔

"تم ... کمانڈر ..." شیرو کی آواز سنائی دی۔ "اپنے افسر کو بلاؤ۔"

اس نے پکارنے والے کو حکم دیا۔

"میں نہیں جانتا!" اس کے عقب میں آواز بلند ہوئی۔ "ہم کوئی چھوٹے موٹے ... غیر محفوظ تھے۔ ہم انہیں لے جانے آئے ہیں۔" یہ انسپکٹر اشونی کمار تھا۔ "اشونی کمار تین منٹ کے اندر اپنے ساتھیوں سمیت یہاں سے نکل جا ورنہ تم سب کتے کی موت مارے جاؤ گے۔" شیرو کی بھرائی ہوئی آواز ... "ہمیں وہاں کسی کی اجازت کے بغیر ہو گی۔"

شیرو اشونی کمار کا جواب سننے سے پہلے ہی پیچھے ہٹ گیا۔ وہ ابھی چند قدم پیچھے ہی ہٹا تھا جب ایک گولی اس کے کان کے قریب سے شائیں کی آواز پیدا کرتی ہوئی گزر گئی۔ اس کے دوسرے ہی لمحے شیرو اپنی جگہ سے جست لگا کر قریبی گڑھے میں جا گرا تھا۔ زمین پر گرتے ہی وہ پوزیشن میں آ گیا اور اب وہ مقابل کی طرف سے اس کی جگہ گڑھے کے اندر ہی اندر رینگتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔

ایک جگہ رک کر اس نے اندازے سے برسٹ مارا۔ وہ تین فائر بند ہو گئے جو اس بات کا ثبوت تھا کہ اس کی محنت اکارت نہیں گئی۔

اس کے ساتھ ہی اس کے دائیں بائیں آگے پیچھے دھنادھن فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ جلد ہی شیرو اور اس کے ساتھیوں نے انسپکٹر اشونی کمار کے پیچھے سے پوزیشن میں بیٹھے سپاہیوں کا اندازہ کر لیا تھا۔

حوالدار غلام محمد اپنی سیکشن کے ساتھ سیلی لائن سے باہر جانے والی سڑک پر پوزیشن لے رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ایک ساتھی کو ہدایت دے کر پیچھے روانہ کر دیا۔ جب تو اس کی مراد بر آئی جب اس نے انسپکٹر اشونی کمار اور اس کے دو سپاہیوں کو فائرنگ کرتے ہوئے پیچھے ہٹتے دیکھا۔ اندھیرے میں ان کے نقوش تو نمایاں نہیں ہو رہے تھے' تاہم ان کی جسامت اور چلنے کا مخصوص انداز اس کی نشاندہی کے لیے کافی تھا۔

انسپکٹر اشونی کمار اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہوم گارڈز کو فائرنگ میں الجھا کر خود پیچھے ہٹتا جا رہا تھا کہ وہ یہاں سے نکل کر آرمی کے پاس جائے اور وہاں پہنچ کر "مسلح ہوم گارڈز کے حملے" کی دہائی دے کر ان کی مدد سے سب کو تہس نہس کر ڈالے' لیکن وہ اس بات سے بالکل بے خبر تھا کہ حوالدار غلام محمد اور اس کی سیکشن کے بیس جوان موت کے فرشتے بن کر اس کی راہ تک رہے تھے۔ وہ لوگ اپنی رائفلوں سے رک رک کر فائرنگ کرتے مختلف درختوں اور جھاڑیوں کی آڑ میں پسپا ہو رہے تھے۔ جب اچانک اشونی کمار کی پشت میں

کچھ بعد دیگرے گھسنے والی دو بندوق کی گولیوں نے اسے ٹھنڈا کر دیا۔ یہی حشر اس کے باقی ساتھیوں کا بھی ہوا تھا۔

فائرنگ کے پس منظر میں اوپر ابھرتی مظلوم عورتوں کی چیخیں قیامت کا سماں پیدا کیے ہوئے تھیں۔ بیس منٹ ہی میں مدافعت دم توڑ گئی۔ آٹھ پولیس والے مارے گئے تھے، چار زخمی تھے اور باقی شاید بھاگ گئے تھے۔ سہمی ہوئی خوف زدہ مظلوم مسلمان خواتین انہیں رحمت کے فرشتے سمجھ کر ان کے حضور فریاد کناں تھیں۔

حوالدار غلام محمد اپنی سیکشن سمیت وہاں آ گیا تھا۔ شیرو کو وقت کا احساس بڑی شدت سے تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ اول تو اب تک آرمی کو فائرنگ کی آوازوں سے صورت حال کا اندازہ ہو چکا ہو گا، اگر نہیں تو جیسے ہی آرمی تک کوئی "مظلوم پولیس والا" پہنچا اور اس نے نمک مرچ لگا کر ہوم گارڈز کے مسلمان سپاہیوں کے ہاتھوں پولیس کے قتل عام کی خبر دی تو فوج فوراً حرکت میں آ جائے گی۔

گیم اس کے ہاتھ سے نکل چکی تھی، لیکن اس کے "فولادی اعصاب" میں ایسی خوبی تھی جس کو حسین خان کی عقابی نگاہوں نے دیکھ اور پرکھ لیا تھا۔

"چاچا غلام محمد! اپنے ساتھ دس جوان لے کر تمام عورتوں سمیت ٹرک میں سوار ہو جاؤ اور ناشری نالے کے پاس پہنچ کر ہمارا انتظار کرو۔ اگر ہم لوگ ایک گھنٹے تک پہنچ جائیں تو بہتر ——— ورنہ تم عورتوں کو لے کر سری نگر کی طرف نکل جاؤ۔" اس نے بوڑھے غلام محمد کو کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن تم لوگ........" غلام محمد نے کچھ کہنا چاہا۔

"یہ بحث کا وقت نہیں حوالدار غلام محمد۔" اس کا لہجہ غلام محمد کے لیے اجنبی تھا۔ "باقی جوان میرے ساتھ پیدل چلیں گے۔ ہم لوگ سری نگر روڈ پر رک کر صورت حال پر قابو پائیں گے۔ ہیڈ کوارٹرز کو سری نگر میں تازہ صورت حال سے آگاہ کر دو۔ ان کی طرف سے کوئی جواب آنے تک اگر فوج نے مداخلت کی تو ہم انہیں راستے ہی میں روکنے کی کوشش کریں گے۔ حوالدار غلام محمد اگر ایک گھنٹے تک میری طرف سے کوئی پیغام نہ آئے تو تم نالے کا پل اڑا کر سری نگر کی طرف نکل جاؤ ——— جلدی کرو۔" اس نے مزید کسی کی کوئی بھی بات سننے سے پہلے وہاں سے ہٹ جانا مناسب سمجھا۔

جوان ٹرک کی طرف بھاگتے ہوئے جا رہے تھے اور شیرو اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں موجود سہمی ہوئی مسلمان عورتوں کو تسلی دے رہا تھا کہ ان کے جیتے جی کوئی مسلمان

وادی کی طرف بڑی گاڑی نہیں مل سکی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہاں ہوم گارڈز کا وہی ٹرک پہنچا جس میں وہ سب سری نگر سے یہاں آئے تھے۔ تمام عورتوں کو اس میں سوار کرانے کے بعد ان کے پیچھے تین چار جوان اور ڈرائیور اس میں بیٹھ گئے۔

"اللہ نگہبان بیٹا! خدا تمہیں اپنی امان میں رکھے۔ ابھی قوم کو تم جیسے جوانوں کی سخت ضرورت ہے۔" حوالدار غلام محمد نے جو سربراہ شیرو کے قریب کھڑا تھا سب سے آخر میں ٹرک میں سوار ہوتے ہوئے کہا۔

"فی امان اللہ!" پیچھے کھڑے مجاہدین نے انہیں سپرد خدا کیا۔

ٹرک جھٹکے سے اسٹارٹ ہوا اور جلد ہی سامنے والے موڑ پر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

شیرو ابھی واپس اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا ہی تھا کہ اسے وائرلیس آپریٹر پریشان صورت اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ وہ خاصا گھبرایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"سیٹ خراب ہو گیا ہے۔" اس نے شیرو سے نظریں ملائے بغیر کہا۔

"تم نے کوشش کی اسے ٹھیک کرنے کی؟"

"جناب ہر طرح کی کوشش کے بعد ناکام ہو کر ہی آپ تک آیا ہوں۔"

"اوہ ———!" شیرو کے منہ سے نکلا۔

وائرلیس سیٹ کے بگڑنے کے بعد اب ان کے پاس سری نگر پیغام بھیجنے کا واحد ذریعہ بنوٹ کا ٹیلی گراف آفس تھا۔ سری نگر، بانہال، کشتواڑ، بھدرواہ، ڈوڈہ غرض ہر جگہ یہاں سے ہو کر ہی تار جایا کرتی تھی۔ اس لیے اس ٹیلی گراف آفس کو نیوز ایجنسی کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔

شیرو جانتا تھا اس وقت پوسٹ ماسٹر گھوڑے بیچ کر سو رہا ہو گا۔ اس کا گھر بنوٹ کے ہندو محلے میں تھا جہاں تک اول تو ہوم گارڈز کے کسی سپاہی کے پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، اگر کوئی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر وہاں پہنچ ہی جاتا تو اس بات کے مواقع بہت ہی کم تھے کہ متعصب ہندو پوسٹ ماسٹر ان کی خاطر وہ آفس کھول دے گا۔

مقامی مسلمان آبادی کا صفایا کرنے کے بعد اب شرپسندوں کو ہر وہ شے بری طرح کھلنے لگی تھی جس سے مسلمانی کی ذرا بھی بو آئے۔ اس صورت حال کے باوجود ایک جوان پوسٹ ماسٹر کے گھر جانے کو تیار ہو گیا۔ شیرو کے کہنے پر اس نے اپنی وردی اتار کر سویلین کپڑے پہن لیے تھے۔

HBC

ابھی وہ بمشکل چند گز دور ہی گیا تھا کہ ادھم کارنرز کا ایک جوان بڑی تیز رفتاری سے بڑھتا ہوا اس طرف آیا۔ یہ گشتی بزدل پارٹی کا جوان تھا جسے شیرو نے منہ اندھیرے ہی بہت کی طرف روانہ کیا تھا اور ان لوگوں سے کہا تھا کہ وہ فوجیوں کے "عارضی ہیڈکوارٹرز" کے بڑے دروازے سے اس طرف آنے والی سڑک پر نظر رکھیں، جیسے ہی کوئی غیر معمولی حرکت نظر آئے، اسے اطلاع دی جائے۔

"فوج اس طرف آ رہی ہے۔" اس نے دور ہی سے چلاتے ہوئے کہا۔

"تمام جوان اپنا اپنا اسلحہ اٹھا کر سری نگر روڈ کی طرف چلو۔" شیرو نے انہیں حکم دیا اور ساتھ ہی وہ بھی ڈاک بنگلے کی طرف بھاگا تاکہ وہاں موجود ایمونیشن اٹھا سکے۔

☆○☆

دونوں گہری نیند سو رہے تھے جب اچانک ہی بوستان بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ وہ خواب کچھ ایسا ہی زلزلہ تھا۔ وہ پونچھ کا رہنے والا انڈین آرمی کا سابقہ نائیک تھا اور پچھلے دو ماہ سے چوری چھپے "مساعدت" کے لیے کام کر رہا تھا۔ اس کے گاؤں پر پچھلے ہی ہفتے جب بھارتی فوج شہر میں داخل ہوئی تھی، حملہ ہوا تھا۔ بریگیڈیئر پریتم سنگھ نے شہر میں داخل ہوتے ہی اعلان کیا تھا کہ شہر کے گرد و نواح میں چھپے شرپسندوں کو گرفتار کروانے والوں کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی گئی تھی کہ مفرور شرپسندوں کے گھر بار کو آگ لگا دی جائے گی اور ان کے اہل و عیال کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ اپنی اس دھمکی کو فوج نے اب تک کئی مرتبہ عملی جامہ پہنانے کا مظاہرہ بھی کیا تھا۔ شہر کی مسلمان آبادی بری طرح سہمی ہوئی تھی اور یہی بریگیڈیئر پریتم سنگھ چاہتا تھا کیونکہ شہر کے اندر سے ہونے والی کوئی بھی جارحانہ کارروائی اس کی فوج کے لیے موت کا پروانہ ثابت ہو سکتی تھی۔

بوستان نے خواب میں اپنے بچے اور بیوی کا جو حشر دیکھا تھا، اس نے حقیقی دنیا میں آ جانے کے بعد بھی اسے لرزا کر رکھ دیا۔ اس کی دھڑکنیں بے قابو ہو رہی تھیں اور سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ عام زندگی میں وہ کوئی بزدل آدمی نہیں تھا۔ اگر بزدل ہوتا تو کبھی نیاز خان کی نظر انتخاب اس پر نہ ٹھہرتی۔ ضرور اس میں کوئی ایسی بات تھی جس نے اسے "مساعدت" میں شامل کیا تھا۔

لیکن وہ کمزور لمحہ ---! وہ لمحہ اسے بزدل بنا گیا۔ یہاں اس شہر میں انسان گاجر مولی کی طرح کٹ رہے تھے۔ جس کسی پر معمولی سا بھی شبہ ہو جاتا، اسے اس کے اعزا سمیت ایک اذیت ناک لیکن فوری موت سے دوچار کر دیا جاتا تھا۔ ابھی پرسوں ہی کا واقعہ تھا جب فوج

نے پونچھ جیل سے مقامی لیڈروں کو رہا کر کے پل پر پہنچایا اور وہاں پہلے سے تیار شدہ مسلح جوانوں کے حوالے کر دیا تھا جنہوں نے ان کے اعضاء کاٹ کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ بمشکل ایک دو خوش قسمت ایسے تھے جو دریا میں چھلانگیں لگا کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوئے تھے۔

یہ واقعہ پونچھ کے مسلمانوں کے ذہنوں پر سوار تھا اور جیتے جی وہ بزدل بن چکے تھے۔ بوستان کا ذہن رہ رہ کر اپنے اکلوتے بیٹے اور بیوی کی طرف چلا جاتا تھا جن کے بغیر اس کی زندگی بے معنی تھی۔ اس کا ان دونوں کے علاوہ اور تھا ہی کون؟ کبھی کبھی تو وہ خود حیران ہو جاتا تھا کہ آخر ایسی "کمزوری" کے ہوتے ہوئے اس نے اتنی خطرناک زندگی کیوں اپنا لی۔ اسے اپنے رویے کی کوئی سمجھ نہیں آتی تھی۔

لیکن آج --- آج بوستان کی حیثیت ایک بزدل اور سہمے ہوئے بچے سے زیادہ اور کچھ نہیں تھی۔ اس کے دل و دماغ میں ایک جنگ جاری تھی۔ دماغ کا فیصلہ یہی تھا کہ بھارتی فوج کے مرکز پر پیش ہو کر "مساعدت" کے مقامی اڈے اور عمدو اور اس کے دونوں ساتھیوں کے عزائم سے آگاہ کر کے جان کی امان اور انعام و اکرام پا لے جب کہ دل اس فیصلے پر ملامت کرتا تھا۔

وہ ضمیر کی اذیت ناک مار سہہ رہا تھا اور اس کا دوسرا ساتھی آنے والی قیامت سے بے خبر گہری نیند کے مزے لوٹ رہا تھا۔ اس کے ساتھی نے کھانا تیار کیا تھا۔ رات اس نے جاگ کر ہی گزاری تھی اور اب قدرے مطمئن ہو کر لیٹ گیا تھا کہ نیند نے اسے آ لیا۔

دوپہر تک بوستان کے اندر خاصی ٹوٹ پھوٹ ہو چکی تھی، لیکن بظاہر نخوت ہی سہی اس نے بزدلی ہی کو مصلحت جان لیا تھا۔ اس کے ساتھی نے کھانا تیار کیا تھا۔ انہیں یہاں سے رات کے دوسرے پہر امیر خان اور اس کے ساتھیوں کی آمد کے بعد ہی روانہ ہونا تھا۔ بوستان نے بمشکل دو چار لقمے زہر مار کیے تھے۔ اپنے ساتھی کے استفسار پر اس نے پیٹ کی خرابی کا بہانہ کر کے بظاہر اسے مطمئن کر دیا تھا، لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اس کے اندر برپا ہونے والی کشمکش اس کے رویے پر بھی اثر انداز ہو رہی ہے اور اس کے درمیانی عمر کے ساتھی نے اس میں پیدا ہونے والی اس تبدیلی کو محسوس کر لیا تھا۔

"کیا بات ہے بوستان، تم کچھ مطمئن نظر نہیں آ رہے؟" بالآخر اس نے اپنا عندیہ بوستان پر ظاہر کر ہی دیا۔

"کچھ نہیں --- کچھ نہیں۔ بس یونہی دراصل پچھلے دو چار دن سے مجھے پیٹ

تکلیف نے تنگ کرنا شروع کر دیا ہے۔"

"شہر سے کوئی دوائی لے آؤ۔" اس کے ساتھی نے ہمدردی ظاہر کی۔

"ایسی کوئی خاص بات بھی نہیں، پھر شہر کے معاملے........" بوستان نے بات نامکمل ہی چھوڑ دی، لیکن وہ قدرے مطمئن بھی ہو گیا کہ اس طرح یہاں سے ہٹنے کا کوئی بہانہ تو اس کے ہاتھ آ گیا ہے۔

"بوستان بھیں رات کو نہ جانے اور کتنا سفر کرنا ہے۔ میرے خیال سے بہتر یہی ہے کہ تم کوئی دوائی لے آؤ۔" اس کے ساتھی نے کہا جو بوستان کو بے چین تو پاتا تھا، لیکن اس کی پریشانی کی وجہ نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ اب جیسے اس کی پریشانی جان کر مطمئن ہو گیا۔ "ٹھیک ہے تم کہتے ہو تو جاتا ہوں۔" بوستان اٹھ کھڑا ہوا۔

سہ پہر کو وہ اپنے ٹھکانے سے نکلا تھا اور سورج غروب ہونے سے کچھ ہی دیر پہلے پریتم سنگھ کے ہیڈکوارٹر تک پہنچا تھا۔ ہیڈکوارٹر کے باہر کھڑا وہ بڑی اذیت ناک سوچ میں گرفتار تھا۔ اپنے زندہ ضمیر کو سلانے کے لیے اسے کسی دلیل یا منطق کی گولی ابھی میسر نہیں آئی تھی۔ اسے رہ رہ کر عجیب و غریب خیالات گھیرے ہوئے تھے، پھر بچے اور بیوی نے ساری سوچوں کو نگل لیا۔ "یہ ساری جدوجہد بے کار ہے---- ایک دم بکواس---- کشمیر کبھی آزاد نہیں ہو گا۔ سب لیڈر سرکار سے ملے ہوئے ہیں۔ تمام شیر ممدوں کی بڑی منہ لگتے ہی گیدڑ بن چکے ہیں۔ پاگل ہے نبی خان۔ ہم سب پاگل ہیں۔ خواہ مخواہ خود کو موت کے منہ میں ڈال رہے ہیں۔ اپنا گھر بار تباہ کروا رہے ہیں۔ اس فوج کو کوئی نہیں ہرا سکتا۔ کوئی نہیں۔" وہ بڑبڑاتا خیموں کی اس قطار کی طرف بڑھ رہا تھا جو ایک عمارت کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور یہی تھا بریگیڈیئر پریتم سنگھ کا ہیڈکوارٹر۔

"ہالٹ" کی زوردار آواز سن کر وہ سہم کر رک گیا۔ ایک سپاہی رائفل تانے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ "اے کدھر جائے گا؟" آنے والے نے درشت لہجے میں اسے مخاطب کیا اور بوستان کو یوں لگا جیسے وہ کسی خواب سے اچانک چونک کر بیدار ہوا ہو۔

"میں---- میں بریگیڈیئر صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس نے گھبراہٹ کا مظاہرہ کیا۔ سپاہی کو معاملہ کوئی گڑبڑ نظر آ رہا تھا۔ "ہینڈز اپ!" اس نے بوستان کو للکارا اور اس کے ہاتھ کسی مشینی عمل کے تابع اوپر اٹھتے چلے گئے۔

"اوہر چلو سالا! ابھی ملاتا ہے تیرے کو بریگیڈیئر صاحب سے۔" سپاہی نے اسے رائفل کی نال سے دوسری طرف اشارہ کرتے ہوئے حکم دیا۔

[illegible] بس.....بول" کی طرح اس کے آگے بچھا جا رہا تھا۔ [illegible] اسے کبھی کمانڈر کے سامنے لے آیا تھا۔ "صاحب!" اس نے اپنے افسر کو دیکھ کر [illegible] "یہ مسلا بریگیڈیئر [illegible] ہے۔" [illegible] اس کے لہجے سے [illegible] رہی تھی۔

کیپٹن پیارے چند نے اپنی میز کے سامنے ہاتھ الٹا کر کھڑے بوستان کی آنکھوں میں [illegible] نظروں سے وہ بوستان کو گھورتا رہا جس نے اپنی نظریں جھکا لی تھیں۔ پھر اس نے میز پر رکھی گھنٹی پر زور سے ہاتھ مارا۔ دو مسلح سپاہی اندر آ گئے۔

"تلاشی لو اس کی۔" اس نے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا جنہوں نے بوستان کو فوراً سارے کپڑے اتار دینے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی تین رائفلوں کی نالیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔

"یہ........ یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو؟" اس نے بے بسی سے کچھ کرنا چاہا لیکن اپنے دائیں پہلو پر لگنے والی زوردار لات نے اسے الٹا کر رکھ دیا۔

"بکو مت! کپڑے اتارو۔" بوستان کے پیچھے کھڑے حوالدار نے جو رائفل کی چونچ عین اس کی پسلیوں میں چبھوئے تھا، کہا۔

خوف کی ایک سرد لہر بوستان کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔ اس کے لہو کا غیرت بول گیا تھا۔ وہ کسی خوفزدہ بچے کی طرح بزدل بن گیا۔ بوستان نے ایک ایک کر کے سارے کپڑے اتار دیئے، صرف ایک زیر جامہ اس کے جسم پر رہ گیا۔

کیپٹن پیارے چند کے اشارے پر وہی حوالدار آگے بڑھا۔ اس نے دوبارہ بے خبری میں رائفل کا بٹ اتنی قوت سے بوستان کے پہلو پر مارا کہ وہ اوندھے منہ فرش پر گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی ایک رائفل کی نالی اس کی پیٹھ سے آن لگی۔ ایک سپاہی نے رائفل کے ساتھ ہی ایک پاؤں اس کی کمر پر رکھ دیا۔ دوسرے نے زیر جامہ پر زور زور سے ہاتھ مار کر اس بات کی تصدیق کر دی کہ یہاں کچھ نہیں۔

حوالدار نے اس کے تمام کپڑے پہلے پاؤں کی ٹھوکروں سے پھر ناک سکوڑتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے ٹٹولے۔ اس کی سب جیبیں خالی تھیں۔ حوالدار نے سرگوشی کے انداز میں بتاتے ہوئے جب بوستان کے پاس کچھ نہ ہونے کی تصدیق کی تو کیپٹن پیارے چند کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"اٹھ کر کپڑے پہنو اور بیٹھ جاؤ۔" اس نے کمرے کے ایک کونے میں رکھے اسٹول کی طرف اشارہ کیا۔

HBC

بوستان جس کی ٹانگ پر پڑنے والی ضربوں نے اسے بے حال کر رکھا تھا، بڑی مشکل سے اسٹول پر جا بیٹھا۔ تینوں سپاہی کمرے کے مختلف کونوں میں کھڑے ہو گئے۔

"کیا نام ہے تیرا؟" کیپٹن پیارے چند اس کے سر پر پہنچ گیا تھا۔

"بوستان!" بمشکل اس کے منہ سے نکلا۔

"کیا کام کرتے ہو؟"

"میں صاحب انڈین آرمی کا سابق نائیک ہوں۔" اسے بولنے میں بڑی قوت صرف کرنا پڑتی تھی۔

"بریگیڈیئر صاحب سے کیوں ملنا تھا؟" وہی سنسناہٹ اس کے کانوں میں گونجی۔

"صاحب میں ایک بہت اہم اطلاع لایا ہوں۔" بوستان نے کچھ حوصلہ کیا۔

"کیا؟"

"ادھر ایک اڈہ ہے تخریب کاروں کا۔"

ابھی اس کا جواب نامکمل ہی تھا کہ ایک زوردار تھپڑ اس کے کان پر لگا اور وہ اسٹول سمیت زمین بوس ہو گیا۔ "سالا! ہمیں ڈاج کرتا ہے۔" کیپٹن نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

اتنا بھرپور طمانچہ تھا کہ بوستان کے کانوں میں گونجتی سنسناہٹ پہلے سے دوچند ہو گئی۔ اسٹول سے زمین پر وہ منہ کے بل گرا تھا۔ اس کے منہ سے خون بہنے لگا۔ اس نے اپنی قمیص کی آستین سے منہ پونچھا اور دوبارہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"صاحب——! صاحب! خدا کی قسم میں سچ بولتا ہوں۔ صاحب!" وہ گھگھیایا۔

"بکتا ہے سالا۔" کیپٹن کے منہ سے گالی نکلی اور اس کے سپاہی بوستان پر پل پڑے اور وہ بزدلوں کی طرح چیختا چلاتا رہا۔ پھر کیپٹن نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے جوانوں کو رکنے کا اشارہ کیا۔

اس دو تین منٹ کی مار ہی نے بوستان کی ہڈیاں چٹخا کر رکھ دی تھیں۔ وہ زمین پر گرا بے بس بلے کی طرح رحم کی بھیک مانگ رہا تھا۔ مہلت نصیب ہونے پر وہ ہاتھ باندھتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ "میں سچ کہتا ہوں صاحب۔ میں سچ——" وہ ایک ہی فقرہ روتے ہوئے دہرا رہا تھا۔

آدھ گھنٹہ مسلسل مار اور گالیاں کھانے کے بعد بوستان جب اس قابل ہوا کہ انہیں اپنی "سچائی" کا یقین دلا سکے تو جہاں اس کے جسم کا بند بند ٹوٹنے لگا تھا' وہاں کوئی نادیدہ طاقت

…وں میں "الف! الف!" کی مسلسل تکرار کر رہی تھی۔

"…کے باہر لے جاؤ۔" کیپٹن پیارے چند نے اپنے جوانوں کو حکم دیا اور وہ … کے سارے بھرے … نکل نہ سکتے تھے … کراہوں سے … باہر لے گئے۔

کیپٹن پیارے چند اور اس کے افسران اب بوستان پر … مطمئن … کے ساتھ "ساؤتھ" کے مقامی ٹھکانے پر چھاپہ مارنے جا رہے تھے۔

☆○☆

تینوں کے اعصاب رات ڈھلنے کے انتظار میں ٹوٹنے لگے تھے۔ … کی مسافت … کر کے طے ہوئی۔ سارا دن تو مطلع صاف رہا لیکن شام کے افق پر بادلوں … ڈوبتے سورج کی کپکپاتی کرنوں نے بادل کے کناروں اطراف … خوبصورت … کھینچ دیا تھا … لیا تھا۔ اب اس حاشیے پر بھی رات کی ظلمتوں کا سایہ گہرا ہونے لگا تھا۔ … روشنیاں دم توڑ گئیں۔

اندھیرے کے ہیبت ناک دیو نے ان کے سامنے کی پہاڑی کو نگل لیا تھا۔ کبھی کبھی کسی سمت سے اچانک ٹارچ یا سرچ لائٹ کی روشنی جل بجھ کر اندھیرے کے اس طلسم سے ٹکرا کر دم توڑ دیتی تھی۔

سامنے کا سارا منظر گو کہ کشمیر کے مقدر پر پھیلی رات کی ظلمت لے ڈوبی تھی لیکن امیر خان نے نگر کی ایک ایک تفصیل حفظ کر رکھی تھی۔ صبح سے اب تک اس نے اس کے سوا اور کیا ہی کیا تھا۔ کبھی کبھی جب سانپ کی طرح بل کھاتی سڑک پر دوڑتی کسی جیپ کی روشنی موڑ کاٹتے ہوئے ایک خاص زاویے پر آ کر جب نگر کو جانے والے راستے پر پڑتی تو امیر خان کی رگوں میں انگارے دوڑنے لگتے۔

"چلو شیرو!" اس نے اپنے بائیں بیٹھے دونوں ساتھیوں سے سرگوشی کی۔

"امیر خان بڑا لمبا ساتھ رہا ہے اپنا—— ہم نے اگلی سے عمر تک اکٹھے موت کی شاہراہ پر سفر کیا ہے۔ اب مجھے اکیلا چھوڑ کر جا رہے ہو۔" محمد گوجر نے اس کے بازو پر لرزتا ہوا ہاتھ رکھا۔

"نہ سنگی—— نہ!" امیر خان نے بڑی آہستگی سے اس کے ہاتھ کو الگ کیا اور اپنا مضبوط پنجہ اس کے کندھے پر جمایا۔ تم تو جانتے ہو مجھے—— میں اتنی جلدی مرنے والا نہیں۔" اس نے کوشش کی تھی کہ اپنے لہجے کو غیر سنجیدہ بنائے رکھے۔

HBC

سہول خاموش تھا اسے کچھ نہیں سوجھ رہی تھی۔ تینوں دوست ایک دوسرے سے بڑی بڑی بغلگیر ہوئے۔ انہوں نے ہنستے مسکراتے ہوئے ایک دوسرے سے ہونے والی کسی بھی دانستہ غلطی کی معافی مانگی اور "رب راکھا" پکارتے موت کی شاہراہ پر تین سمت کو پھوٹنے والی تین راہیں اپنا لیں۔ وہ پتھروں پر بغیر آواز پیدا کیے چل رہے تھے۔ ممدو اور سہول خان کو امیر خان نے ان کی پوزیشنوں سے آگاہ کر دیا تھا۔

ایک مخصوص مقام پر وہ تینوں اپنی اپنی سمت ہو لیے۔ ممدو اور سہول نے اس راستے کو کور کرنا تھا جو اس بنکر تک جاتا تھا اور امیر خان نے اپنے ذہن میں اس سے الگ ایک وضع کردہ راستہ اختیار کر کے بنکر تک پہنچنا تھا۔

بنکر کے ایک کونے سے جھانکتی فیلڈ گن کی نال سے کبھی کبھی کوئی گولہ گونج دار آواز پیدا کرتا، اپنے پیچھے چنگاریوں کی ایک لکیر چھوڑتا مجاہدین کی پونچھ سے باہر جانے والی پوزیشنوں پر گرتا تو ایک گونج سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرا کر لرزنے لگتی۔ پھر اس کا ہیبت ناک تسلسل بھی خاموشیوں کے سمندر میں غرق ہو جاتا۔

امیر خان نے اپنے جوتے اتار کر پھینک دیئے تھے۔ اس کی اسٹین گن اس کے کندھے سے جھول رہی تھی اور پوچ میں رکھے چند گرینیڈ محض ایک لمحے کی مہلت پر اپنی مہم پر روانہ ہونے کے لیے تیار تھے۔ امیر خان نے بنکر کے ایک پہلو پر پہنچنے اس پیچ دار اور بظاہر ناقابل عبور راستے کا انتخاب کیا تھا جس پر چل کر بنکر تک پہنچنا کسی بہت بڑے اور جلتے صحرا کو پاٹنے سے کم ہرگز نہ تھا۔

کسی بھی پتھر پر پڑنے والا غلط قدم، کوئی بھی کنکر نیچے گرا دیتا یا کسی بھی جھاڑی سے پیدا ہونے والی معمولی سی آواز اس کی موت کی پیامبر بن جاتی۔ کوئی اس طرف دیکھنے کا تکلف بھی نہ کرتا۔ محض اس کے سر پر جھانکتی مشین گن کی نالی سے ایک سرخ لکیر پھوٹتی اور وہ موت کے بے رحم ہاتھوں میں کچھ کرنے کی حسرت ہی دل میں لیے جا پہنچتا۔

پتھروں پر تیرتا ہوا اب وہ اس چھجے کے نیچے بنی چٹان کے تیز دھار سرے پر پہنچ چکا تھا جس نے اسے اس چھجے تک پہنچانا تھا، جس کے اوپر بنے بنکر میں موت اپنا بھیانک جبڑا کھولے ہر آنے والے کی منتظر بیٹھی تھی۔

امیر خان نے پتھروں کے ڈھیر پر سے ایک قدم چٹان پر رکھا اور زمان و مکان کی ٹھہری ہوئی گردشوں میں سما گیا۔ یہ چند لمحوں کا سفر اس کے اعصاب توڑے ڈال رہا تھا۔ کسی بھی نئے پاؤں اٹھانے سے کوئی کنکر بھی پھسل کر آواز پیدا کر سکتا تھا۔ پھر اس کے قدم اٹھانے اور

[illegible] ہونے کا عمل ایک ساتھ وقوع پذیر ہوا۔ دھماکے کی آواز سے اس کی نسیں ٹوٹتے [illegible] سنکر اڑ کر نیچے گرے تو امیر خان کو اپنی نبضیں ساکت ہوتی ہوئی معلوم ہوئیں۔

لمحے بھر کے لیے اس قیامت ناک گریز پا کیفیت کی بھینٹ چڑھا کر وہ شعور کے جہانوں میں واپس آیا اور موت کی شاہراہ پر سنبھل سنبھل کر آگے بڑھتے ہوئے اپنی ساکت نبض کے ساتھ اس نے آخری مراحل عبور کیا اور چھجے پر پہنچ گیا۔

چھجے کی چٹان قدرے ہموار تھی۔ امیر خان نے برف سی چمکیلی چٹان پر خود کو بغیر آواز کے گرا دیا اور لیٹے لیٹے ایک پتھر سے ٹیک لگا کر اپنے پوچ سے گرینیڈ باہر نکالا۔ یہاں تک پہنچنے کی جو مسافت اس نے پائی تھی، اس کا تصور کرتے ہی کرب آمیز مسکراہٹ کی ایک لہر اس کے ہونٹوں پر منجمد ہو کر رہ گئی۔

اپنے شعور کی دنیا میں لوٹنے پر جب اس نے اپنی جسمانی کیفیت کا جائزہ لیا تو اس پر انکشاف ہوا کہ اس کے پاؤں تو کبھی کے جسم سے الگ ہو چکے ہیں۔ پاؤں کی جگہ برف میں منجمد گوشت کے دو بے حس لوتھڑے اس کی ٹانگوں سے چمٹے ہوئے تھے۔ کسی نہ کسی طرح اپنے بے حس اور منجمد قدموں پر وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے سینے سے پتھروں کی وہ دیوار لگی ہوئی تھی جس میں چوکور دروازے کے اندر فیلڈ گن اور مشین گنیں نصب تھیں۔ اس نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور اسے اپنے منہ تک لے جا کر امیر خان نے گرینیڈ سے پن الگ کی اور پنجوں کے بل اوپر کو اٹھا۔

بنکر میں موجود توپچیوں کے ہیولے اندھیرے میں ابھرے، پھیلے اور پھیل کر سمٹ گئے۔

امیر خان کا ہاتھ سر سے بلند ہوا اور گرینیڈ مورچے میں جا گرا۔ دوسرے ہی لمحے وہ دوسرے گرینیڈ کی پن نکال چکا تھا۔ پہلے دھماکے کے ساتھ ہی دوسرا گرینیڈ بنکر میں گرا۔

دھماکے کے ساتھ اڑنے والی چیزوں میں امیر خان کا اپنا وجود بھی شامل تھا۔ پوری وادی کا کلیجہ ہی تو دہل گیا تھا۔ امیر خان اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ وہ اڑتا ہوا سامنے والی چٹان سے ٹکرایا۔ پھر اس کا وجود ٹکرا کر پیچھے کو الٹا اور سر ایک بڑے پتھر سے ٹکرا گیا۔ تازہ خون کی ایک سرخ لکیر پتھر پر سے بہہ کر ایک کونے سے قطرہ قطرہ نیچے پھیلے پتھروں پر گر کر جمنے لگی۔

"خدایا........ کشمیر........!" اس نے دو الفاظ ہی بمشکل ادا کیے تھے۔

شہادت کی منزل

صوبے دار کیدار ناتھ اپنی پلاٹون کے ساتھ پٹرول کر رہا تھا جب اس کو دور سے دو سپاہی بھاگ کر اس جانب آتے دکھائی دیئے۔

——اس سے پہلے فائرنگ کی مسلسل آواز آ رہی تھی۔ پہلے تو اس نے یہی سمجھا کہ یہ بلوائیوں کی کارروائی ہے، لیکن جلد ہی اسے اپنا خیال بدلنا پڑا۔ اس کی تو ساری زندگی میدان جنگ میں گزری تھی اور بیک وقت فائر کرتی مختلف گنز میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ شناخت کر سکتا تھا—— فائرنگ میں لائٹ مشین گن کی آواز اس امر پر دلالت کر رہی تھی کہ معاملہ کچھ اور ہے۔

"ٹارچ جلاؤ۔" اس نے ایک جوان کو حکم دیا۔

ٹارچ روشن ہوتے ہی باقی ساری پلاٹون اسٹینڈ ٹو ہو گئی۔ ٹارچ کی روشنی میں انہیں دو حواس باختہ پولیس والوں کے چہرے دکھائی دیئے جو دیوانہ وار منہ اٹھا کر اس طرف بھاگتے ہوئے آ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔

"مہاراج جی—— مہاراج جی! غضب ہو گیا۔" فوج کو اپنے سامنے دیکھتے ہی ان میں سے ایک نے ہانپتے ہوئے دونوں ہاتھ باندھ دیئے۔ دوسرا تو دہشت کے مارے بولنے کے قابل ہی نہیں رہ گیا تھا۔

"کیا ہوا——؟ کیا بات ہے؟" صوبے دار کیدار ناتھ نے فوجی دبدبے کا مظاہرہ کیا۔

"ادھر بوم گارڈز والے مسلمانوں نے سب کو مار ڈالا—— سب کو مہاراج جی—— کسی کو زندہ نہیں چھوڑا—— انسپکٹر صاحب بھی مارے گئے—— سب مارے گئے۔" وہ ایک ہی بات دہرائے جا رہا تھا۔

"مسلوں نے...... سب کو مار دیا......"

"ان کی یہ ہمت——!"

"یہ ایسے ہی کرتے ہیں۔"

"وہاں بھدروالہ میں بھی انہوں نے کل تین ہندو پولیس والے مار دیئے تھے۔" حوالدار کی زبانیں بھانت بھانت کا زہر اگلنے لگیں۔

"مہاراج جی! وہ سب چھوکریوں کو بھگا کر لے گئے ——— سب کی ......" دوسرا بھی ہمت کر کے منمنایا۔

"یہ سالے ان کی یہ ہمت!" صوبیدار کیدار ناتھ کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"ایڈوانس کرو جوانو ——— ساری پلاٹون بکھر کر میرے ساتھ چلے گی ——— اے حوالدار صاحب تم ادھر کمپنی ہیڈکوارٹرز کو خبر کرو ———!" اس نے احکامات جاری کیے۔

حوالدار تو وائرلیس پر رابطہ پیدا کرنے لگا۔ باقی جوان فوراً جنگی تربیت کے مطابق مختلف سیکشنوں میں بٹ کر بکھر گئے۔ وہ سب ایڈوانس کرتے ہوئے ڈاک بنگلے کی طرف بڑھ گئے۔

☆○☆

شیرو بھاگم بھاگ جب اپنے کمرے میں پہنچا تو اسے ایک زبردست ذہنی جھٹکا لگا۔ وہ لڑکی جسے اس نے ایک جوان کے ساتھ بھیجا تھا ——— اس کے کمرے میں سکڑی سمٹی بیٹھی تھی ——— افراتفری میں شیرو کے ذہن سے اس کا خیال ہی نکل گیا تھا ——— اس کے جسم پر کپڑوں کی جگہ چیتھڑے لٹک رہے تھے، لیکن ابھی تک وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ اسے اپنی جسمانی حالت کا جائزہ لینے کا خیال ہی شاید نہیں آیا تھا۔

شیرو اس پر ایک نظر ڈال کر دھک سے رہ گیا۔ اسے یوں لگا جیسے کسی نے ہپناٹائز کر دیا ہو۔ یہ لڑکی اپنے پھٹے پرانے کپڑوں میں بھی کسی اور عالم کی مخلوق نظر آ رہی تھی۔ شیرو ایک ٹک اسے گھورتا رہا۔ جیسے ہی لڑکی کو اس کی آمد کا احساس ہوا اور اس کی نظریں شیرو کی نظروں سے ٹکرائیں، ایک خجالت سی اسے محسوس ہوئی جیسے لڑکی نے اسے چوری کرتے پکڑ لیا ہو۔

وہ دوسرے ہی لمحے عالم ہوش میں لوٹ آیا۔ وقت کی نزاکت کا احساس اس سے زیادہ اور کسے تھا۔ چارپائی کے ایک کونے پر دھرا اپنا سویلین جوڑا جو اس نے رات کو پہننے کے لیے تیار کیا تھا، اس نے اس کے سامنے پھینک دیا۔

"جلدی سے کپڑے بدل کر باہر آؤ ——— فوراً!" یہ کہہ کر وہ اپنا اسباب سمیٹنے لگا۔ دراز سے بھرا تھیلا اس نے کندھے کے ساتھ لٹکایا اور گن ہاتھ میں پکڑ کر باہر نکل گیا۔ دو منٹ کے جان لیوا انتظار کے بعد لڑکی باہر آئی۔ اس نے بھی شاید حالات کی سنگینی کو

محسوس کر لیا تھا۔ باقی جوان قطار میں کھڑے تھے۔

"سلام جی!" اس نے ایک حوالدار کو مخاطب کیا۔ "تم باقی جوانوں کے ساتھ آگے لاؤ۔ ہم سری نگر روڈ بلاک کرتے ہیں۔ فوج کو اس طرف نہ آنے دینا۔ اگر وہ زیادہ ہوں تو فائرنگ کرتے ہوئے پسپا ہو جانا۔ خدا حافظ۔"

اس نے باقی جوانوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ لڑکی ہکا بکا سی کھڑی تھی۔ اس کا ذہن ہی شاید ماؤف ہو چکا تھا۔ پے در پے ٹوٹنے والی قیامتوں نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"آؤ ——— چلو میرے ساتھ ———!" شیرو نے اس کا بازو پکڑ کر اسے ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہوں ———!" لڑکی کے منہ سے بمشکل نکلا۔

شیرو نے اسے اپنے ساتھ ہی بھگانا شروع کر دیا تھا۔ وہ اس کی رفتار کا ساتھ تو نہ دے سکتی تھی، اس کے ساتھ کھنچی چلی آ رہی تھی۔

——— لیکن بمشکل اس نے ابھی آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ وہ لڑکھڑا گئی اور اگر شیرو نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ نہ تھام رکھا ہوتا تو وہ منہ کے بل گر پڑتی۔ اس نے رک کر لڑکی کو سنبھالا۔

"چلو ——— جلدی کرو ———!" شیرو نے اسے سہارا دیتے ہوئے مخاطب کیا۔

"مجھ سے بھاگا نہیں جاتا۔" وہ سسک پڑی۔

اس کی جلتی ہوئی آنکھیں شیرو سے ٹکرائیں اور اپنا فسوں پھونک گئیں۔ ایک مرتبہ وہ پھر اسی کیفیت کا شکار ہو گیا جس سے تھوڑی دیر پہلے ہی وہ گزر کر آیا تھا۔ اس کے لیے لڑکی سے آنکھیں ملائے رکھنا بڑا مشکل ہو گیا تھا۔ اچانک ہی فائرنگ کی آواز دونوں کو عالم حقیقت میں واپس لے آئی۔

شیرو جھکا اور ایک جھٹکے سے حیرت زدہ لڑکی کو کندھے پر اٹھا کر بھاگنے لگا۔ اس کے ساتھی شیرو کے وہاں پہنچنے تک سڑک کے کنارے دونوں اطراف میں پوزیشنیں سنبھال چکے تھے۔ لڑکی کو کندھے پر اٹھائے وہ سڑک کے کنارے لگے درختوں کے اندر ہی اندر گھستا چلا گیا۔ ایک قدرے محفوظ جگہ پہنچ کر اس نے اس بوجھ سے نجات حاصل کی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" اس نے اپنی سانسیں سنبھالتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"آسیہ!" اس کے منہ سے نکلا ہی تھا کہ اچانک شیرو نے جست لگائی اور اپنے ساتھ اسے بھی زمین پر گرا دیا۔ گولیاں اس سے کچھ فاصلے پر درختوں کے تنے چھید گئی تھیں۔

خوف کے مارے لڑکی کے حلق سے نکلنے والی چیخ بڑی ہی المناک تھی۔
—— شیرو نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دوڑتا ہوا درختوں کے اندر ہی اندر نکلتا چلا گیا۔ اسے اپنے چاروں طرف سے اپنے ساتھیوں کے بھاگنے اور چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ حملہ آور مارٹر اور مشین گن سے فائر کر رہے تھے اور شیرو کے ساتھیوں کے پاس رائفلیں اور اسٹین گنیں اور دو مشین گنیں بھی تھیں، مگر انہیں نصب کرنے کی انہیں کہاں مہلت ملی ہو گی؟ شیرو سوچنے لگا۔

مقابلہ دیوانے کا خواب تھا اور بس۔ اس کی اپنی اکیلی جان ہوتی تو کوئی اور بات تھی، لیکن قدرت نے ایک مسلمان لڑکی کی شکل میں اس پر جو بوجھ لاد دیا تھا اس نے شیرو کو کچھ زیادہ ہی حقیقت پسند بنا دیا تھا۔ وہ لڑکی کا ہاتھ تھامے بدستور بھاگتا چلا جا رہا تھا۔

لڑکی کی حالت اب یہ تھی کہ وہ بھاگنے کی بجائے اس کے ساتھ گھسٹتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ شیرو حیران تھا کہ اب تک اس سمت آنے والی ہزاروں گولیوں میں سے کوئی ان میں سے کسی ایک کو کیوں نہیں لگ گئی؟ جس شدت سے وہ لوگ فائرنگ کر رہے تھے بظاہر ان کے اب تک بچے رہنے والی کوئی بات نہیں تھی۔

ایک قدرے محفوظ جگہ پر پہنچ کر وہ رک گیا۔ خود اس کا سانس بھی مسلسل بھاگ دوڑ سے دھونکنی کی طرح چلنے لگا تھا۔ لڑکی تو نیم مردہ سی وہیں ایک درخت کے سہارے بیٹھ رہی جب کہ شیرو اس سے ذرا ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظریں اسی راستے پر جمی ہوئی تھیں جس پر بھاگتے ہوئے وہ یہاں تک پہنچے تھے، لیکن گھنے درختوں کی وجہ سے اس کی نظریں قریب ہی الجھ کر رہ جاتی تھیں۔

"کہاں کی رہنے والی ہو؟" اس مرتبہ لڑکی سے آنکھیں ملانے کی اسے ہمت نہیں ہوئی تھی۔ اس کے سوال کا جواب لڑکی کی آنکھوں سے بے اختیار بہنے والے وہ آنسو تھے جنہوں نے شیرو کو بھی گڑبڑا کر رکھ دیا۔ "اوہ! معاف کرنا۔ مجھے شاید یہ نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔" شیرو اس الجھن میں تھا کہ اسے کس طرح تسلی دلائے۔

"ایسا نہ کہیے۔ آپ نے تو میری جان بچائی ہے۔ ہم لوگ بونٹ کے ساتھ ہی ایک گاؤں کے رہنے والے ہیں لیکن اب........ اب وہاں کوئی بھی نہیں رہا۔" وہ سسک پڑی۔
شیرو کچھ پشیمان ہو گیا۔

"تم اسے قسمت کا لکھا سمجھ لو جو تمہاری کہانی ہے وہی آج ہر کشمیری مسلمان کی ہے—— بہرحال اب تم محفوظ ہو۔ جب تک میں تمہارے ساتھ زندہ ہوں۔"

لڑکی نے حیرت انگیز قوت ارادی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے آنسو پونچھے اور سر جھکا لیا۔

"میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے دور نکل جانا چاہیے۔ فائرنگ کی آوازیں اب بند ہو چکی ہیں۔ میرے ساتھی یا تو مارے گئے ہیں یا گرفتار ہو گئے ہیں۔ ادھر نہیں ہے۔ اب اندھیرے میں ہم اگر جنگل ... اجالے میں سفر کرنا اتنا آسان نہیں۔" شیرو نے اسے سمجھایا۔

لڑکی بغیر کوئی بات کیے اٹھ کھڑی ہوئی مگر صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اس کی حالت مزید چلنے کے لائق نہیں ہے۔

"مجھے تمہاری حالت کا احساس ہے آسیہ۔" شیرو بولا۔ "لیکن........" وہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو رہا کیونکہ آسیہ چند قدم آگے نکل گئی تھی۔

دو تین فرلانگ وہ دونوں اکٹھے چلتے رہے۔ اس دوران دونوں ہی نے ایک دوسرے کی طرف کئی کئی مرتبہ کن انکھیوں سے دیکھا اور ایک دوسرے کی چوری پکڑا ... لیکن ابھی تک دونوں نے آپس میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ چلتے چلتے اچانک ہی آسیہ رک گئی۔

"آپ کون ہیں؟" اسے شاید ہوش ہی اب آیا تھا۔ شیرو چونک پڑا۔

وہ جس سوال کی توقع بہت پہلے کر رہا تھا وہ لڑکی نے اب اس سے پوچھا تھا۔

"میں مسلمان ہوں۔ شیرو میرا نام ہے—— شیر محمد میں پونچھ سے آیا ہوں۔" اس نے اپنا مختصر تعارف جلدی جلدی کروا دیا۔

لڑکی کو شاید ابھی تک اس کی بات پر یقین نہیں آیا تھا کیونکہ اس نے شیرو کو سرکاری وردی میں دیکھا تھا جو اس کے خیال سے بھارتی یا ریاستی فوج ہی کی وردی ہو سکتی ہے۔ شیرو بھی اس کی ذہنی کیفیت کو بھانپ گیا تھا۔

"ہم شیخ عبداللہ کی فوج کے سپاہی ہیں۔" اس نے لڑکی کو مطمئن کرنا چاہا۔ اسے یقین تھا کہ شیخ کا نام آسیہ کے لیے اجنبی نہیں ہو گا۔ شیرو کے جواب سے وہ قدرے مطمئن ہو گئی تھی۔ دونوں اب پھر خاموشی سے چلے جا رہے تھے۔

"تمہیں اس علاقے کی کچھ خبر بھی ہے؟" اس نے چلتے چلتے ہی آسیہ سے پوچھ لیا۔

"نہیں۔ میں صرف سری نگر دو مرتبہ گئی ہوں اپنے چچا کے گھر۔ یہاں بونٹ سے کبھی باہر نکلنے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

شیرو نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اب کم از کم لڑکی کو مضبوط ہاتھوں تک پہنچنے کا موقع تو

بڑی لے جایا جائے کیونکہ اس کا چچا سری نگر میں موجود ہے۔ وہ تو ابھی تک یہ فیصلہ بھی نہ کر پایا تھا کہ وہ اسے بچا کر لے جائے گا کہاں؟ اس نے ہوم گارڈز کی وردی پہن رکھی تھی جو ان دونوں کو کسی بھی وقت پکڑوا سکتی تھی۔ اردگرد کے ہندو دیہاتوں میں پہلے ہی سے کیمپ میں بھرتی ہونے والے مسلمان ہوم گارڈز کے خلاف زبردست نفرت پائی جاتی تھی کیونکہ جو کارنامہ شیرو اور اس کے ساتھیوں نے پونچھ میں انجام دیا' ایسے کئی کارنامے مسلمان ہوم گارڈز پہلے بھی مختلف مقامات پر انجام دے چکے تھے اور کئی جگہ ان کا ٹکراؤ ریاستی فوج اور ہوم گارڈز میں موجود غیر مسلموں سے ہو چکا تھا۔ فوج سے ابھی تک البتہ یہ پہلا ٹکراؤ تھا جو ان لوگوں نے کیا۔ شیرو کو رہ رہ کر ایک ہی فکر ستائے جا رہی تھی کہ جموں میں اس کے ساتھی اس کے منتظر ہوں گے۔ اس کے دل سے یہی دعا نکلتی تھی کہ خدا کرے اس کے پونچھ والے باقی ساتھی جموں تک بخیریت پہنچ جائیں۔

پونچھ کے تز گھر سے نکلنے والی خبر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ نزدیکی علاقوں میں پھیل جاتی تھی اور شیرو جانتا تھا کہ راتوں رات ان کا "کارنامہ" پونچھ کے گردو نواح میں پھیل چکا ہو گا۔ دن کے اجالے میں اس کی وردی ان دونوں کے لیے موت کا پھندا ثابت ہو سکتی تھی۔ وہ جلد از جلد اس مصیبت سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا' لیکن کیسے؟ یہی سوال اسے کچوکے دے رہا تھا۔

رات کا شاید دوسرا پہر تھا جب اس نے آسیہ کو لڑکھڑاتے دیکھا۔ بجلی کی سی پھرتی سے وہ آگے بڑھا اور اس نے آسیہ کو اپنے دونوں بازوؤں میں تھام لیا۔ شیرو نے محسوس کیا کہ سردی سے اس کا وجود لرز رہا ہے اور اس کی ٹانگوں پر کپکپاہٹ طاری ہے۔ شاید اسی وجہ سے وہ چلتے چلتے لڑکھڑا گئی تھی۔ شیرو کے سینے سے لگتے ہی آسیہ کو ایک عجیب سی طمانیت کا احساس ہوا' بالکل یوں جیسے کوئی مرغی کا چوزہ سہم کر اپنی ماں کے پروں میں چھپ جاتا ہے' لیکن اس کے اس غیر اختیاری عمل نے جو اثرات نوجوان شیرو پر مرتب کیے تھے ان کا احساس اسے نہیں ہو سکا تھا۔ شیرو چند سیکنڈ کے لیے تو بوکھلا گیا تھا پھر اس نے اپنے سینے پر ایک گداز سا دھڑکتا محسوس کیا۔ وہ ان لمحات کی طوالت کا متمنی تھا' لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی اسے آسیہ کو خود سے الگ کرنا پڑا۔ اس نے بغیر کچھ کہے اپنا فوجی کوٹ اتارا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ لڑکی حیرت سے اس کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی۔

"یہ مجھے دے دو اور کوٹ پہن لو۔" اس نے آسیہ کو مخاطب کیا جس نے کسی [illegible] اس کے حکم کی تعمیل کر دی۔ کوٹ اتارنے کے بعد شیرو کو اپنی رگوں

میں خون منجمد ہوتا محسوس ہو رہا تھا' لیکن اس نے [illegible] اس نے [illegible] کی [illegible] دی سے کوٹ پہن لیا۔ کوٹ کی لمبائی نے اس کی ٹانگوں کو بھی [illegible] ہوا سے محفوظ کر دیا تھا۔

☆○☆

بھارت کے ساتھ الحاق کے معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ کو بھارتی حکومت کے گورنر جنرل ماؤنٹ بیٹن نے لکھا تھا:

"وہ خاص حالات جن کے تحت یور ہائی نس نے میری حکومت سے الحاق کی درخواست گزاری ہے' انہیں مدنظر رکھتے ہوئے بھارتی سرکار ریاست جموں و کشمیر اور ڈومینین آف انڈیا الحاق منظور کرتی ہے' لیکن میں یور ہائی نس کو یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ مستقبل میں اگر یہ الحاق متنازعہ حیثیت اختیار کر گیا اور حکومت پاکستان یا ریاستی عوام کو اس پر اعتراض ہوا تو اس کا فیصلہ ریاست جموں و کشمیر کے عوام کی مرضی سے طے پائے گا۔ میری حکومت کی خواہش ہے کہ جونہی ہماری مسلح افواج غیر ملکی مداخلت کاروں کو نکال باہر کرتی ہیں اور امن و امان بحال ہوتا ہے' آپ کے ہمارے الحاق کے بارے میں رائے عامہ طلب کی جائے۔"

"رائے شماری" پنڈت جواہر لال نہرو کی طرف سے ایسی تجویز تھی جس پر بھارت میں بڑی لے دے ہو رہی تھی۔ گو کہ مہاراجہ کی ماضی میں کبھی پنڈت جواہر لال نہرو سے شیخ عبداللہ کے ذاتی مراسم کی وجہ سے نہ بنی تھی اور وہ سردار پٹیل کے زیادہ نزدیک تھے' لیکن کشمیر سے اپنے جذباتی تعلق' قوم پرستی اور شیخ عبداللہ سے دوستی ایسے محرکات تھے جنہوں نے پٹیل کی بجائے نہرو کو کشمیر کی سیاست میں زیادہ حد تک ملوث کر دیا تھا۔

مہاراجہ ہری سنگھ نے "الحاق" کا وقتی معاہدہ محض اپنی گدی اور حملہ آوروں سے کشمیر کو بچانے کے لیے کیا تھا' لیکن رائے شماری کا ترپ کا پتہ بیک وقت پاکستان اور شیخ عبداللہ کے ہاتھ میں دے کر جواہر لال نہرو نے اس کی سیاسی موت کا سامان پیدا کر دیا تھا۔ اس کی ریاستی فوج کا کمانڈر انچیف بریگیڈیئر راجندر سنگھ جنرل انتہائی نالائق ثابت ہوا تھا۔ گلگت کا گورنر گھنشام سنگھ قبائلیوں کی قید میں پہنچ چکا تھا اور گلگت اسکاؤٹ کے کمانڈر میجر براؤن نے

[illegible] فوج کی کمان اس کے ہاتھ میں دی جائے۔ مہاراجہ نے اس معاملے [illegible] میں نہرو کو لکھا

[illegible] شیخ عبداللہ کے مشورے [illegible] کرتے ہوئے [illegible] فوج بھارتی فوج کی نگرانی میں دے [illegible] پاکستان [illegible] ہے تاکہ بھارت کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ [illegible] حالات جب کہ ہمارا معاملہ یو این او میں [illegible] رہا ہے۔ [illegible] ہمارے کیس کو [illegible] کمزور اور پاکستان کے کیس کو [illegible] طاقت ور [illegible] ہے گا۔

دوسری اہم بات بھی میں آپ کے گوش گزار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ پاکستان کا کہنا ہے کہ جب رائے شماری ہو تو بھارتی فوج ریاست سے نکل جائے۔ اگر ریاستی فوج کو بھارتی فوج کی تحویل میں دے دیا گیا تو زبردست انتظامی مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ میں آپ سے صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اندریں حالات میرے لیے یہ مشورہ قابل قبول نہیں ہے۔"

وقتی طور پر مہاراجہ کی اشک شوئی کے لیے ان کی بات تسلیم کر لی گئی لیکن بھارت سرکار نے کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ بنانے کی سرگرمیاں جاری رکھیں اور شیخ عبداللہ کی طرف سے مسلسل ایسے بیانات آنے لگے جن میں ریاستی فوج پر زبردست تنقید کی جاتی تھی۔

اس دوران مہاراجہ کے اکلوتے بیٹے یوراج کرن سنگھ کے کولہے کی تکلیف اتنی شدت اختیار کر گئی کہ ولی عہد کو علاج کے لیے امریکہ بھیجنا پڑا۔ اب مہاراجہ بالکل اکیلا رہ گیا تھا اور اس کے گرد اگرد بھارت نواز کشمیریوں کا حلقہ تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ ولی عہد کی بیماری نے تو اسے ذہنی طور پر بالکل مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ مہاراجہ پر جھنجلاہٹ سوار ہونے لگی تھی۔ ایک روز اس نے سر شام ہی عمائدین سے معذرت کر لی اور رات اکیلے گزاری۔ ساری رات اس مسئلے پر سوچ بچار کرنے کے بعد وہ حتمی فیصلے پر پہنچ چکا تھا کہ بھارت کے ساتھ معاہدۂ الحاق ختم کر دیا جائے لیکن کیسے؟

یہ سوال اسے پریشان کر رہا تھا۔ اس نے "الحاق" کر کے سانپ کی بانبی میں ہاتھ دے دیا تھا۔ اب کچھ بھی کرنا اس کے اختیار میں نہ رہا تھا۔ اس نے دسمبر کے اوائل میں اپنے "خود ساختہ دوست" اور بھارت کے وزیر ریاست جموں و کشمیر امور، ولبھ بھائی پٹیل سردار پٹیل سے

پاکستان کے ساتھ اپنی وفاداری کا اعلان کر رہا تھا۔ مہاراجہ سری نگر سے بھاگ کر جموں پہنچ [illegible] مہاراجہ کے پہلے [illegible] تھے۔ تنازعہ کشمیر اقوام متحدہ میں پہنچ چکا تھا۔ بھارتی وفد کی قیادت ریاست جموں و کشمیر کا سابق وزیر اعلیٰ گوپال سوامی آئینگر کر رہا تھا جسے نہرو کی خصوصی کرم فرمائی سے بڑا اہم مقام مل چکا تھا لیکن مہاراجہ دیکھ رہا تھا کہ پاکستانی وفد کے لیڈر چوہدری ظفر اللہ کے سامنے سوامی آئینگر کی ایک نہیں چل رہی اور بین الاقوامی رائے کیس پاکستان کے حق میں مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔ نہرو ہی کی مہربانیوں سے ہنگامی حکومت قائم کر کے اس کا سربراہ شیخ عبداللہ کو بنایا جا چکا تھا۔ شیخ کی شخصیت اور اس کا سیاسی قد اتنا بلند تھا کہ مہاراجہ لاکھ ریاستی عوام کے سامنے ہر دل عزیز ہونے کے باوجود اس سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا۔ جواہر لال نہرو نے مہاراجہ کو مات دینے کے لیے بڑی خطرناک چال چلی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اختیارات اس کے ہاتھوں سے چھین کر شیخ کو منتقل کر رہا تھا جس کی حیثیت کانگریس کی کٹھ پتلی سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔

۱۳ نومبر ۴۸ء کو پنڈت جواہر لال نہرو نے مہاراجہ ہری سنگھ کو لکھا تھا:

"میرے خیال کے مطابق پوری ریاست جموں کشمیر میں صرف شیخ عبداللہ ہی ایسی شخصیت ہیں جو اندریں حالات ریاست میں امن و سکون بحال کر سکتے ہیں۔ وہ متوازن ذہن کے مالک اور مقبول ترین عوامی شخصیت ہیں۔ ہندو مسلم فسادات روکنے میں انہوں نے فقید المثال کردار ادا کیا ہے جو ان کے حسن تدبر کی بہترین مثال ہے۔ آپ کو ممکن ہے کہ چھوٹے چھوٹے معاملات میں ان سے اختلاف ہو، لیکن بڑے مسائل کو بہتر طریقے سے وہی حل کر سکتے ہیں۔ میں آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ بجائے حالات مزید بگاڑنے کے آپ کسی تیسرے واسطے کو اپنے اور شیخ عبداللہ کے درمیان لائے بغیر ان سے معاملات طے کر لیں۔"

مہاراجہ ہری سنگھ کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں تھا کہ وہ نہرو کی اس چال کو نہ سمجھ سکتا، لیکن حالات نے اسے جس طرح باندھ کر بھارت سرکار کے آگے ڈال دیا تھا، اس کے بعد وہ بے بس ہو چکا تھا۔ اس کے لیے اور کوئی راستہ باقی نہ بچا تھا کہ وہ نہرو کی ہاں میں ہاں ملاتا چلا جائے۔ مہاراجہ آئینی طور پر ریاستی کمانڈر ان چیف تھا، لیکن نہرو کی شہ پر شیخ عبداللہ نے یہ مطالبہ بھی داغ دیا کہ بااختیار وزیر اعلیٰ ہونے کے ناطے اور امن و امان کے جلدی حصول کے

ہم بڑی ہی برافروختگی اور غصے کے عالم میں لکھا تھا:

"میں کل ساری رات ایمانداری سے سوچ بچار کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بھارت کے ساتھ معاہدۂ الحاق سے دست کش ہونے کا اعلان کر دوں۔ ہمارا معاہدہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں' مشروط تھا اور مجھے خطرہ ہے کہ بھارتی فوج کبھی بھی حملہ آوروں سے کشمیر کے زیر قبضہ علاقے خالی نہیں کروا سکے گی۔ اس صورت میں اگر ہم سلامتی کونسل کے فیصلے کی بھینٹ آپ کی مہربانیوں کے طفیل چڑھ گئے تو ظاہر ہے کشمیر کی قسمت کا فیصلہ پاکستان کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ اندریں حالات میں اس معاہدۂ الحاق کو بیکار سمجھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ عارضی طور پر پاکستانی ہمیں پرکشش مراعات پیش کریں گے' لیکن مسلمان میرے نزدیک کبھی قابل اعتبار نہیں رہے۔ مجھے علم ہے کہ حکومت پاکستان ڈوگرہ راج ختم کر دے گی اور ریاست کے تمام ہندو سکھ قتل کر دیئے جائیں گے' لیکن معاہدہ ختم ہونے کی صورت میں یہ ضرور ہو گا کہ اس طرح گو کہ میں بھارتی مسلح افواج کی خدمات سے محروم ہو جاؤں گا' لیکن مجھے یقین ہے کہ میں ریاستی افواج اور رضاکارانہ طور پر یہاں دی جانے والی افواج کی کمان اگر خود سنبھال لوں تو آپ کے کسی جرنیل سے زیادہ موثر انداز میں اور خوش اسلوبی سے حملہ آوروں سے نمٹ سکوں گا کیونکہ میں اپنے عوام کو آپ سے بہتر جانتا ہوں۔ اگر موجودہ صورت حال جو آپ نے شیخ عبداللہ کو میرے سر پر مسلط کر کے پیدا کر دی ہے' میں کوئی تبدیلی نہ لائی گئی تو میں ریاست چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ اس طرح کم از کم میرے عوام مجھ سے کوئی امید تو نہ رکھ سکیں گے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں جاتے وقت عوام کو اعتماد میں لے کر یہ ضرور بتاؤں گا کہ مجھے اپنے لوگوں کو کن حالات میں چھوڑنا پڑا۔"

مہاراجہ ہری سنگھ کا یہ خط بجلی بن کر گرا اور اس نے بھارتی ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ سردار پٹیل اور پنڈت نہرو کے درمیان آپس میں ٹھن گئی کیونکہ سردار پٹیل شروع ہی سے حیدرآباد دکن کی طرح ریاست پر بھی ظالمانہ قبضے کے حق میں تھا۔ وہ نہرو کی کشمیر میں

گروہ بندانہ پالیسی کا سخت مخالف اور نہرو سے [illegible] تھا۔ اس خط پر دونوں میں آپس میں تلخی [illegible] پٹیل نے مستعفی ہونے کی دھمکی دے دی [illegible] مگر اس نئی صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کی تجویز [illegible] ان کی ہدایت پر سردار پٹیل نے "اپنے دوست" ڈوگرہ مہاراجہ کو مطمئن کرنے اور اپنے ارادے سے باز رکھنے کے لیے مختصر خط لکھا:

"کشمیر کے حالات اور بین الاقوامی رائے عامہ کا مجھے بھی احساس ہے۔ میں بے چینی سے اقوام متحدہ میں ہونے والے کسی بھی فیصلے کا منتظر ہوں۔ آپ مطمئن رہیے اور بالکل پریشان نہ ہوں۔ میں آپ کا دوست آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ اور کشمیر کی شان و شوکت کو دوبارہ بحال کرنے میں ہم کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔ امید ہے آپ کی پریشانی اس یقین دہانی کے بعد ختم ہو گئی ہو گی۔"

اور بے وقوف مہاراجہ چانکیہ کے چیلوں کے چکر میں آ کر خاموش ہو گیا۔

☆○☆

مسلسل دھماکوں اور پھر ایک دم زور دار دھماکے کی آواز سن کر محمود اور سنبل خان نے بخوبی اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کا دوست اپنا مشن مکمل کر چکا ہے۔

"مرحبا!" سجاول کے ہونٹوں پر لرزش ہوئی۔

"سبحان اللہ کہ امیر خان اپنی مراد کو پہنچا۔" دوسری طرف بیٹھا محمود بڑبڑایا۔

پلان کے مطابق امیر خان کے بچ کر آ جانے کی صورت میں اسے کورنگ فائر دینا تھا یا پھر اس کے گن پر حملہ آور ہونے سے پہلے دشمن اس کی طرف سے باخبر ہو جائے تو اس کی توجہ ہٹانے کے لیے فائرنگ کرنا تھا۔ اب دونوں ہی صورتیں ختم ہو چکی تھیں اور ان کی توپ اپنے توپچیوں سمیت لوہے کے پگھلے ہوئے ڈھیر میں تبدیل ہو چکی تھی اور ان کا دوست انہیں کوئی زحمت دیئے بغیر سرخرو ہو کر خدا کے حضور پہنچ چکا تھا۔

دونوں الگ الگ ایک دوسرے کی مخالف سمت سے سنبھل سنبھل کر نیچے اتر رہے تھے۔ اچانک فضا روشنی کے پھٹتے گولوں سے روشن تر ہونے لگی۔

---بھارتی فوج کے افسران نے بخوبی اندازہ کر لیا تھا کہ میڈیم گن پر حملہ کرنے والا کوئی اکیلا شخص نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھی بھی یقیناً یہیں کہیں موجود ہوں گے۔ ان کی

نشاندہی کے لیے اب "ٹریسر لائٹ راؤنڈز" فائر کیے جا رہے تھے۔ سجاول نے اپنے دائیں ہاتھ کچھ فاصلے پر مدد کو اچانک لڑکھڑا کر ایک پتھر کی اوٹ میں لڑھکتے دیکھا تھا۔ اس کے قریب میں چلنے والی گولیاں سیدھی لکیر بناتی ہوئی پتھر تک پہنچ چکی تھیں۔ پہاڑی کا ایک ایک ذرہ ان کی روشنی میں چمک رہا تھا۔

سجاول دیوانہ وار اپنے نزدیکی پتھر کی اوٹ لینے کے لیے بھاگا۔ پتھر کے نزدیک پہنچتے ہی اسے اپنے دائیں پہلو میں انگارے دہکتے محسوس ہوئے۔ ایل ایم جی کی دو تین گولیاں اس کے جسم میں گھس گئیں۔ سجاول تلملا کر بائیں بازو کے سہارے گر پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہاں موجود پتھروں کا سہارا لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا ہاتھ کسی برقی عمل کے تحت اپنے پوچ میں رینگ گیا تھا۔ پھر اس نے دانتوں کی مدد سے پن باہر نکالی اور بایاں ہاتھ دائیں پہلو پر جما کر دائیں ہاتھ سے دستی بم اپنے سے چند گز کے فاصلے پر آگ اگلتی اس مشین گن کی طرف اچھال دیا جس کی نالی سے شعلے نکل کر مدد کی طرف لپک رہے تھے۔ زوردار دھماکے کی آواز میں اس مشین گن کی فائرنگ کی آواز بھی شامل تھی جس نے اچانک ہی سجاول کی پشت سے سر باہر نکالا اور اس کو نگل لیا۔

مدد نے سجاول کو گرتے اور پھر لڑھکنیاں کھا کر ڈھلوان سے نیچے پھسلتے دیکھا۔ "سجی!" وہ گلا پھاڑ کر دیوانوں کی طرح چلایا۔ "میں ابھی آیا۔"

"چارج!" اس کے گرداگرد پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

مدد نے اپنے چاروں اطراف سے فوجیوں کو جنگی ترتیب میں اس طرف بڑھتے دیکھ لیا تھا۔ بھارتی فوجیوں کے نزدیک حملہ آوروں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور وہ لوگ اپنی گنوں سے اس سمت اندھا دھند فائرنگ کرتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔

----مدد پر دیوانگی کا عالم طاری تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں گرنیڈ تھام رکھے تھے۔ وہ اٹھ کر اس سمت بھاگا جہاں سجاول کی لاش لڑھک کر نیچے گری تھی۔ دونوں گرنیڈ اس نے یکے بعد دیگرے اپنے سامنے ہوا میں اچھال دیئے تھے جو سامنے سے "چارج" کرتے فوجیوں کے سروں پر پھٹے۔ اس کے ساتھ ہی درجنوں گولیاں مختلف اطراف سے اس کے جسم میں گھس گئیں اور وہ عین اس جگہ منہ کے بل جا گرا جہاں سے اس کا ساتھی سجاول لڑھک کر نیچے گرا تھا۔ دونوں کے جسد خاکی ایک دوسرے سے محض دو تین فٹ کی دوری پر پڑے تھے۔

ان کی لاشوں تک دوڑ کر پہنچنے والوں میں سب سے آگے آرمی انٹیلی جنس کا میجر درما

...نے ہاتھ میں پستول پکڑا ہوا تھا جس کی نال سے اب بھی دھواں نکل رہا تھا۔ وہ ...دونوں لاشوں پر باری باری جھکا تھا لیکن وہ مر کر اس کے ارادوں ...بھی کے زندگی کا قرض چکا چکے تھے۔

...کے چاروں سرفروش جان سے گزر گئے اور باقی ... وحشیوں کی طرح ان کے مردہ جسموں کو ... ان کی تلاشی لو۔" اس نے اپنے دائیں بائیں کھڑے مستعد جوانوں کو حکم دیا۔ "... وہ مجھے دفتر میں پہنچا دو۔" خود وہ اپنی ٹانگوں پر لمبے ... سے کھڑا ہوا ... گیا۔

☆○☆

چوکی کی طرف آنے والے راستے پر ایک گہرے نالے پر بنا ہوا ... پل جنرل کے ساتھیوں نے اڑا دیا تھا اور وہاں پچھلے پہاڑی سلسلے میں غائب ہو کر دشمن کی آمد کے منتظر ہو گئے۔

فوجی تنظیم و تربیت کے مطابق ہراول دستوں سے پہلے دشمن کی ایک پٹرول پارٹی جائزہ لینے آئی اور جیسے ہی وہ لوگ پل کے نزدیک پہنچے' جنرل کے ساتھیوں نے ان پر جہنم کا دہانہ کھول دیا---- بھارتی سورما ایک گاڑی اور تین لاشیں وہیں چھوڑ کر واپس ہو گئے۔ ان کی روانگی کے تھوڑی دیر بعد ہی ہراول دستوں کی آمد شروع ہو گئی' لیکن ان کا حشر بھی پہلے آنے والوں سے مختلف نہیں ہوا تھا۔ دشمن کی جب کوئی پیش نہ چلی تو اس نے حسب روایت اپنے سامنے والے پہاڑی سلسلے پر اندھا دھند گولہ باری شروع کر دی۔ اس کے ساتھ ہی ان کی فضائیہ بھی حرکت میں آ گئی۔

سورج غروب ہونے تک یہ سلسلہ جاری رہا' پھر محاذ پر سکوت طاری ہو گیا۔ بالکل ایسا ہی سناٹا جو کسی بڑے طوفان کی آمد کا پیش خیمہ ہو۔ جنزل کے مٹھی بھر سرفروشوں نے پہرے بدل بدل کر یہ رات آنکھوں میں کاٹی۔ اس دوران وہ رات بھر گاڑیوں کے شور اور توپوں کی منتقلی کی آوازیں سنتے رہے' لیکن نالے کو عبور کر کے دشمن پر شب خون مارنے کی حسرت دل ہی دل میں لے کر بیٹھے رہے کیوں کہ ان کی نفری نہ ہونے کے برابر تھی اور جنزل کو اپنے ساتھیوں میں سے کسی ایک کی کمی بھی گوارہ نہیں تھی کیونکہ ان میں سے کسی ایک کے بھی اپنی جگہ سے ہٹ جانے کی صورت میں بہت بڑا خلا پیدا ہو جاتا اور عین ممکن تھا کہ اس خلا کے بیچ میں سے دشمن راستہ بنا کر اس طرف آ نکلتا۔

اور پھر اس سے بھی اہم بات یہ تھی کہ ان کے پاس اسلحہ کی کمی تھی۔ اول تو ان کے

جہاں برق رفتاری سے حملہ کرنے اور زیادہ نقصان پہنچانے والے ہلکے ہتھیار تھے جن میں دو ایک دو مارٹر اور مشین گنیں تھیں۔ انہیں جنرل طارق نے اس طرح کیموفلاج کیا ہوا تھا کہ ان کو وہاں سے ہٹانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

[illegible] بھارتی فوج نے زبردست حملہ کیا۔ حملے کا زیادہ تر زور جنرل کے دائیں پہلو پر تھا۔ جنرل کے جانباز پوزیشن بدل بدل کر فائرنگ کر رہے تھے۔ انہوں نے مارٹروں کا رخ بدل کر اتنی تیزی اور برق رفتاری سے فائرنگ کروائی کہ بھارتی فوج کو یہی گمان گزرنے لگا کہ مقابلے پر کم از کم تین چار بٹالین فوج آ گئی ہے۔ ابھی تک آرٹلری (توپ خانہ) کا فائر [illegible] تھا۔ دوپہر کے بعد دشمن نے دائیں پہلو پر جہاں اس کی دانست میں کسی کے اب تک زندہ بچ رہنے کا امکان نہیں تھا کیونکہ دشمن نے مسلسل دائیں طرف ایک مخصوص علاقے پر گولہ باری کی تھی اور اب اس کو "صاف میدان" جان کر اس سمت سے انفنٹری (پیدل فوج) کے ساتھ ہلہ بول دیا۔

جنرل صبح سے اب تک انفنٹری ہی کے حملے کا منتظر تھا۔ اس کے ساتھیوں نے بڑی استقامت اور پامردی سے اب تک دشمن کی زوردار فائرنگ کے دھماکے مورچوں میں دبک کر اور کانوں میں انگلیاں لے کر سنے تھے۔ توپ خانے کی گولہ باری کے سامنے ان کی رائفلیں اور مشین گنیں بیکار تھیں اور وہ لوگ اسلحہ پھونکنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

جنرل طارق ایک محفوظ آڑ میں آنکھوں سے دوربین لگائے بارود اور دھوئیں پر نظریں جمائے بیٹھا تھا جب اس نے دھوئیں اور گرد و غبار کے بادلوں میں سے "چارج ـــ چارج!" پکارتے پیدل جوانوں کو اپنے دائیں طرف بڑھتے دیکھا، تو ایک پراسرار سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر رقص کر گئی۔ اس نے اس طرح سکھ کا سانس لیا جیسے اس کی اب تک کی محنت کا معاوضہ مل گیا ہو۔ اپنے بائیں ہاتھ بیٹھے اپنے نائب کو جنرل نے احکامات جاری کیے جو دوسرے ہی لمحے پہاڑی سلسلے میں غائب ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی جنرل نے بھی مشین گن اور دستی بموں کا تھیلا سنبھالتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ تقریباً بھاگتا ہوا پہاڑی سلسلے کے اندر ہی اندر ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کر گیا تھا۔ اب وہ اس جگہ پہنچ چکا تھا جہاں پہاڑی راستے پر دشمن کے ہراول دستے پہنچنے ہی والے تھے۔

ـــ بمشکل تین چار منٹ بعد ہی ان کی آمد ہو گئی۔ ان کی پہلی سیکشن کو جنرل نے خیریت گزر جانے دیا اور جیسے ہی دوسری کے بعد تیسری سیکشن اس کی زد میں آئی، انتہائی تیز رفتاری سے جنرل نے ان پر چند گز کے فاصلے پر گرینیڈ پھینکے۔

[illegible] گرینیڈ وہاں سے گزرتے [illegible] بموں سے چور سپاہیوں کی چیخ پکار سے لرزنے لگے [illegible] کے لیے جنرل طارق کی اشین گن کی [illegible] دونوں میں سے بمشکل ہی کوئی سپاہی بچ کر [illegible] پہاڑوں میں [illegible] کی چیخ پکار میں اب پٹھانوں کے ولولہ انگیز نعرے گونج رہے تھے۔ [illegible] گرد دشمن کے خون سے ہولی کھیل رہے تھے اور اپنے [illegible] وہ تین بٹالینوں کا صفایا کروانے کے بعد دشمن نے [illegible] اپنی تھوڑی سی قربانی دے کر اس طرف سے [illegible]

دشمن نے اب اپنا منصوبہ بدل لیا تھا۔ وہ لوگ اوڑی سے اس سمت [illegible] کی سمت سے پونچھ تک پہنچنا چاہتے تھے جہاں بھارتی فوج مجاہدین کے گھیرے میں آئی تھی اور وہ لوگ روز بروز اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر رہے تھے۔ دوسری طرف ان کے کمانڈر مظفر آباد تک کا علاقہ خالی چھوڑنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اس طرف اپنی کچھ کمپنیوں کو لگا دیا تھا کہ وہ حملہ آوروں کو مصروف رکھیں اور جب موقع ملنے پر مظفر آباد کی سمت ایڈوانس بھی کریں۔

☆○☆

چھ دن تک جنرل طارق اپنے سرفروشوں کے ساتھ زندگی اور موت کی یہ آنکھ مچولی کھیلتا رہا۔ اس کی نظریں اس دوران پاکستان سے اس طرف آنے والے راستوں پر جمی رہیں کہ شاید اب بھی کوئی ان کی مدد کو آ جائے، لیکن کشمیر کے برف زاروں میں جنرل طارق کی مدد کو کوئی نہ آیا ـــ اب اس کی آخری امیدیں مقامی آبادی سے تھیں۔ اس نے اپنے ایک جانباز کو جو زخمی ہو چکا تھا، اپنی مشین گن دے کر ان آبادیوں کی طرف روانہ کیا تھا کہ وہاں سے کشمیری رضاکاروں کی کمک روانہ کرے۔

ـــ چھ دن موسم اور بھارتی فوج کی اندھا دھند گولہ باری کا عذاب جھیلنے کے بعد ساتویں روز جنرل طارق کو صرف پچھتر رضاکار اردگرد کی آبادیوں سے میسر آئے۔ ان میں سے زیادہ تعداد سابق فوجیوں اور آئی این اے کے سپاہیوں کی تھی۔ اس دوران جنرل اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ شل ہو چکے تھے۔ اعصاب مسلسل گولہ باری کا سامنا کرنے سے تڑخنے لگے تھے۔ وہ لوگ جنونی کیفیت میں لڑ رہے تھے۔ جنرل جس کی ساری زندگی میدان کارزار میں گزری تھی، بخوبی اس بات کو محسوس کرنے لگا تھا کہ اگر مزید دو تین روز تک انہیں

لڑی میسر نہ آئی تو اس کے تمام ساتھی جو اب نفسیاتی مریض بنتے جا رہے تھے، واقعی ان کے اعصاب جواب دے جائیں گے۔

انہوں نے پلی توپ سے "کملت لگائی" پوزیشنیں بدل بدل کر فائرنگ کی اور موقع ملنے پر نقب لگا کر پہاڑی راستوں پر دشمن کے گرانے میں ایک آدھ پیچھے رہ جانے والی چوکی سے اسلحہ بھی لوٹ لیتا --- ان چند رضاکاروں کی ساتھیں روز آمد سے جنرل اور اس کے ساتھیوں کے حوصلے پھر سے بلند ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی باغ اور پونچھ کے نواحی علاقوں سے یہ اطلاعات آ رہی تھیں کہ وہاں سے سرفروشوں کی ٹکڑیاں اس سمت چلی آ رہی ہیں۔ خود آزاد کشمیر کی بے وسیلہ حکومت بھی ان کے لیے رضاکار اور اسلحہ جمع کر رہی تھی۔ جنرل جانتا تھا کہ بھارتی فوج کے بڑھتے ہوئے طوفان اور اسلحہ کے انبار کے سامنے مٹھی بھر سرفروش کوئی حیثیت نہیں رکھتے، خود باغ اور پونچھ میں بھی ان کی پوزیشن ابھی مستحکم نہیں ہوئی تھی--- لیکن اسے لڑنا تھا۔ آخری گولی اور آخری جوان تک--- اور وہ لڑا۔

جنرل کا طریق جنگ یہ تھا کہ چھپ کر دشمن پر نقب لگاتا اور تیزی کے ساتھ پوزیشن بدل بدل کر یہی عمل دہراتا چلا جاتا۔ اس کے ساتھی ایک پہاڑی سے اچانک حملہ کرتے اور چند منٹوں بعد ہی بھاگ کر دوسری پہاڑی پر پہنچ کر یہی عمل دہراتے۔ اس طرح دشمن اس دھوکے میں رہتا کہ سامنے کی تمام پہاڑیاں حملہ آوروں سے بھری ہوئی ہیں اور اس نے تین مشین گنیں دے کر نوواردوں کو جن میں اب ساڑھے تین سو مزید پاکستانی رضاکار بھی شامل ہو چکے تھے، پہاڑیوں میں بھیجا تھا۔

لیکن وہ لوگ جو شوق جہاد اور جذبے کے عالم میں یہاں چلے آئے تھے، عملی میدان میں بالکل ناکارہ ثابت ہوئے۔ دشمن کے نزدیک جانے سے ان کی جان جاتی تھی۔ ایک مرتبہ انہوں نے حملہ تو کیا، لیکن جب دشمن کی طرف سے جوابی فائرنگ شروع ہوئی تو وہ لوگ پوزیشن بدلنے کی بجائے دم دبا کر بھاگ اٹھے۔ دو تین مرتبہ جنرل طارق نے ان کا حوصلہ بڑھا کر انہیں آگے روانہ کیا، لیکن ہر دفعہ وہ لوگ یہی کارنامہ انجام دیتے۔ بالآخر میجر اکرم اور ان کے دو تین ساتھی ہی وہاں رہ گئے تھے۔ جنرل نے ان بزدلوں کو ضائع کرنے کے بجائے ان کا ایک اور استعمال نکالا اور انہیں پہاڑی سلسلے میں دور دور تک پھیلا دیا۔ انہیں ہدایت دی کہ وہ اپنی جگہ پر بیٹھے اکا دکا فائر کرتے رہیں۔ اس طرح کم از کم دشمن "تعداد کے دھوکے" ہی کا شکار ہو جائے۔ یہ حکمت عملی کسی حد تک کامیاب رہی۔ گو کہ وہ لوگ دشمن کی فائرنگ سے محفوظ تھے، لیکن جب کبھی کسی ہیوی گن کا کوئی ایک آدھ گولہ ان کے

پہلے مرحلے [illegible] دن کا کوئی جہاز ان کے سروں سے دندناتا ہوا گزرتا تو [illegible] ان میں سے [illegible] کو جنرل نے وہاں کے سارے ٹھکانوں اور مورچوں [illegible] کے ساتھ بتا دیا کہ وہ کم از کم وہاں سے دور سے [illegible] دشمن [illegible] فائرنگ کرتے اسے نقصان پہنچاتے رہیں۔ [illegible] میں تین [illegible] گز کے فاصلے سے دشمن بغیر کسی "پلٹ" [illegible] مجاہدوں نے دشمن پر ایک گولی بھی نہ چلائی۔ انہیں تو [illegible] فائرنگ کی تو دشمن کا جوابی فائر بھی آئے گا۔ بالآخر ان میں سے بھی [illegible] انہوں نے تمام مجاہد واپس بھاگ گئے۔ اس دوران سواتی فوج کے [illegible] واپس آ گئے۔ جنرل [illegible] تاکہ ان لوگوں کو باقاعدہ فوج کے خلاف لڑنے کا کوئی تجربہ [illegible] ان کو یہاں لے آیا ہے۔ اس نے ان کو دشمن سے براہ راست ٹکرانے کے بجائے انہیں بچھڑے مجاہدوں کے فرار کے راستوں کی ناکہ بندی کے لیے روانہ کر دیا اور انہیں ایسے پہاڑی ناکوں پر کھڑا کر دیا جہاں سے یہ لوگ واپس بھاگ رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ساڑھے تین سو مجاہدین سامنے کے سارے واپس بھاگ گئے۔ جاتے ہوئے وہ اپنی رائفلیں بھی ساتھ لے گئے تھے۔ اس دوران مختلف ٹولیاں رضاکاروں کی آتی اور جاتی رہیں۔ حق تو ان میں سے ایسے "مرد مومن" تھے کہ ایک بار محاذ کا منہ دیکھنے کے فوراً بعد ہی ان کا جذبہ جہاد سرد پڑ جاتا اور وہ بھاگ جاتے۔ جنرل کی پالیسی "ضرب لگاؤ اور بھاگو" تھی جب کہ یہ لوگ "دیکھو اور بھاگو" پر عمل پیرا تھے۔

مجاہدین آتے اور جاتے رہے۔ ان کی آمد لاریوں کے ذریعے ہوتی تھی اور وہ فرار ہونے کے لیے پہاڑیوں کے اندر خفیہ راستے استعمال کرتے تھے۔ اس سے جنرل کو یہ فائدہ ضرور ہوا کہ دشمن غلط فہمی کا شکار رہا۔ دشمن کے جاسوس اسے یہی اطلاع دیتے کہ مجاہدین آتے اور پہاڑی سلسلے میں پھیلتے چلے جا رہے ہیں۔ ان کی روانگی ان جاسوسوں کی نظر سے چونکہ اوجھل رہتی تھی، اس لیے وہ اسے نہ دیکھ سکتے تھے اور بھارتی ہائی کمان کی بوکھلاہٹ میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ تاہم ایک فائدہ ضرور حاصل ہوا کہ ان آنے والوں میں سے ایسا عنصر ابھرنے لگا کہ جو لوگ محض جذباتیت کے زیر اثر نام نہاد جذبہ جہاد کے بجائے سنجیدگی سے اس جنگ آزادی کو جاری رکھنا چاہتے تھے، انہی باعمل لوگوں میں وہ 75 مجاہدین شامل تھے جو کشمیر کی پہلی مظفر آباد بٹالین بنے اور سابق ریاست کشمیر کا لیفٹیننٹ قدرت اللہ ان کا پہلا بٹالین کمانڈر منتخب ہوا۔

HBC

اس دوران پٹھانوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ انہوں نے واپس بھاگ کر جو بھاری غلطی کی تھی اس نے ان کی شاندار عسکری روایات پر سیاہی پھیر کر رکھ دی ہے۔ وہ لوگ اپنے فرار پر شرمندہ تھے اور کفارہ ادا کرنے کے لیے جلد از جلد محاذ پر واپس جانا چاہتے تھے۔ ان کی پیش کش جب جنرل طارق تک پہنچی تو اس نے انتہائی سوچ بچار اور اپنے ساتھیوں سے صلاح مشورے کرنے کے بعد صرف تین سو محسودی قبائلیوں کو ان کے سردار گلاب خان کی سربراہی میں واپس آنے کی اجازت دی۔

جنرل "ٹڈی دل" کی آمد اور اس کے نتائج دیکھ چکا تھا اور اب وہ اتنے ہی "مجاہدین" چاہتا تھا جنہیں باآسانی کنٹرول کیا جا سکے۔ پٹھانوں کو شکایت صرف یہ تھی کہ آخر پاکستانی فوج کیوں جنگ میں حصہ نہیں لیتی اور یہی ان کی ناراضی اور فرار کا سبب تھا۔ جب جنرل طارق نے گلاب خان کے سامنے ساری صورت حال رکھی اور اسے معاملات کی نزاکت کا احساس دلایا تو حقیقت پسند اور عظیم کردار کے مالک گلاب خان نے اس کی مرضی پر صلح کیا اور اس کے زیر کمان اپنے ساتھیوں سمیت لڑنے پر تیار ہو گیا۔

جنرل پٹھانوں کی جنگی استعداد سے واقف تھا اور اسے بخوبی علم تھا کہ اب تک مفتوحہ علاقہ انہی لوگوں کی قربانیوں کا باعث ہے۔ اس نے اگلے روز ان لوگوں کو یہ مشن سونپا کہ وہ دشمن کی پوسٹوں کو نظر انداز کرتے ہوئے جنوب کی طرف اوڑی سے پونچھ کو جانے والی سڑک پر پندرہ میل دور نکل جائیں۔ جنرل نے پونچھ کی طرف کمک لے جانے والے بھارتی فوج کے دستوں کی روانگی کے راستے گلاب خان کو دکھا کر ایک مخصوص مقام کی نشان دہی کرتے ہوئے حکم دیا کہ یہاں وہ لوگ بھارتی کمک پر گھات لگائیں۔

گلاب خان اور اس کے جیالوں نے دوسرے ہی دن بھارتی کنوائے کو دبوچ لیا۔ یہ لوگ پہاڑوں میں گھات لگانے کی خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ وہ فرشتہ اجل بن کر دشمن پر ٹوٹے۔ اس کے ۳۶ بڑے ٹرک جلا کر راکھ کر دیئے، سینکڑوں فوجیوں کو تہ تیغ کیا اور ہتھیاروں کی بڑی تعداد، بے پناہ ایمونیشن، وائرلیس سیٹ، فوجی گرم کپڑے، فیلڈ ٹیلی فون اور چھ تین انچ مارٹر گنیں اٹھا کر دوبارہ ۱۵ میل کا فاصلہ طے کر کے بعافیت جنرل اور اس کے ساتھیوں سے آ ملے۔ ان کی اس فتح مندانہ مراجعت نے محاذ پر موجود جوانوں میں برقی رو دوڑا دی۔ سارا محاذ "اللہ اکبر" کے نعروں سے گونج اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی پٹھانوں کی للکار گونج اٹھی "دا کافروں پسے استو والا گا" (کافروں کا تعاقب کرو)، "کافرا دبا" (کافروں کو مار دو۔)

بجلی پر رکھ کر برق رفتاری سے جنرل کی ہدایت پر پہاڑی سلسلے میں داخل ہو چکے تھے۔ جنرل طارق نے پیش قدمی کا بالکل قبائلی انداز اپنایا تھا۔ وہ دشمن سے موت برساتے اس کے پہلو کو چیرتے ہوئے آگے نکل جاتے۔ پٹھانوں نے دشمن پر دہشت طاری کر دی۔ وہ لوگ فوجیوں اور ہتھیاروں کے علاوہ بھی قیمتی چیزیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ان کے تعاقب میں آنے والے پٹھانوں نے پڑی کا بازار سرد نہ پڑنے دیا اور جنرل طارق دشمن کو رگیدتا ہوا سرفروشوں کے ساتھ اوڑی کی دفاعی فصیل پر دستک دینے لگے۔

☆○☆

دسمبر ۱۹۴۷ء کا آغاز:

قریباً چار ہفتے پہلے یہ محاذ ڈیڈ لاک ہو چکا تھا اور بھارتی سورما چکوٹھی اور پونچھ تک پیش قدمی کر گئے تھے۔ جنرل نے انہیں پونچھ سے کاٹا، چکوٹھی سے پیچھے دھکیلا اور اوڑی کو میدان کارزار منتخب کر لیا۔ بھارتی فوج پر اس قدر دہشت طاری تھی کہ چکوٹھی اور اوڑی کے درمیان کا سارا علاقہ خالی کر کے وہ لوگ شہر کی سمت جانے والا پل توڑتے ہوئے شہر میں بند ہونے پر مجبور ہو گئے۔

قسمت کی عجیب ستم ظریفی تھی کہ چند روز پہلے جنرل کشمیر کو بچانے کے لیے بھاگ دوڑ رہا تھا اور اب اس کا مدمقابل اپنی جان بچانے کے لیے یہی عمل دہرا رہا تھا۔ تین سو پٹھان جیالوں کی آمد نے محاذ کا نقشہ دنوں میں بدل کر رکھ دیا تھا۔

جنرل مطمئن ہو کر چکوٹھی لوٹ آیا۔ اس نے اپنی توجہ اب مقامی باشندوں کو مسلح کرنے اور ٹریننگ دینے پر مرکوز کر دی۔ اس کام میں کئی ہفتے درکار تھے۔ خطرہ یہ تھا کہ اس دوران بھارتی محاذ خالی دیکھ کر واپس نہ آ جائیں۔ دشمن کو "مصروف اور خوفزدہ" رکھنا بھی ضروری تھا۔ جنرل نے مزید پٹھان مجاہدین کو محاذ پر بلا لیا۔ انہیں اپنی کمان میں لے کر جنرل نے پونچھ کی طرف ان احکامات کے ساتھ روانہ کیا:

"پونچھ روڈ کو دشمن کنوائے کا مرگھٹ بنا ڈالو۔"

"پونچھ کے محاصرے کو مضبوط کرتے ہوئے شہر پر شب خون مارو۔"

مقامی رضاکاروں کی ٹریننگ پر کچھ ساتھیوں کو مامور کر کے جنرل پٹھانوں کے ایک گروپ کے ساتھ اوڑی کی طرف نکل گیا۔ اس کی منزل "کوہالن" تھی۔ سڑک چھوڑ کر سات ہزار فٹ بلند سلسلہ ہائے کوہ کو مسخر کرتا اور منزلوں پر منزلیں مارتا بدر و حسنین کا یہ مسافر اپنے

HBC

سرفروشوں کے ساتھ تین تین فٹ برف پر پیدل سفر کرتا دو دن بعد گوہاٹن دشمن کے سر پر اچانک جا پہنچا۔ طارق کی اچانک آمد نے دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچا دی۔ صبح ہوتے ہی دشمن کے تین اسکواڈرن اس پر حملہ آور ہوئے۔ دشمن کے ایئرکرافٹ پرے باندھ کر آتے اور ان پر اپنی مشین گنیں اور بم خالی کر کے چلے جاتے۔ دوبارہ پھر لوٹتے اور یہی عمل دوپہر تک دہراتے رہے۔

"گوہاٹن" کی اونچی نیچی سرزمین، چٹانوں اور درختوں سے بھری پہاڑیوں نے اپنی گود مجاہدین پر وا کر دی تھی۔ وہ اس میں سما گئے اور یہ معجزہ ہی تھا کہ کسی ایک پٹھان کو بھی گہرا زخم نہ آیا۔

دوسری طرف "آکاش وانی" گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہی تھی کہ تین سو قبائلی حملہ آوروں کو ان کی "وایو سینا" (ہوائی فوج) نے مار ڈالا ہے۔

شام ڈھلنے سے قریباً آدھ گھنٹہ پہلے قبائلی مجاہدین نے جنرل طارق کے زیرِ کمان شمال مغرب اور جنوب میں پوزیشنیں سنبھال لیں۔ جنرل نے ایک پارٹی کو ہراول کے طور ریکی کرنے کے لیے آگے بھیجا تاکہ وہ لوگ عقب میں جا کر سری نگر سے اوڑی کو آنے والی سڑک بند کر دیں۔ خود ایک گروپ کے ساتھ اوڑی شہر کی فصیل کے قریب ہو کر بیٹھ رہے تاکہ موقع پاتے ہی اپنے گروپ کے ساتھ اوڑی میں داخل ہو جائیں۔

مرکزی حملہ اگلے روز بارہ بجے ان لوگوں نے اوڑی پر کرنا تھا۔ جنرل کی پلاننگ بڑی شاندار تھی۔ اس نے فوج کے بارہ رضاکاروں کے سپرد وہ چھ "۳" کی مارٹر گنیں نصب کر رکھی تھیں اور ڈھائی سو گولے انہیں سونپے تھے کہ وہ لوگ ٹھیک دن کے بارہ بجے ان کا اشارہ ملنے پر اوڑی کیمپ کے عین وسط میں اچانک گولہ باری شروع کر دیں۔

جنرل طارق نے یہ مارٹر گنیں ایسی محفوظ اور ایسے زاویئے سے لگا رکھی تھیں کہ وہ اپنی جگہ سے ڈھائی ہزار گز دور تک کے ٹارگٹ کو ہٹ کر سکتی تھیں۔ خود وہ گنوں سے قریباً ہزار گز دور ایک ایسے مقام پر بیٹھ گئے جہاں سے دشمن کا ہر کیمپ بخوبی نظر آ رہا تھا۔

پلان کے مطابق بارہ بجے ان مارٹروں کی اچانک گولہ باری کے بعد قبائلیوں نے رائفلوں کا فائر کھولنا اور دشمن پر گھات لگانا تھا، پھر کھلا حملہ کرنا تھا۔ جن لوگوں نے قبائلیوں کے "ہلّے" کا نظارہ کیا ہے، ان کے رونگٹے اب بھی اس حملے کے تصور ہی سے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس حملے میں قبائلیوں کی حالت بپھرے ہوئے چیتوں کے ریوڑ کی سی ہوتی ہے، وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہیں اور خنجروں، تلواروں، بندوقوں سے دشمن کو چیرنا پھاڑنا شروع

کر دیتے ہیں۔ اس حملے کے تصور ہی سے کئی مقامات سے انگریز ان کے آگے دم دبا کر بھاگ جایا کرتا تھا۔

جنرل طارق کی نظریں بڑی بے چینی سے دشمن کے کیمپ پر گڑی ہوئی تھیں۔ وہاں ہونے والی معمولی سے معمولی نقل و حرکت بھی اس کی نظر میں تھی۔ خدا خدا کر کے دن کے بارہ بجے اور جنرل نے مارٹروں کو فائر کرنے کا اشارہ کیا۔ اس کے کان مارٹروں کے فائر سے ہونے والے دھماکوں کی آواز پر لگے تھے اور آنکھیں کیمپ کے اندر موت کا رقص دیکھنے کو بے چین تھیں، لیکن اعصاب شکن انتظار کی طوالت بڑھتی ہی چلی گئی۔ "ہمدرد مجاہدین" نے اپنا پرانا گھناؤنا کھیل کھیلا۔ انہوں نے جنرل کو پتہ ہی نہ چلنے دیا اور مارٹر گنیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ یہ بڑے ہی جان لیوا مراحل تھے۔ قبائلی مجاہدین بے چینی سے مارٹروں کے فائر کا انتظار کر رہے تھے تاکہ اس کی آڑ میں حملہ کریں اور اپنے دل کے ارمان نکالیں۔ جب دس منٹ تک اس طرف سے کوئی فائر نہ آیا تو جنرل معاملے کی سنگینی جان گیا۔ اس نے بجائے انتظار کرنے کے قبائلی مجاہدین کو حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔

انہوں نے مسلسل پچاس گھنٹے بھارتی فوج کی ناک میں دم کیے رکھا۔ اس دوران جنرل کی سخت ہدایات کے تحت انہوں نے کیمپ پر تو ہلہ نہ بولا کیونکہ جنرل انہیں یہاں حرام موت مروانے نہیں لایا تھا، البتہ بھارتی فوج کی پٹرول پر انہوں نے کئی مرتبہ گھات لگائی۔ ان لوگوں کے پاس دو دن کا راشن اور گولہ بارود ہی تو تھا، اس سے زیادہ وہ اپنے ساتھ کچھ نہیں لا سکتے تھے۔

تیسرے روز اوڑی کا بریگیڈ کمانڈر گھگھیا کر وائرلیس پر سری نگر سے درخواست کر رہا تھا کہ اسے کمک روانہ کی جائے ورنہ وہ دو گھنٹے بعد اوڑی سے پسپائی اختیار کر لے گا۔ جب اوڑی کا بریگیڈ کمانڈر دو گھنٹے کی لڑائی کے بعد پسپائی اختیار کرنے کے لیے صف بندی کر رہا تھا، جنرل طارق اور ان کے ساتھی انتہائی یاسیت کے عالم میں اپنی بے سرو سامانی کا جائزہ لے رہے تھے۔ ان کا راشن ختم ہو چکا تھا۔ بہ مشکل اتنے راؤنڈ باقی بچے تھے کہ وہ لوگ گوہاٹن سے اپنی جانیں بچا کر نکل جائیں۔ برف باری کی شدت نے اب طوفان کی شکل اختیار کر لی تھی، خون رگوں میں منجمد ہوا جاتا تھا۔

دشمن کے آٹھ سو سپاہیوں کو موت کی نیند سلا کر اپنے تیرہ ساتھیوں کی قربانی دے کر جنرل طارق اور اس کے ساتھی شہیدوں کی لاشیں اٹھا کر واپسی کا سفر اختیار کر رہے تھے۔ دسمبر کے آخری ایام تھے۔ برف باری کی شدت میں ہر روز اضافہ ہو رہا تھا۔ گوہاٹن میں

مجاہدین کا حملہ ٹوٹ گیا۔ جنرل نے اپنے قدم اوڑی کی دفاعی فصیل کے باہر جما لیے اور۔۔ وہ لوگ موسم، اپنوں اور غیروں کا عذاب جھیلنے کے لیے مستقبل کی تیاریاں کرنے لگے۔

☆○☆

ناشری نالے کے دوسرے کنارے پر حوالدار غلام محمد اپنے ساتھیوں کے ساتھ بڑی بے چینی سے شیرو کی آمد کا منتظر تھا۔۔۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا جا رہا تھا اور ان کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی۔

۔۔۔اس نے اغوا شدہ مسلمان لڑکیوں سے بھرا ہوا ٹرک حوالدار غلام محمد کو سونپ کر اس پر بہت بڑی ذمے داری ڈال دی تھی۔

رات کے پچھلے پہر تک حوالدار غلام محمد نے ان لوگوں کا انتظار کیا۔ اس نے شام ڈھلتے ہی ایک مخبر کو اس طرف روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ صورت حال کا خود جائزہ لے کر آئے۔ مخبر جو ان کا ایک ہوم گارڈز تھا، رات تقریباً آٹھ بجے واپس آیا۔ اس نے بتایا کہ وہاں ہوم گارڈز اور فوج کے درمیان زبردست جنگ جاری ہے۔

حوالدار معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔ اسے ہر صورت میں ان مظلوم مسلم زادیوں کو کسی محفوظ مقام تک پہنچانا تھا۔ اسے رہ رہ کر اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ شیرو اکیلا رہ گیا ہے۔ اس کے ساتھی ہوم گارڈز کسی طرح بھی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، لیکن ایک اطمینان اسے بہرحال تھا کہ وہ بھی ایک انتہائی ضروری فرض ادا کر رہا ہے۔

ناشری نالے کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر اس نے حسرت بھری نظر بٹوٹ کی سمت ڈالی۔ کبھی کبھی دھماکوں کی آواز اس کی سماعت سے بھی ٹکرانے لگتی تھی۔۔۔ یہ مارٹر کے فٹر کی آواز تھی۔ ہلکے اسلحے کی آواز یہاں تک نہیں آ سکتی تھی۔

"گاڑی اسٹارٹ کرو۔" اس نے ایک ہوم گارڈز کو اشارہ کیا۔

اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ لوگ سری نگر کی طرف روانہ ہو گئے۔ حوالدار غلام محمد دل ہی دل میں دعا مانگتا جا رہا تھا کہ سری نگر تک کا سفر بخیر و خوبی کٹ جائے۔ اسے اپنی یا ہوم گارڈز کی فکر نہیں تھی۔ فکر تھی تو ان مسلمان مظلوم لڑکیوں کی جنہیں قدرت نے اس کی حفاظت میں دے دیا تھا۔

[illegible] پہاڑ گرنے کی وجہ سے ان کی رفتار بہت سست تھی۔ رام بن کے پل [illegible] وہ [illegible] تک پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر اچانک بارش کی رفتار میں اضافہ ہو گیا۔ صبح [illegible] بجے تک وہ [illegible] میں کھڑے رہے۔ اس دوران ٹریفک مکمل بند رہی۔ یوں

بھی کسی خطرے کے پیش نظر بارش کے دوران اس سڑک پر کوئی سفر نہیں کرتے تھے اور عام لاریوں اور ٹرکوں کا سفر تو شام ڈھلنے کے فوراً بعد ہی بند ہو جاتا تھا۔

علی الصبح ابھی ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی جب حوالدار غلام محمد کی ہدایت پر ان لوگوں نے پھر سفر شروع کر دیا۔ "بانہال" کے نزدیک برف گرنے لگی۔ غلام محمد کو اب ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں خدانخواستہ "جواہر ٹنل" والی سرنگ کا راستہ بند نہ ہو جائے۔ ٹرک کے اگلے شیشے پر اب برف بار بار سفید چادر تان رہی تھی۔ اب وہ مزید رک کر یہاں انتظار کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ ٹرک رینگ رینگ کر آگے بڑھتا رہا۔

برف باری سے انہیں جلد ہی نجات مل گئی۔ اب ان کے سامنے بکھریوں کی بارش ہونے لگی تھی۔ سورج کی کرنوں نے سامنے سڑک پر بکھری برف میں آگ لگانا شروع کر دی تھی۔ سفید کہرے پر پھسلتے ہوئے وہ بالآخر سری نگر تک پہنچ گئے جہاں فوج کا ایک دستہ اور مقامی ہوم گارڈز ان کے منتظر تھے۔ بٹوٹ والے حادثے کی خبر یہاں تک پہنچ چکی تھی۔ اب وہ لوگ ان کے ساتھ کچھ بھی سلوک کرتے، لیکن حوالدار غلام محمد کو یقین تھا کہ مسلمان عورتیں محفوظ ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں۔

☆○☆

تقریباً دو گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد بالآخر انہیں ایک قدرے محفوظ پناہ گاہ میسر آ گئی۔ وہ لوگ کسی دیہات کے نزدیک پہنچ چکے تھے اور وہ دیہات کے باہر ایک پہاڑی کے دامن میں بنے باغ کے ایک کونے میں نظر آنے والی جھونپڑی تھی۔

کہرے کی چادر میں سسکیاں بھرتے ماحول میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر شیرو نے پہلے دور سے اس کا جائزہ لیا، پھر اس یقین دہانی کے بعد کہ جھونپڑی خالی ہے، اس نے آسیہ کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ سہمی سکڑی سمٹی لڑکی اس کے پیچھے پیچھے چل دی۔ جھونپڑی سے چند گز دور ہی وہ رک گیا۔ اس نے اسٹین گن جھونپڑی کی طرف تان رکھی تھی۔

"تم اندر داخل ہو جاؤ، اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو میں نمٹ لوں گا۔ اندر اگر کوئی ہو تو اسے میری باہر موجودگی سے آگاہ نہ کرنا۔" اس نے لڑکی کے کان میں سرگوشی کی۔

"اچھا۔" لڑکی نے بادل نخواستہ کہا۔

وہ ڈرتی ڈرتی جھونپڑی کے دروازے تک پہنچی تھی جو بند تھا۔ وہاں رک کر اس نے شیرو کی طرف دیکھا۔ شیرو نے ہاتھ اور سر کے اشارے سے اس کا حوصلہ بڑھایا اور اس نے کانپتے ہاتھوں سے گھاس پھونس کا بنا دروازہ ایک طرف ہٹا دیا۔ اندر بظاہر کوئی نظر نہیں آ رہا

تاہم بھی ایک نامعلوم سی گھبراہٹ اس پر طاری تھی۔ ابھی بمشکل دو، تین قدم ہی [illegible] ہوئی تھی کہ اس کا پاؤں کسی شے سے ٹکرایا اور وہ اپنا توازن کھو بیٹھی۔ اس نے [illegible] سے اپنی چیخ کا گلا گھونٹا تھا۔ پھر شیرو اس کے تعاقب میں اندر آ گیا۔

[illegible] وری نے معاملے کی سنگینی کا احساس کر لیا اور یہ جان لیا تھا کہ یہاں سے اٹھنے والا کوئی بھی شور ان دونوں کی جان لے لے گا۔ شیرو نے ماچس کی دوسری تیلی بھی جلا لی تھی۔ ان کے سامنے ایک کونے میں چارپائی پر ایک لکڑی کا بکس کھلا ہوا تھا جس میں سے کپڑے نکل کر باہر گرے تھے۔ ایک طرف ایک لالٹین اوندھے منہ گری ہوئی تھی۔ شیرو سب سے پہلے اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے لالٹین کو سیدھا کیا جس کا شیشہ کئی جگہ سے ترخ گیا تھا۔ ہلا کر دیکھا تو شیرو کی جان میں جان آئی۔ اس میں تیل موجود تھا۔ اس نے سب سے پہلے اسی کو روشن کیا اور لو بڑھا کر وہ آسیہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"ادھر! ادھر بیٹھ جاؤ۔" اس نے چارپائی کی طرف اشارہ کیا۔ "گھبراؤ نہیں۔" آسیہ نے کسی سحر زدہ معمول کی طرح اس کا حکم مانا تھا۔

ٹرنک میں رکھے ہوئے کپڑے مالک کے صاحب حیثیت ہونے کا احساس دلاتے تھے۔

شیرو نے چادر اپنے جسم سے الگ کر دی اور اپنی وردی پر لگے ہوم گارڈز کے تمام نشانات نوچ ڈالے۔ اس نے وردی کے اوپر وہاں موجود ایک لمبی سی قمیص اوڑھ کر اس پر گرم جرسی پہن لی۔۔۔ اب کسی کو اس پر ہوم گارڈ ہونے کا شک نہیں گزر سکتا تھا۔ ایک جرسی اور جرابیں ٹرنک سے نکال کر اس نے آسیہ کی طرف بھی بڑھا دیں۔ جرابیں اپنے پاؤں میں پہنتے ہوئے جب اس کی نظریں اچانک شیرو سے ٹکرائیں تو شیرو کا دل بھر آیا۔ لالٹین کی مدھم روشنی میں اس نے پہلی مرتبہ اس کے شباب کا بھرپور جائزہ لیا تھا۔ لڑکی کسی کھاتے پیتے گھرانے کی نظر آ رہی تھی۔ اس کے کپڑے بھی اسی امر کی دلالت کرتے تھے اور شیرو کی سمجھ میں یہ بات بھی آ گئی کہ اس کی بربادی کی وجہ بھی اس کے باپ کی دولتمندی ہی ہو گی کیونکہ اول تو مسلمان اور پھر مالدار، کبھی بھی ہندو لیڈروں سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔

"مجھے بہت افسوس ہے، لیکن میں بہت مجبور ہوں۔ کاش تمہارے لیے گرم کپڑوں کا بندوبست کر سکتا۔" شیرو خواہ مخواہ ندامت سی محسوس کر رہا تھا۔

"مجھے شرمندہ نہ کیجئے۔" لڑکی کی آواز بھرا گئی۔ اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں، لیکن اس نے ضبط سے آنسو پی لیے۔

[illegible] سے شیرو کو اپنی انگلیوں کی پوروں میں [illegible] محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ لڑکی کی [illegible] کا اندازہ کر سکتا تھا۔ یہ اس کے صبر کے امتحان کی [illegible] اس نے ابھی [illegible] والی [illegible] بھی [illegible] اور [illegible] اپنے حسن پر [illegible] اس [illegible] ان لوگوں کو مسلمان بچیوں کی عزت بچانے کے لیے [illegible] اس نے اپنی آنکھوں سے [illegible] تھا وہ باقی تھی کہ ہوس کے جہنم زار سے ان کی عصمتیں بچانے والے انسان نہیں فرشتے ہوں گے۔

شیرو اچانک کچھ سوچ کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے جھونپڑی کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا۔ نجانے کیوں اسے یہاں عجیب سی گھٹن کا احساس ہونے لگا تھا۔ باہر آ کر اس نے دو چار لمبے لمبے سانس لیے اور چاروں اطراف گھوم پھر کر جائزہ لینے لگا۔ پھر وہ مطمئن ہو کر لوٹا۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد شیرو کی واپسی بھی ہو گئی۔ وہ اسے کسی اور ہی عالم کی مخلوق دکھائی دے رہا تھا۔ "ایسے عظیم انسان بھی اس دنیا میں ہوتے ہیں۔" اس نے سوچا اور شیرو کی طرف دیکھتی رہی جو اس کی موجودگی سے بے پروا ایک کونے میں دھرے مٹکے میں سے پانی نکال کر ہاتھ منہ دھو رہا تھا۔ فارغ ہو کر اس نے تنقیدی نظروں سے جھونپڑی کی دیوار کا جائزہ لیا۔ دیواروں کے اندر باہر مٹی کا لیپ کیا گیا تھا۔ قدرے مطمئن ہو کر اس نے لکڑی کا بکس درمیان میں رکھا اور اس کے اوپر وہاں موجود باقی کپڑے پھینکنے لگا۔

"تھوڑی دیر بعد صبح ہو جائے گی۔ اگر تم ضرورت سمجھو تو منہ ہاتھ دھو لو۔ ہمارا زیادہ دیر تک ٹھہرنا میرے خیال سے مناسب نہیں۔" اس نے آسیہ کو مخاطب کیا اور بغیر اس کا جواب سنے "ابھی آیا" کہہ کر پھر باہر نکل گیا۔

آسیہ کو اب اس کی کسی حرکت پر حیرانی نہیں ہوتی تھی۔ اس کی واپسی بمشکل تین چار منٹ بعد ہی ہو گئی۔ شیرو کے دونوں ہاتھوں میں سیب نظر آ رہے تھے۔

"میں نے سوچا روانگی سے پہلے ناشتہ ہی کر لیں۔" اس کی بات پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ خواہ مخواہ لڑکی کے ہونٹوں پر آ گئی۔

"برا مت مانو اس طرف تو آ جاؤ۔" اس نے آسیہ کو دروازے کی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

پھر سیب اس کے ہاتھوں میں تھما کر اس نے چارپائی ایک کونے میں کھڑی کر دی اور

زمین پر بیٹھ کر ایک کپڑے کو آگ لگا دی۔ وہ تین منٹ تک وہ کپڑے سے الجھتی رہی۔ کروانے کے بعد وہ بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ لکڑی کا بکس جلنے لگا تھا۔ بند کمرے میں موجود گھٹن میں بکس کے جلنے سے خاصی کمی ہو گئی تھی۔ آسیہ کو آگ کی تپش سے یوں محسوس ہوا جیسے وہ دوبارہ زندہ ہو رہی ہے۔

۔۔۔آگ کے گرد کھڑے ہو کر اس نے شیرو کے بے پناہ اصرار پر منہ ہاتھ دھویا اور دو سیب کھائے تھے۔ نہ جانے اسے کیوں یقین ہونے لگا تھا کہ یہ شخص اس کو کبھی مرنے نہیں دے گا اور زندگی کی ساری روٹھی ہوئی خوشیاں دوبارہ لوٹ آئیں گی۔

"یہاں ہٹ میں تمہارے علاوہ اور کون کون تھا؟" شیرو نے نہ چاہتے ہوئے بھی خاموشی کے طلسم کو توڑا۔

"میں، بابا اور بے بے۔ میرے دونوں بھائی سری نگر میں ہیں اپنے چچا کے پاس۔ ہمارا وہاں خشک میوے کا کاروبار ہے۔ ہم بھی اگلے روز سری نگر جانے والے تھے کہ اچانک یہ قیامت آ گئی۔ ہندوؤں نے میرے والدین کو مار ڈالا اور مجھے پولیس والے وہاں۔۔۔۔ "سونی لاج" میں لے گئے تھے۔"

۔۔۔اس مرتبہ اس نے اپنے آنسوؤں کو روکا نہیں تھا۔

شیرو بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ اپنا بوجھ کسی طرح ہلکا کر لے۔ اسے اس لڑکی کے بے پناہ صبر و ضبط سے اب خوف سا آنے لگا تھا۔ وہ محسوس کرنے لگا تھا کہ اگر آسیہ کے اندر موجود غبار نہ چھٹا تو کہیں وہ اچانک ہی نہ پھٹ پڑے اور اس کی جان لے لے۔

"اوہ معافی چاہتی ہوں۔ مجھے اس طرح آپ کے سامنے رونا نہیں چاہیے تھا۔" وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔

"نہیں آسیہ!" شیرو کی آواز کسی کنویں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ "اچھا ہے آدمی اپنے دکھ درد پر رو لے۔ یہ اندر اندر کی گھٹن بسا اوقات بڑی جان لیوا ہو جاتی ہے۔" اپنی بات مکمل کر کے وہ خلا میں گھورنے لگا تھا۔

آگ پر نظریں جمائے کھڑے ہوئے شیرو پر اس لمحے آسیہ کو بڑا رحم آیا۔ اس نے محسوس کیا جیسے شیرو تو اس سے بھی زیادہ مظلوم ہے۔ اس سے بھی زیادہ ہمدردی کا مستحق۔

جانے اس کے اس فقرے میں ایسی کیا بات تھی جو آسیہ کو کھا گئی۔

"آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟" اس نے آخر پوچھ ہی لیا۔

"پونچھ کا۔" شیرو نے جواب دیا اور آسیہ نے بڑی حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"پونچھ سے یہاں۔۔۔۔۔۔" اس نے فقرہ ادھورا ہی چھوڑ دیا۔

"یہ قدرت کے کام ہیں۔ میں نے تو کبھی زندگی میں اوڑی کراس کرنے کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔"

آسیہ نے چاہا کہ وہ اس کے گھر بار کی بھی خیریت لے۔ اس نے [illegible] پھر جھجکتے ہوئے اس سے سوال کر ہی دیا۔ "آپ کے بیوی بچے تو ہوں گے وہاں؟"

شیرو اس [illegible] بیان کیا تھا۔ مسکرا کر [illegible] "میں نے ابھی شادی نہیں کی۔ میری ماں نے ابھی ایسا سوچا نہیں تھا۔ [illegible] صرف ماں [illegible] بے بے ہے اور زہراں۔ خدا جانے وہ لوگ کس حال میں ہوں گے؟ مجھے پونچھ سے آئے ہوئے قریباً ایک مہینہ ہو گیا ہے۔"

"اوہ! آپ کو پونچھ میں انہیں اکیلا چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔ وہاں تو حالات بہت ہی خراب ہیں۔ سنا ہے لوگ مہاراجہ کی فوج سے لڑ رہے ہیں۔"

"صرف مہاراجہ کی فوج کہاں۔ اب تو سارے بھارت کی فوج بھی وہاں پہنچ چکی ہو گی۔" شیرو نے آہ بھری۔

"پونچھ کے لوگ بہت بہادر ہیں۔ وہ کبھی نہیں ہاریں گے۔" آسیہ کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

پونچھ کے مجاہدوں کی کہانیاں کشمیر کے گھر گھر میں پہنچ چکی تھیں اور آسیہ سے زیادہ اور کس کو ان کی خبر ہو گی کیونکہ اس کا باپ خود سیاسی آدمی تھا اور سارے کشمیر کیا سارے ہندوستان کی خبر رکھتا تھا۔

"آپ بہت بہادر لوگ ہیں۔" وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔ "آپ نے بہت اچھا کیا جو لڑائی جاری رکھی، لیکن یہ ہوم گارڈز تو فراڈ ہیں۔ شیر کشمیر کا سیاسی فراڈ۔"

شیرو چونکا۔ لڑکی خاصی عقل مند تھی، لیکن آسیہ کو یوں لگا جیسے اس نے یہ کہہ کر غلطی کی ہو کیونکہ شیرو بھی تو ہوم گارڈز ہی تھا۔

"آپ میری بات کا برا مت مانئے۔ شاید صدمے نے میری یہ حالت کر دی ہے۔ آپ کو علم نہیں کہ میرا بابا بھی گاندھی کا زبردست پیروکار تھا اور کانگریس کے مقامی حلقوں میں ان کا بڑا احترام تھا۔ ملک آزاد ہونے پر ہمارے گھر پر کانگریس اور بھارت کا ترنگا لہرایا گیا تھا۔ جب جن سنگھ والوں نے ہمارے گھر پر حملہ کیا تو بھی ہمارے گھر پر ترنگا لہرا رہا تھا، لیکن انہوں نے میرے ماں باپ کو صرف مسلمان ہونے کے جرم میں مار ڈالا۔ میں گاندھی جی ا

HBC

بڑا احترام کرتی تھی لیکن اب مجھے سارے ہندوؤں سے نفرت ہو گئی ہے۔۔۔۔ شدید نفرت یہ لوگ کبھی ہم پر اعتماد نہیں کریں گے۔ جموں میں ساری تباہی مہاراجہ کے اشارے پر عمل میں لائی گئی۔ اس نے مشرقی پنجاب سے آئے ہوئے سکھوں کو کہا تھا کہ مسلمانوں کو مار ڈالو' اگر وہ لوگ جن سنگھ کی مدد نہ کرتے تو ہمیں آج یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔۔۔۔۔" وہ جنون میں نہ جانے کیا کیا کہتی رہی' پھر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"ہمیں چلنا چاہیے' صبح ہونے والی ہے۔" شیرو نے اس کے خاموش ہونے پر گردن جھکائے جھکائے کہا۔

ان کے سامنے دھری آگ اب ٹھنڈی پڑنے لگی تھی' لیکن رات بھر وہ سردی کے جس عذاب میں مبتلا رہے اس کی اذیت اب خاصی کم پڑ چکی تھی۔ شیرو نے اسٹین گن کو اس طرح اپنے کپڑوں میں چھپا لیا تھا کہ اب وہ اس کے جسم کا حصہ بن گئی تھی' دونوں باہر نکل آئے۔

"میری اطلاعات کے مطابق ابھی مسلمانوں کے کچھ گاؤں بچے ہوئے ہیں' لیکن ہمیں ان سے مدد کی توقع نہیں' ہمیں صرف سری نگر پہنچ کر ہی امان مل سکتی ہے۔ اردگرد کے تمام علاقے میں جن سنگھ کے غنڈوں نے ہندو فوج کی مدد سے اسلحہ تقسیم کر رکھا ہے اور وہ بے دریغ مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہیں۔ ہوم گارڈز بھی ان کی کوئی خاص مدد نہیں کر سکتے' بے چارے مجبور ہیں۔ ہم نے بھی جو کچھ کیا' اس کی سزا ہمیں بھگتنی پڑے گی' لیکن تم گھبراؤ نہیں۔ میں صرف ہوم گارڈ ہی نہیں' کشمیری مسلمان بھی ہوں اور میرے اجداد نے مجھے اپنی غیرت بچانے کے لیے مرنے کا ڈھنگ سکھلایا ہے۔ میرے جیتے جی کوئی میلی نظر سے تمہاری سمت دیکھ نہیں سکے گا۔" شیرو کے لہجے میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جس نے آسیہ کو بالکل اطمینان دلا دیا۔

پو پھٹنے لگی تھی اور انہیں قریبی دیہات کے آثار واضح دکھائی دے رہے تھے۔ شیرو نے گاؤں کی طرف جانے والا راستہ چھوڑ کر ایک دوسرا راستہ اپنایا تھا جو لمبا ضرور تھا لیکن محفوظ تھا۔ وہ لوگ دیہات سے ہٹ کر سفر کر رہے تھے۔ سورج نے اب پہاڑوں کی اوٹ سے ڈرتے ڈرتے سر باہر نکالنا شروع کیا تھا۔ اس کی سہمی ہوئی خوفزدہ کرنیں زمین پر پھیلی کہرے کی چادر پر کانپ رہی تھیں اور دونوں کو اسی روشنی میں گاؤں کے مکانوں پر جھانکتے کیسری رنگ کے ترنگے بخوبی دکھائی دے رہے تھے جو ان کے یہاں سے بچ کر گزر جانے کے عقل مندانہ فیصلے پر دلالت کرتے تھے۔

☆○☆

پونچھ کو مجاہدین نے اپنی ابتدائی کوشش کے بعد باقی کشمیر سے کاٹ دیا تھا۔

۔۔۔اور کشمیر کے اندر بریگیڈیئر پریتم سنگھ کی فوج مسلسل محاصرے کی حالت میں تھی۔ پریتم سنگھ کی فوج اور اندر موجود آبادی کو سپلائی صرف باہر ہی سے جا سکتی تھی' جبکہ جنرل طارق نے نومبر کے مہینے میں اوڑی' پونچھ روڈ کو بند کر دیا تھا اور تہالی رستہ (اسے کم ٹریک) جس پر صرف خچر ہی سفر کر سکتے تھے' گمرک کی پہاڑیوں سے ہو کر وادی کی طرف جاتا تھا جو برف باری کی وجہ سے قریباً قریباً ناقابل عبور ہو چکا تھا۔

پونچھ کو آنے والے راستے بند ہونے کی وجہ سے اب بھارتی فوج کی امیدیں صرف اپنی فضائیہ سے وابستہ تھیں' لیکن یہاں طیاروں کے لینڈ کرنے کے لیے جو مختصر سا گراؤنڈ تھا وہ مجاہدین کی فائرنگ کی زد میں تھا اور ان کی فائرنگ سے بچ کر جو ڈکوٹا جہاز یہاں اترتے تھے' وہ ابتدائی ضروریات کا سامان ہی لا سکتے تھے' پھر مجاہدین نے مزید جانفشانی دکھائی تو طیاروں کی لینڈنگ بھی ناممکن بنا دی۔ اس صورت حال نے فوج کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

عین ان لمحات میں سیکٹر کمانڈر کرنل صادق خان کو ایک ایسا حکم ملا جس نے فوراً انہیں ہلا کر رکھ دیا۔ جی۔ایچ۔کیو سے پیغام آیا تھا کہ عارضی فائر بندی ہو گئی ہے۔

کرنل صادق نے اس کی وجہ پوچھی تو انہیں بتایا گیا کہ بھارتی حکومت نے زخمیوں' بیماروں اور لاشوں کو نکالنے کی مہلت مانگی ہے۔

کرنل صادق اس دلیل پر تلملا کر رہ گئے۔ انہوں نے اس "عارضی فائر بندی" کے پس پردہ برہمنی ذہنیت سے اپنی ہائی کمان کو آگاہ کرنا چاہا تو کسی نے ان کی بات پر کان نہ دھرے اور ان کے خدشات صحیح ثابت ہوئے۔

زخمیوں' بیماروں کو نکالنے اور یہاں موجود سویلین آبادی کو اناج مہیا کرنے کی آڑ میں بھارتی فوج نے نہ صرف بے پناہ ایمونیشن اور سامان رسد ہی شہر میں پہنچایا بلکہ اطراف کی پہاڑیوں میں بھی کمال عیاری سے اپنی بیٹریاں منتقل کر دیں اور جب صورت حال کی نزاکت کا احساس خداوندان سیاست و سیادت کو ہوا تو پانی سر سے گزر چکا تھا۔

جنرل طارق ان تمام باتوں سے لاتعلق اوڑی کے برف زاروں میں دشمن پر کاری ضرب لگانے کے منصوبے بنا رہا تھا جب اسے یہ اطلاع ملی کہ بغیر چھٹی لیے نوکری سے غیر حاضر رہنے پر اس کو تین ماہ کی "کمانڈ تنخواہ" سے محروم کرتے ہوئے اس کی ترقی بھی بند کر دی گئی ہے اور اس سے دو جونیئر افسران کو ترقی دی جا رہی ہے۔ اندریں حالات جنرل نے

[illegible] کے لیے [illegible] امانت [illegible] زہراں نے [illegible]
[illegible] تھا اور یہاں سے جانے [illegible] جانے [illegible]
[illegible] لیے اب اس کے پاس [illegible] زہراں [illegible] فیصلہ [illegible]
نورولی [illegible] نہیں [illegible] رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ [illegible]
نورولی اور اس طرح کم از کم وہ اس [illegible] سے تو نجات حاصل کر لے گا [illegible]
بلی جانے [illegible] کی نے اس پر طاری کر رکھی تھی اسے محسوس ہو رہا تھا [illegible] لیکن
زہراں کی [illegible] کی امانت کی صحیح طریقے سے رکھوالی نہیں کر سکا [illegible]
حالات میں اپنے [illegible] زہراں کو دیکھ کر سر اٹھانا شروع کر دیا تھا اس سے شرفو [illegible]
اشرف خان نے [illegible] سیدھا سادا طالب علم تھا اور جنگ آزادی میں شمولیت سے بعد [illegible]
وہ بنیادی طور پر [illegible] صرف ذکرہ سامراج کے خلاف جنگ کے لیے وقف ہو کر رہ گئی تھیں
کی ساری صلاحیتیں

لیکن زہراں۔۔۔۔؟

زہراں کی اچانک آمد نے اسے کسی کا نہیں رہنے دیا تھا۔ اس کے اندر ایک [illegible]
شروع ہو چکی تھی جس نے اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ خواہ مخواہ خود کو مجرم گرداننے لگا تھا اور یہ احساس جرم اب شدید سے شدید تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔

نورولی کے اس فیصلے نے اس کی مشکل خاصی آسان کر دی تھی، لیکن زہراں کے انکار نے اسے پھر سوچوں کے گرداب میں لا کر پھینک دیا تھا۔

پہاڑی کا موڑ مڑتے ہوئے وہ یہی دعائیں مانگ رہا تھا کہ زہراں اپنا فیصلہ بدل دے۔

اچانک کسی آواز کی بازگشت نے اس کے قدم تھام لیے۔ پہاڑی کے دوسرے کونے سے کسی نے اس کا نام لے کر اسے پکارا تھا۔ آواز ایک گونج پیدا کرتے ہوئے اس تک پہنچی تھی۔

"خدا خیر کرے۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا اور واپس چلا گیا۔

پہاڑی موڑ مڑتے ہی جس شخص پر اس کی نظر پڑی' اسے دیکھتے ہی شرفو کی دھڑکنوں میں شدت پیدا ہو گئی۔

"فرزند تم!" اس نے اپنی بانہیں پھیلا دیں۔

"شرفو!" فرزند اس کی بانہوں میں سمٹ گیا۔ "میں تمہارے لیے کوئی اچھی خبر نہیں لایا! شرفو' مجھے معاف کر دینا۔" فرزند نے اس کے گرد اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے شرفو کی پیٹھ کو تھپتھپایا۔

نورولی بھی اس اثناء میں وہاں چپ چاپ آ کر کھڑا ہو گیا۔ فرزند کی کہی ہوئی بات اور

محسوس کیا کہ اب اس کا محاذ پر رہنا کسی کشمیر کی جنگ آزادی کو تسلسل نہ پہنچا سکے گا۔ مخالفت کی وجہ صرف اور صرف اس کی ذات تھی اور وہ سارے کشمیر کو اپنی انا کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتا تھا۔

لاہور میں وزیراعظم کے ساتھ کانفرنس کے دوران جنرل طارق کو تین ماہ تک جنگ جاری رکھنے کے امکانات سے تھے۔ اس نے تین ماہ تک بڑی بے جگری اور صبر و تحمل کے ساتھ اپنوں اور پرایوں کے طعنے برداشت کیے تھے۔ لوزی جیفر برلٹ کے دوبارہ تھا۔ باقی تمام محاذوں پر بھی جمود طاری تھا۔ پاکستان کے کشمیر پر حق کا دعویٰ اقوام متحدہ میں زیر بحث تھا اور عالمی رائے عامہ خاصی حد تک پاکستان کے حق میں ہموار ہو چکی تھی۔

اس دوران آزاد کشمیر کا جی ایچ کیو بھی قائم ہو چکا تھا۔ "لبریشن کمیٹی" نے سیاسی ادارے کی حیثیت اختیار کر لی تھی جہاں انتظامی امور کے بجائے سیاسی امور زیادہ زیر بحث رہتے تھے۔ ہر کوئی دوسرے پر الزام لگانے اور اپنی پوزیشن صاف کرنے کے چکر میں پھنسا ہوا تھا۔ عہدوں کی بندر بانٹ کے لیے جوتیوں میں دال بٹ رہی تھی۔ یہ تھے وہ سنگین حالات جن میں جنرل طارق نے اس گندی سیاست سے نکلنے کا فیصلہ کیا اور حکومت سے درخواست کی کہ اسے کشمیر کی کمانڈ سے فارغ کر دیا جائے۔

☆○☆

نورولی کو حسن کی آمد کی اطلاع شرفو کے قریب ہی بیٹھے ہوئے ملی تھی۔ وہ لوگ وہاں ایک اہم فیصلہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ پونچھ میں بھارتی فوج کی مضبوط پوزیشن اور دوسرے محاذوں پر ابھی تک پاکستانی فوج کے پس و پیش نے انہیں اپنی خواتین اور بچوں کے مستقبل کے متعلق سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

۔۔۔۔نورولی کی جہاندیدہ نظروں نے حالات کا بغور جائزہ لینے کے بعد ہی یہ نتیجہ مرتب کر لیا تھا کہ عورتوں اور بچوں کو سرحد پار پاکستان بھیج دیا جائے اور وہ اگر پاکستان نہ بھی پہنچیں تو کم از کم کشمیر کے آزاد کردہ علاقے میں چلے جائیں۔

اس کے ساتھیوں نے بڑے ٹھنڈے دل سے بوڑھے نورولی کی باتیں سنیں اور خاصی بحث کے بعد وہ لوگ عورتوں' بچوں' ضعیف اور زخمی مردوں کو سرحد پار بھیجنے پر رضامند ہوئے تھے۔ جوانوں کا ایک دستہ بھی انہوں نے اس قافلے کی حفاظت کے لیے تیار کیا تھا کیونکہ ٹکڑیوں کی شکل میں اس سے پہلے پونچھ سے نکلنے والے مسلمان قافلوں پر جو قیامت مقامی غیر مسلم آبادی اور فوج کے ہاتھوں ٹوٹی تھی' اس سے وہ لوگ بخوبی آگاہ تھے۔

نورولی کی سوگواری نے شرفو کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا' لیکن اس کا دل اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔

"کیا بات ہے فرزند؟ کیا ہوا؟" اس نے بے چینی سے فرزند سے پوچھا جس نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

فرزند نے کچھ کہنا چاہا' لیکن اچانک جیسے کسی طاقت نے اس کی قوت گویائی سلب کر لی۔ سامنے کے موڑ سے اچانک زہرہ نمودار ہوئی تھی۔ شاید یہ خبر اس تک پہنچ چکی تھی۔ وہ چپ چاپ نورولی کے نزدیک آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ جذبات سے عاری تھا۔

"خدا کو یہی منظور تھا بچی کہ شیرو ہم سے الگ ہو جائے۔ شاید خدا کو مجھ بوڑھے کی قربانی منظور نہیں۔ خدا... سرشدوں میں سرشد تھا کہ عظیم فرض کی ادائیگی میں اس نے شہادت پائی اور ہمیں اکیلا چھوڑ گیا۔" نورولی کی آواز بھرا گئی۔

"صبر—— میری بچی صبر کرو۔ یہ کٹھن وقت ہے۔ شہیدوں کو رویا نہیں کرتے میری بچی۔" نورولی کا گلا رندھ گیا۔

فرزند نے منہ دوسری طرف پھیر لیا تھا اور شرفو کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا' وہی بات ہو گئی جو اس نے سوچی تھی۔

"اف خدایا! یہ کیا ہو گیا۔" اس نے دل ہی دل میں کہا۔ اس کے اندر جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔ اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا' پھر اسے اپنے گالوں پر گرم آنسوؤں کے قطرے گرنے کا احساس ہوا۔ اس کے ساتھ ہی وہ غبار جس نے اس کا دم گھونٹنا شروع کر دیا تھا' اس کے پیٹ سے حلق کی طرف سفر کرنے لگا۔ شرفو نے انتہائی ضبط سے کام لیا' لیکن اس ریلے کی طغیانی کے سامنے اس کی ایک نہ چلی اور وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"شرفو!" فرزند نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ "اگر تم ہی ہمت ہار گئے تو زہرہ......"

اور اس نے سوچا واقعی اب اسے زہرہ کا سہارا بننا تھا۔ حالات نے جس بری طرح اس لڑکی کو رگیدا تھا' اس کے بعد شرفو کے سوا اس کا رہا ہی کون تھا۔

"مجھے ساری کہانی سناؤ فرزند۔" شرفو نے حیرت انگیز ضبط کا مظاہرہ کیا' پھر وہ زہرہ سے مخاطب ہوا۔ "آؤ زہرہ تم بھی سن لو۔ فرزند اس کے ساتھ بنوٹ میں تھا۔ وہیں ہمارا شیر شہادت کے منصب پر سرفراز ہوا ہے۔ چپ ہو جاؤ زہرہ۔ ان آنسوؤں کو یوں مت بہاؤ۔ ہمیں بہت رونا ہے۔ اپنے پیاروں کا ماتم کرنا ہے۔ ابھی ہمیں بہت لمبی زندگی

وہ زہرہ چپ ہو گئی۔ چاروں اس کے سامنے میں کھڑے تھے۔
... ابھی تسلی دے رہا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ مشکل تسلیاں ہیں۔ شیرو
کی ساری زندگی ان دونوں کو رلائے گی۔

☆○☆

کمرے میں بیٹھتے ہی فرزند نے انہیں ساری کہانی سنانا شروع کر دی۔ "میں بنوٹ میں شیرو کے ساتھ تھا۔ ہم اکٹھے فائرنگ کرتے ہوئے پیچھے ہٹے تھے۔ بس یہ سمجھ لو کہ یہ ہی کہانی ہے۔ میں ایسا نہیں ہوں۔ کہانی سنانے کے لیے زندہ بچا ہوں۔ کتنا بدقسمت ہوں میں۔ شاید ہی کوئی اور بچا ہو۔ سوائے ان کے جو حوالدار غلام محمد کے ساتھ سری نگر کی طرف نکل گئے۔ نورولی! بخدا میں بزدل نہیں ہوں' لیکن یہ بے مقصد کی بے وقت موتیں اب میری برداشت سے باہر ہیں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ "میں نے وہ وہ منظر دیکھے ہیں کہ اب میرا ایمان ہی انسانیت سے اٹھنے لگا ہے۔ نورولی! پٹھان بھاگ رہے ہیں۔ ہندو فوج آگے بڑھ رہی ہے۔ ادھر پاکستان سے کوئی فوج ہماری مدد کو نہیں آ رہی۔ ہم اتنے مومن نہیں کہ آسمان سے فرشتے ہماری مدد کو اتریں گے۔"

اس کے آخری فقرے کی کاٹ اتنی گہری تھی کہ بوڑھا نورولی تلملا اٹھا۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" اس نے بڑی ہمت سے کام لے کر اپنے لہجے پر کنٹرول کیا تھا۔

"نورولی!" فرزند کی آواز خاصی بلند ہو گئی تھی۔ "کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے بلی کا خطرہ ٹلا نہیں کرتا۔ خدا کے لیے حالات کو سمجھو۔ ہم اس بے سروسامانی کی حالت میں آخر کب تک لڑ سکتے ہیں—— کب تک؟ اور ہم آخر لڑ کس کی امید پر رہے ہیں؟ دشمن اپنی پوزیشن مستحکم کرتے ہی ایک ایک کو سسکا سسکا کر مار ڈالے گا۔ جتنی جلدی ممکن ہو' یہاں سے نکل جاؤ۔" اس نے اپنی بات مکمل کر کے نظریں جھکا لیں۔ شاید اس میں کسی سے نظریں ملانے کا حوصلہ نہیں تھا۔

وہاں موجود چاروں میں سے ہر کوئی دوسرے سے نظریں چرا رہا تھا جیسے وہ چاروں ایک دوسرے کے چور ہوں۔ تینوں مرد خود کو شیرو کی موت کا ذمے دار سمجھ رہے تھے۔ ان سب پر سکوت طاری تھا' پھر نورولی نے ہی ہمت کی۔

"فرزند! میں تمہاری بات سمجھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں جلد یا بدیر یہ حصار بالآخر ٹوٹ جائے گا' لیکن ہم کو لڑنا ہے۔ آخر دم تک—— آخری آدمی تک۔"

"——ہم ہراول دستے کے سپاہی ہیں اور اگر ہم ہی ہمت ہار گئے تو وادی کشمیر سے [illegible]

چہرے پر پھیلی ہوئی ملامت دم توڑ جائے گی۔ وہ لوگ صرف ہم سے امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ چنگاری ہم نے سنبھالی تھی۔۔۔۔ ہم پونچھ کے لوگوں نے اور اس آگ کا ایندھن بھی اب ہم ہی کو بننا ہو گا۔"

اس کی بات ابھی بمشکل مکمل ہی ہوئی تھی کہ دروازے کے باہر قدموں کی آہٹ ہوئی۔ اشرف خان نے بڑی پھرتی سے اپنا ریوالور نکال لیا۔ فرزند رائفل پکڑ کر اس سے بھی زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دروازے سے چپک گیا۔ نوردلی خود آگے بڑھا۔ اس نے زہراں کو شرفو کے پیچھے کھڑے ہونے کو کہا۔

"کون ہے؟" اس نے باہر نکل کر للکارا۔

"میں ہوں چاچا نوردلی۔" ایک مجلد کی آواز آئی۔

"آ جاؤ۔" اس نے آواز پہچان کر آنے والے کو اجازت دی۔ "تم یہاں کیسے فضل داد؟" نوردلی نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

اس اثناء میں باقی تینوں بھی مطمئن ہو کر بیٹھ گئے تھے۔

"میں بڑی مشکل سے ان لوگوں کو دھوکا دے کر یہاں تک آیا ہوں چاچا نوردلی۔" فضل داد کی گھبراہٹ نمایاں تھی۔

"کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے؟" نوردلی نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"چاچا حوالدار صاحب شہید ہو گئے۔" اس نے شرفو کی طرف بڑی ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

"انا للہ و انا الیہ راجعون۔" نوردلی کے منہ سے نکلا۔

"کیا؟" شرفو نے فضل داد کو آگے بڑھ کر جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔ اس کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔

"ہاں شرفو بھائی۔ تمہارے والد شہید ہو گئے۔ میرا بھائی کرم داد بھی ان کے ساتھ شہید ہوا ہے۔ بریگیڈیئر پریتم سنگھ کے سپاہیوں نے ان دونوں کو گھیرا ڈال کر زندہ گرفتار کر لیا تھا، پھر ایک درخت سے لٹکا کر دونوں کو پھانسی دے دی۔ ظالموں نے ہمیں لاشیں بھی نہیں دیکھنے دیں۔"

فضل داد بولتا جا رہا تھا اور شرفو کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی دماغ کی رگیں پھٹ رہی ہوں۔ اس کے منہ کا ذائقہ اچانک کڑوا ہو گیا تھا، حلق سوکھنے لگا تھا اور ایک مرتبہ پھر وہ پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ اسی کیفیت کا شکار ہو چکا تھا جس سے وہ ابھی تھوڑی دیر

[illegible] کی موت کی خبر سننے کے بعد ہوا تھا۔۔۔۔ ایک ایسی [illegible] بھی نہ رہا تھا۔ [illegible] نے اپنا سر اٹھا کر اچانک جب نوردلی کی طرف دیکھا تو [illegible] نظر آ رہا تھا۔

[illegible] ان کتوں کو مار ڈالوں گا۔" وہ دیوانگی کے سے عالم میں [illegible] بھی پھرتی سے فرزند نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ اس سے [illegible] کو آگے بڑھے۔ زہراں ایک کونے میں سمٹ کر [illegible] بھی اس کی مدد [illegible] چیختی رہی۔

"چھوڑ دو مجھے چاچا۔۔۔۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں ان کو۔۔۔۔ میں ان کو مار ڈالوں گا۔ انہوں نے شیرو کو بھی مار ڈالا۔ میرے باپ کو بھی مار ڈالا۔" شرفو [illegible] بھاری تھی۔ وہ تینوں کے بس سے نکلا جا رہا تھا۔ تینوں نے اپنی گرفت [illegible] دی۔ آہستہ آہستہ اس کی آواز بڑبڑاہٹ میں تبدیل ہونے لگی [illegible] تھی۔

نوردلی نے اسے اپنے بازوؤں کے سہارے زمین پر لٹا دیا۔ زہراں تڑپ کر [illegible]

"شرفو!" اس کے منہ سے نکلا اور وہ دوبارہ سسکیاں لے کر رونے لگی۔

نوردلی نے اسے ہاتھ کے اشارے سے پرے ہٹ جانے کو کہا۔ "بیٹی! اگر ہم میں سے کوئی بھی رویا تو یہ پاگل ہو جائے گا۔ اسے حوصلہ دو۔۔۔۔ حوصلہ دلاؤ۔" [illegible] قمیص کی آستین سے داڑھی پر بہتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھا۔ [illegible] باقی دونوں نے بھی دہرایا۔

"پانی لاؤ۔" اس نے زہراں کو اشارہ کیا جس نے کمال ضبط سے اپنی سسکیاں [illegible] تھا۔

دس منٹ بعد جب شرفو کو ہوش آیا تو سب سے پہلے اس کی نظر زہراں پر پڑی جس نے اسے ہوش میں آتے دیکھ کر اپنا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ دوسری طرف کر لیا تھا۔ شرفو نے باری باری گردن گھما کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے اطراف [illegible] ڈالی، چند لمحے وہ دم سادھے چپ چاپ بیٹھا رہا، پھر اٹھ کر اچانک کھڑا ہو گیا۔ فرزند تیزی سے باہری دروازے کی طرف لپکا۔ باقی دونوں کے ساتھ زہراں بھی [illegible]

رہے گی اور تم اپنے بابا کے ساتھ۔ مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ تم دونوں اپنی ازدواجی زندگی شروع کرو گے۔"

---اپنی بات مکمل کر کے اس نے امید بھری نظروں سے شرفو کے چہرے کی طرف دیکھا جس کے سر جھکانے سے قبل ہی اس کی ساری ہمت جواب دے گئی تھی۔

"میں آپ کے ہمدردانہ جذبات کی قدر کرتا ہوں چاچا' لیکن اول تو اس معاملے میں میری رضامندی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ پھر آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ جس عظیم مقصد کے لیے میرے بابا' آپ اور بھائی نے اپنی جانیں قربان کیں' میں اس مقصد کے حصول تک میدان کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ مجھے بھی آخر مرنا ہے چاچا' لیکن میں قیامت کے روز ان کے سامنے شرمسار نہیں ہونا چاہتا۔"

"دیکھو بیٹے۔" نورولی نے اس کے جواب سے قدرے مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں خدانخواستہ میدان جنگ سے بھاگنے کی ترغیب نہیں دے رہا۔ یہ بات غیرت کے خلاف ہے' لیکن بعض ذمے داریاں اتنی اہم ہوتی ہیں کہ دوسرے تمام اہم معاملات کو ان پر قربان کیا جا سکتا ہے۔ میں صرف تمہارے لیے میدان بدل رہا ہوں۔ تم یہاں سے جا کر آزاد کشمیر کی باقاعدہ فوج کے ساتھ لڑائی میں شامل ہو جانا' پھر تمہیں اپنی تعلیم کا بھی خیال کرنا چاہیے۔ حوالدار مرحوم کی شدید خواہش تھی کہ تم اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے فوج میں چلے جاؤ' پھر تم خود ہی بتاؤ آخر زہراں کو ہم اکیلا کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ خصوصاً ان حالات میں! شرفو یہ مت بھولو وہ تمہارے مرحوم دوست کی منگیتر ہے جو یہاں سے رخصت ہوتے وقت اس کی ذمے داری تمہیں سونپ گیا تھا......."

کافی دیر کی بحث کے بعد بالآخر نورولی کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو گئی' لیکن شرفو نے اس سے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا۔ "چاچا! مجھے اس بات کی تصدیق بھی چاہیے کہ زہراں نے بغیر کسی دباؤ کے اس فیصلے کو قبول کیا ہے' ورنہ یہ بات یاد رکھنا کہ تم دو زندگیوں میں جو پہلے ہی نیم مردہ ہیں' زہر گھول دو گے۔"

"تم مطمئن رہو شرفو۔ مجھے خدا کے سامنے بھی اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہونا ہے۔" اور وہ واپس آ گیا۔

☆○☆

زہراں نے نورولی کی بیوی کی ساری بات بڑی توجہ سے سنی تھی۔

---صدمات نے اسے نڈھال ضرور کر دیا تھا' لیکن اب وہ زیادہ حقیقت پسند ہو [illegible]

کھڑی ہوئی' لیکن شرفو اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔ وہ چند ثانیے تکی باندھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے نورولی کو گھورتا رہا۔

"چاچا" ایک کربناک آواز اس کے گلے سے بلند ہوئی اور وہ ٹوٹی ہوئی ڈالی کی طرح نورولی کے بازوؤں میں گر کر بچوں کی طرح رونے لگا۔ مقتول داماد اور فرزند نے اسے دوسری طرف موڑ لیے اور زہراں پھر سسکنے لگی۔

☆○☆

تین دن تک نورولی نے انہیں مسلسل اپنی نگرانی میں رکھا تھا۔ یہ تین دن پونچھ کے مسلمانوں کے لیے قیامت سے ہرگز کم نہ تھے۔ مسلمانوں کا قتل عام روزانہ کا معمول بن چکا تھا۔ نورولی کو شرفو اور زہراں کے متعلقین کی قربانیوں کا شدت سے احساس تھا۔ وہ اپنی ذمے داری سمجھتا تھا کہ ان دونوں کو محفوظ مستقبل کی ضمانت دے' لیکن کس طرح؟ یہی سوال اسے پریشان کیے ہوئے تھا۔ تیسرے دن مسلسل سوچ بچار اور برادری کے ان سرکردہ لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد جو ابھی پونچھ میں تھے' نورولی ایک فیصلے پر پہنچ چکا تھا۔

اور اس روز وہ اسی ارادے سے شرفو کے پاس آیا تھا کہ اسے بلاول نخواستہ اپنے فیصلے سے بھی آگاہ کرے اور پونچھ سے ہجرت پر بھی تیار کرے۔ شرفو اسے "پناہ گاہ" کے باہری مل گیا۔ وہ اپنی رائفل کھول کر اسے صاف کر رہا تھا جب نورولی اس کے سر پر جا پہنچا۔

"سلام چاچا۔" اس نے نورولی کو دیکھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"جیتے رہو۔" نورولی نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا۔ اس دوران شرفو نے رائفل دوبارہ بند کر لی تھی۔

"میں تم سے ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں بیٹا۔ گو کہ ایسی باتیں خاص مواقع پر کی جاتی ہیں' لیکن حالات جس نہج پر جا رہے ہیں وہاں میں کسی بات کو ادھوری چھوڑنے یا کل پر ٹالنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

"کہو چاچا تم کوئی غیر تو نہیں ہو۔" شرفو نے خلا میں کسی کھوئی ہوئی شے کو ڈھونڈتے ہوئے کہا۔

[illegible] نورولی نے پہلے تو اسے اس کی ذمے داریوں اور مستقبل کے خدشات کا احساس دلایا' پھر [illegible] پوزیشن سے آگاہ کرنے کے بعد بالآخر ہمت کر کے کہا۔ "میں برادری کے [illegible] سے صلاح مشورہ کرنے کے بعد اس فیصلے پر پہنچا ہوں کہ تم دونوں کا نکاح کر کے [illegible] کی طرف بھیج دیا جائے---- زہراں فی الحال میرے گھر

HBC

گئی تھی۔ حالات اس کے سامنے تھے اور مستقبل کے خدشات کا دیو اپنے مہیب جبڑے کھولے بڑی تیزی سے اسے نگلنے کے لیے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ زہراں جانتی تھی کہ اس کی حیثیت خزاں کے اس پتے جیسی ہے جو ڈالی سے الگ ہو کر گر پڑا ہو۔ اسے زندگی کے طویل صحرا کو پاٹنے کے لیے ایک مضبوط سہارا درکار تھا ورنہ ہوا کا کوئی بھی تیز جھونکا اسے اپنے سنگ اڑا کر کہیں بھی لے جائے گا۔

شرفو اس کے مرحوم منگیتر کا جگری یار تھا اور دونوں میں کئی قدریں مشترک تھیں۔ شیرو نے روانگی کے وقت اسے زہراں کی حفاظت کی ذمہ داری سونپ کر اس پر مکمل اعتماد کا اظہار ہی نہیں کیا تھا بلکہ اسے ہر معاملے میں اپنا دست راست بھی جانا تھا، پھر شرفو بھی تو اکیلا ہی رہ گیا تھا۔ اسے بھی تو کسی سہارے کی ضرورت تھی۔ شیرو اور اس کے گھر والوں کی غیر موجودگی میں خصوصاً اس کے باپ اور شیرو کی ماں کی شہادت کے بعد اس نے جس طرح زہراں کی ذمے داری اٹھائی تھی اور اس کے دکھ درد بانٹے تھے، وہ کچھ اسی کا حصہ تھا۔ مستقبل کے تحفظ کا احساس ہی اس کے لیے نعمت خداوندی تھا۔ اس نے جواب میں "چاچی جی" کہہ کر گردن جھکالی اور چاچی اس کا مدعا جان گئی۔

"اللہ تمہیں خوش رکھے بیٹی۔" وہ اٹھ گئی۔

اسی رات ایک سادہ سی تقریب میں دونوں کا نکاح ہو گیا۔ برادری کے تقریباً سب ہی لوگوں نے نورولی کے اس فیصلے کو سراہا تھا اور دونوں کی کامیاب زندگی کے لیے دعا کی تھی۔ نورولی نے زہراں کو ساری برادری کے سامنے اپنی بیٹی بنانے کا اعلان کیا تھا اور بتایا تھا کہ حالات سدھرنے پر خود زہراں کو اپنے ہاتھوں رخصت کرے گا۔

دوسرے روز ایک قافلہ پونچھ سے پاکستان کی طرف ہجرت کر رہا تھا۔ اس قافلے کی حفاظت کے لیے مٹھی بھر جوان مرد بھی اپنی رائفلیں لیے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ تقریباً ہر مرد عورت کے پاس اپنی حفاظت کے لیے چاقو یا کلہاڑی موجود تھی۔ شہر سے باہر جانے والے "محفوظ راستے" تک نورولی اور اس کے جانباز بھی ان کے ساتھ آئے تھے۔ یہاں رہ جانے والے تقریباً سب ہی جوان مردوں نے اپنے اہل خانہ کو رخصت کر دیا تھا۔

رخصت ہونے والے بدقسمت یہی گمان کرتے تھے کہ کچھ عرصے بعد ہی جب ان کے مسلمان پاکستانی بھائی مقامی مجاہدین کی مدد کو آ جائیں گے اور ان کے اجداد کی قربانیوں کا امین بنے ہوئے پونچھ کو دشمن کے خونی پنجے سے نکال کر ان کے حوالے کر دیں گے، تب وہ سب یہاں فاتحانہ انداز میں داخل ہوں گے اور آزاد فضاؤں میں قیام کریں گے۔

کتنے بدقسمت لوگ تھے وہ۔۔۔!

☆○☆

جموں سے سری نگر تک کا سفر شیرو کے لیے لمبا، دشوار اور صبر آزما تھا۔۔۔ موسموں اور مسافتوں کا عذاب جھیلتا وہ آگے بڑھتا رہا۔ کبھی پیدل، وہ دن کو چھپے رہتے، رات کو سفر کرتے۔ جنگلوں اور پہاڑوں سے ہوتے ہوئے وہ سری نگر پہنچے تھے۔

آسیہ کو اس سفر ہی میں اس حقیقت کا ادراک ہو گیا تھا کہ وہ شیرو کی ذات میں اسے اپنا "مستقبل" نظر آ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ یہ جو بات کہی ہے وہ ضرور کر گزرے گا اور پہنچتے ہی اسے اس کے بھائیوں تک ضرور پہنچا دے گا۔ شیرو کی شکل میں اس نے اپنا مستقبل بھی دیکھ لیا تھا۔

اس دوران دونوں نے جی بھر کے ایک دوسرے سے باتیں کی تھیں۔ اپنے گھر کی، اپنے گاؤں کی، کشمیر، مجاہدین کی، پونچھ اور سری نگر کی باتیں۔ کئی مرتبہ آسیہ کا جی چاہا کہ وہ کھل کر شیرو سے اظہار محبت کر دے۔ وہ ایسی ہی دلیر لڑکی تھی۔ اس نے امیرانہ اور آزادانہ سیاسی ماحول میں پرورش پائی تھی۔ اس ماحول نے اس میں سے بے وجہ کی جھجک کو نکال دی تھی، لیکن وہ شیرو سے کبھی اس موضوع پر بات نہ کر سکی۔

شیرو نے بھی اس سے زمانے بھر کی باتیں کی تھیں، لیکن وہ چاہتے ہوئے بھی کبھی اس سے زہراں کے متعلق کوئی بات نہ کر سکا۔ اصل میں وہ زہراں کی یادوں میں کبھی کسی کی شرکت گوارہ نہیں کرتا تھا۔ اس نے زہراں کی یادوں کو صرف اپنا سرمایہ حیات بنا رکھا تھا۔ کئی دفعہ اس کا جی چاہا کہ وہ کم از کم آسیہ کو یہ بتا دے کہ وہاں زہراں نام کی ایک لڑکی اس کا انتظار کر رہی ہے جسے وہ کبھی بھلا نہ سکا۔ کبھی خود سے الگ نہ کر سکا۔ میدان کارزار میں جب کبھی اسے فرصت کے چند لمحات میسر آئے، زہراں چھم سے اس کے نہاں خانہ دل سے باہر نکل آئی، لیکن وہ آسیہ سے کبھی اس مسئلے پر بات ہی نہ کر سکا۔ ہر دفعہ اس کا روایتی حجاب آڑے آیا۔

آسیہ کے بھائیوں نے اس کو پوجا کی حد تک تعظیم دی تھی۔ انہوں نے شیرو کی منت کی کہ وہ ان سے احساس تشکر کے طور پر کچھ قبول کر لے، لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ وہ لوگ اسے روکنے اور اس کی مہمانداری پر بضد تھے، لیکن شیرو کو تو اڑ کر پونچھ پہنچنے کی پڑی تھی۔

"میں آپ کی واپسی کی منتظر رہوں گی۔" آخر اس نے اس سے کہا تھا۔ اور پھر اس نے جب اس بات کی گرمی کو چپ چاپ ٹھکرا کر دیکھا۔

"میں جس منزل کا مسافر ہوں آپ اس پر جانے والے کم ہی لوٹ کر آیا کرتے ہیں۔" بمشکل اس نے کہا اور آپ کا جواب سنے بغیر ہی "خدا حافظ" کہہ کر باہر آ گیا۔

آپ کا بڑا بھائی اس کے ساتھ بڑی دور تک آیا تھا۔ "شیرو بھائی! اس گھر کے دروازے تم پر ہمیشہ کے لیے کھلے ہیں۔ اگر کبھی مہلت ملے تو ضرور آنا۔" اس نے دم رخصت اس سے کہا تھا۔

شیرو اس سے الگ ہو کر سیدھا نبی خان سے آ کر ملا تھا جس تک حالات کی سب خبریں اس کی آمد سے پہلے ہی پہنچ چکی تھیں۔ دونوں رات گئے تک بیکری کی اسی دکان کے پچھلے تہ خانے میں بیٹھے رہے۔ شیرو نے اسے بنوٹ کے ایک ایک لمحے کی کہانی سنا دی تھی۔ پونچھ کے عام حالات کی خبر تو نبی خان کو تھی' لیکن وہ بھی اس سے بے خبر تھا کہ شیرو کے گھر والوں پر کیا قیامت ٹوٹی ہے۔

"تم فوراً پونچھ پہنچو' وہاں ہمارے تمام شاہین جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ اپنے گھر والوں کو آزاد علاقے کی طرف روانہ کر کے لوٹ آنا۔ اب ہمیں سری نگر کو مرکز بنانا ہے۔"

نبی خان نے اسے رخصت کر دیا۔

رات کے دوسرے پہر دو سائے ایک مکان سے برآمد ہوئے۔ یہ شیرو اور نبی خان تھے۔ نبی خان اسے سری نگر کے باہر تک چھوڑنے جا رہا تھا۔ ایک محفوظ مقام پر وہ اس سے علیحدہ ہو گیا۔

"فی امان اللہ!" شیرو نے اس سے بغل گیر ہو کر الگ ہوتے ہوئے کہا۔

"فی امان اللہ!" نبی خان بولا۔

وہ کافی دیر تک وہاں کھڑا شیرو کو اندھیرے کی چادر میں غائب ہوتے دیکھتا رہا' پھر لوٹ آیا۔

انجانی منزل کا مسافر

سورج اس کے عقب کی پہاڑیوں میں اتر رہا تھا جب وہ پونچھ سے ... داخل ہوا۔ اس نے اپنا چہرہ اس طرح چادر میں لپیٹ رکھا تھا۔ ... تک بھی نہ کرے اور وہ دیکھنے والی نظروں سے پوشیدہ بھی نہ رہے۔

شہر کے گرداگرد بھی بارودی سرنگوں سے بچنے کے لیے اس نے ... محفوظ راستہ اپنایا تھا۔ اس نے شہر کے باہر ہی سورج کے غروب ہونے کا انتظار کیا تھا۔

وہ ایک پہاڑی ٹیلے کی اوٹ میں سامنے پونچھ پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ پونچھ ۔۔۔ جو اس کی ہی نہیں کشمیر کے تمام حریت پسندوں کی آخری امید بھی تھی۔ سارے کشمیر میں لڑی جانے والی جدوجہد آزادی کا دارومدار پونچھ پر ہی تھا جہاں مجاہدین نے سرحد کی بازی لگا رکھی تھی لیکن ۔۔۔ ہر طلوع ہونے والی صبح ان کے لیے دشمن کی نظروں میں لٹنانے اور نئی قلعہ بندیوں کی خبر لے کر آتی تھی۔

شیرو کی سوچوں کا محور زہراں تھی اور اس کی ماں ۔۔۔!

۔۔۔ اسے اس بات پر شرمندگی تھی کہ وہ جس مشن کے لیے گیا تھا' اسے مکمل نہیں کر سکا اور حالات نے اسے راستے ہی سے لوٹ جانے پر مجبور کر دیا' لیکن اس کا ضمیر بہرحال مطمئن تھا کہ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے اس سلسلے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی ۔۔۔ وہ اپنے فرائض میں کوتاہی کے گناہ گار نہیں ہوئے تھے' پھر بھی نہ جانے کیوں ایک بے نام سی خلش اسے ستا رہی تھی۔

اس کے بعد اس کی ماں اور زہراں پر کیا گزری تھی؟ اس کی خبر اسے بھی نہ ہو سکی۔ اسے تو یہ علم بھی نہیں تھا کہ وہ لوگ اس وقت کہاں ہوں گے۔ اس نے صرف شرفو کو راحت میں لیا تھا اور اب وہ شرفو ہی کے ایک ٹھکانے کی طرف جا رہا تھا۔ اسے علم ہو چکا تھا کہ اپنوں کے ہاتھوں پونچھ میں ان کی بازی پٹ گئی ہے اور دشمن کے قدم روز بروز مضبوط ہو رہے ہیں۔ یہ بات شیرو کے لیے اگرچہ چونکا دینے والی تھی' لیکن فی الوقت اس خبر ...

HBC

چاہتے ہوئے بھی اسے ایمان لانا پڑا اور اب وہ پونچھ کے باہر ایک پہاڑی پر بیٹھا اپنی آنکھوں سے بدلے ہوئے حالات دیکھ رہا تھا۔

"کیا گزری ہو گی میرے گھر والوں پر؟" یہی سوچ اسے کھائے جا رہی تھی۔

اور اس کی سوچوں کا تانا بانا آخر فائر کے زوردار دھماکے کی آواز سے ٹوٹا۔ ہوم گارڈ کے ساتھ کچھ عرصہ گزارنے کے بعد وہ کم از کم اس قابل ضرور ہو گیا تھا کہ فائر کی شدت کا صحیح اندازہ کر سکے —— سیٹی کی آواز اور اس کے بعد کانوں کے پردے پھاڑ دینے والے دھماکے نے انکشاف کر دیا تھا کہ یہ میڈیم گن کا فائر ہے۔ یہ انکشاف ہی اس کے لیے کسی زوردار دھماکے سے کم نہیں تھا۔ وہ پریشان ہو گیا۔ "کتنی جلدی اور اچانک یہ تبدیلی آ گئی تھی۔"

وہ اپنے سائے سے بھی ہوشیار بڑے نپے تلے قدموں سے نیچے اتر آیا کیونکہ اس زوردار فائر کے بعد ہلکے اسلحے کی مسلسل فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔

——ایسی آنکھ مچولی وہاں اکثر ساری ساری رات جاری رہا کرتی تھی۔ فریقین اپنے اپنے کیمپ میں سے ایک دوسرے پر گولہ باری کرتے رہتے تھے۔ مجاہدین کے پاس ہلکا اسلحہ تھا اور وہ لوگ چھپ کر اکا دکا بھارتی فوجی پٹرول پر گھات لگایا کرتے تھے جب کہ ذرا سا شک گزرنے پر بھارتی فوج ان کے ٹھکانوں پر اندھا دھند گولہ باری کرنے لگتی تھی اور یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا تھا۔

شیرو کو اب یہ بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھیوں نے اپنے ٹھکانے وہیں رکھے ہوں گے یا بدل لیے ہیں۔

——اس کا رخ پونچھ کے اس گھنے جنگل کی طرف تھا جہاں اس کی دانست میں ابھی تک اس کے ساتھیوں کو ضرور موجود ہونا چاہیے تھا۔ نبی خان نے اسے بتایا تھا کہ حسین خان اپنے دستے کے ساتھ جموں کی طرف نکل گیا تھا اور بنوٹ میں اس سے الگ ہو جانے والے اس کے ساتھی مظلوم عورتوں کے ساتھ بہ حفاظت سری نگر پہنچ گئے تھے۔ انہی کی زبانی نبی خان کو بنوٹ والے حادثے کی اطلاع ملی تھی —— گھیرے میں آ جانے والے ہوم گارڈز میں سے صرف شیرو ہی اسے مل سکا تھا۔

جنگل میں داخل ہوتے وقت شیرو سوچ رہا تھا کہ آج سے کچھ عرصہ پہلے تک اس جنگل میں دور دور تک کسی ڈوگرہ سپاہی کو پھٹکنے کی جرات نہیں ہوتی تھی اور آج وہ ڈر ڈر کر اور بچ بچا کر اپنے ساتھیوں کے پاس جا رہا تھا۔ اس جنگل کا کونہ کونہ اگرچہ اس کا دیکھا بھالا

تھا لیکن نہ جانے کیوں اسے اس وقت یہ سب کچھ غیر مانوس سا نظر آ رہا تھا۔ پہاڑی سلسلے میں ہانپتا ہوا بڑا تھکا ہوا کر چل رہا تھا لیکن ایک دوسرا شخص اس سے زیادہ ہوش مند نکلا جو اچانک ہی اس کے سر پر پہنچ گیا۔

"ہلٹ" —— ایک پھنکار اس کے پہلو میں گونجی۔

شیرو نے مڑ کر دیکھنا چاہا لیکن اس رائفل کی مدد کی نال نے جو اس کی کنپٹی سے لگی تھی، اسے واپس مڑنے پر مجبور کر دیا۔

"زیادہ چالاکی نہ دکھاؤ۔ ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔ کون ہو تم؟"

"شیرو۔" اس کے منہ سے بہ مشکل اپنا نام نکلا تھا کہ اسے اپنے عقب سے بوکھلائے ہوئے اور حیرت زدہ لہجے میں "شیرو؟" کی تکرار سنائی دی۔

وہ غیر ارادی طور پر آواز کی طرف گھوما۔ اس کے سامنے فرزند کھڑا تھا —— اس کا ساتھی جو بنوٹ سے اس کے ساتھ ہی بھاگا تھا۔ اس کے ساتھ ہی شیرو کا ہاتھ اپنے منہ کی طرف اٹھا اور اس نے اپنے چہرے پر لپیٹے کپڑے کو گرا دیا۔

"فرزند! تم...... تم زندہ ہو؟ او میرے خدایا!" شیرو کو تو جیسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، لیکن وہ فرزند کے دل و دماغ پر ٹوٹنے والی قیامت سے بے خبر رہا۔

"شیرو!" فرزند نے بمشکل اپنے بند گلے کو کھولا۔ اس کے ساتھ ہی وہ آگے بڑھا اور بے تابانہ اس سے لپٹ گیا۔ "میرے خدایا مجھ سے انجانے میں کیا ظلم ہو گیا؟" وہ چیخا۔

"کیا بات ہے فرزند؟ کیا ہوا؟" شیرو نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ادھر آ جاؤ۔" فرزند نے ایک سمت اس کی راہنمائی کی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اس کے آگے آگے چل رہا تھا۔ اس کے ذہن میں دھماکے ہو رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح شیرو پر ٹوٹنے والی ان قیامتوں سے اسے آگاہ کرے جن کا شکار شیرو یکے بعد دیگرے ہو چکا تھا۔ وہ اسے کیسے بتاتا کہ اس کا تو سب کچھ لٹ چکا ہے —— سب کچھ۔ لے دے کے ایک زہرہ رہ گئی تھی جو فرزند کے بگڑنے حالات کی بھینٹ چڑھ گئی۔

——وہ سوچ رہا تھا کہ اگر قدرت نے شیرو کو روحانی عذاب کے ایک طویل سلسلے سے نکلنے کے لیے چن ہی لیا تھا تو وہ اس کھیل کا مہرہ کیوں بنا؟

وہ سوچ رہا تھا کہ خود میں اتنی ہمت کیسے لائے کہ اسے کچھ بتا سکے اور شیرو حیرت زدہ سا اس کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا۔ دونوں قدرے محفوظ ایک گوشے میں آن کر ٹھہر گئے۔

یہاں مجاہدین کی ایک عارضی قیام گاہ شیرو کو درختوں کے جھنڈ میں نئی جھونپڑی کی شکل میں

نظر آ رہی تھی جو اس وقت بالکل خالی تھی۔ بس ایک کونے میں ایک لالٹین اور مٹی کا پانی سے بھرا ہوا گھڑا رکھا تھا اور دوسرے کونے میں زمین پر گھاس پھونس سے بنی ایک چٹائی بچھی تھی۔

"بیٹھ جاؤ شیرو!"

وہ خود شیرو کے سامنے چٹائی پر بیٹھ گیا اور اپنی تمام تر قوتیں مجتمع کر کے اس نے شیرو کو ایک ایک کر کے ان تمام واقعات سے آگاہ کر دیا۔ اسے امید تھی کہ شیرو یہ سب کچھ سن کر دھاڑیں مار مار کر روئے گا اور بالآخر پاگل ہو جائے گا' لیکن وہ حیران رہ گیا کہ صبر و ضبط کا مجسمہ اس کے سامنے پتھر کے بت کی طرح خاموش بیٹھا رہا۔

—— آنسوؤں پر تو اس کا اختیار نہیں تھا' لیکن اس نے کمال ہمت سے اپنے اندر ہی اندر اٹھنے والی سسکیوں اور آہوں کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

"میں تمہارا مجرم ہوں شیرو بھائی۔" اس نے روندھے ہوئے گلے سے شیرو کو مخاطب کیا۔

"نہیں فرزند! قدرت کو شاید یہی منظور تھا کہ میں ماں اور چچا کے بعد اپنی منگیتر کو بھی نہ پا سکوں۔ تم بھی سچے تھے فرزند۔ واقعی وہاں سے کسی کے بچ نکلنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ قدرت کو شاید اسی طرح زہراں کی بہتری منظور تھی' پھر شرفو کوئی غیر تو نہیں' آخر میرا دوست ہے—— میرا بھائی!" اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کے لیے اپنے آنسو ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"شیرو بخدا! تم انسان نہیں۔ دنیا کے کسی انسان میں اتنا حوصلہ نہیں ہو سکتا۔ میں ان پہاڑوں کے حوصلے پر حیران ہوا کرتا تھا کہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں پر ہونے والے ایسے مظالم کو یہ صدیوں سے دیکھتے آ رہے ہیں اور ان کا سینہ شق نہیں ہوتا لیکن تم...... تم تو ان سے بھی بازی لے گئے شیرو۔" وہ سسک پڑا۔

شیرو نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اس نے اپنے کندھے پر رکھی چادر سے اپنے آنسو پونچھے اور جب دوبارہ منہ پھیرا تو فرزند بھی خود پر قابو پا چکا تھا۔

دونوں کو اندر گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ دونوں جھونپڑی سے باہر آئے۔ ان کے سروں پر بوڑھا اور سرد آسمان اپنے دامن میں ٹھٹھرے ہوئے ستاروں کے ساتھ پھیلا ہوا تھا۔ ویران راتوں کے بیمار چاند کی زرد کرنیں کپکپاتی ہوئی کشمیر کی منجمد فضاؤں سے ٹھوکریں کھا رہی تھیں۔

دونوں چپ چاپ ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ بالآخر شیرو نے ہی ہمت کر کے

سنبھالا۔ "فرزند! وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ میرے خیال سے صبح ہونے والی ہے۔ ہاں ہے کوئی تمہاری طرف آئے اور تمہیں اپنے پہرے کی جگہ نہ دیکھ کر پریشان ہو ممکن ہے یوں بھی وقت ضائع کرنا مناسب نہیں۔ تم مجھ پر ایک آخری احسان کرو۔"

"ہاں!" بے اختیار فرزند کے منہ سے نکلا۔

"بھیا!" شیرو نے اپنے گلے میں اٹکے غبار کو نگلتے ہوئے کمال ضبط سے کہا۔ "دیکھو فرزند! کسی کو میری یہاں پونچھ میں آمد کی خبر نہیں۔ میں ابھی یہاں سے واپس چلا جاؤں گا۔ تمہارے سوا اور تم بھی یہی سمجھنا کہ تم نے مجھے دیکھا ہی نہیں—— بس یہی جاننا کہ شیرو واقعی مر گیا ہے۔"

"شیرو——!" فرزند نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں فرزند بھائی! اب مجھ میں زندہ رہنے والی بات بھی آخر کیا رہ گئی ہے۔ میرا اب رہا ہی کیا ہے اس دنیا میں۔ بس ایک اپنی جان ہے۔ وہ تو میں نے کبھی کی کشمیر کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ اگر اب شرفو یا زہراں کو میرے زندہ ہونے کی اطلاع ملی تو ان کے دلوں پر کیا گزرے گی؟"

"شیرو خدا کے لیے مجھے کسی اور امتحان میں نہ ڈالو۔ میں تو پہلے ہی اپنے ضمیر کے ہاتھوں جانے کتنی سزا ساری عمر کے لیے بھگتتا رہوں گا۔ اوہ میرے خدایا! مجھ سے نادانستگی میں یہ کیا ظلم ہو گیا۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو رہا۔

"فرزند!" شیرو نے بڑے تحمل سے کہا۔ "اگر تم نے حقائق کا سامنا نہ کیا اور کسی جذباتی پن کا شکار ہو گئے تو تم ان دونوں کی زندگیوں میں زہر گھول دو گے۔ اگر ان کا نکاح نہ ہو گیا ہوتا تو میں اڑ کر پاکستان پہنچ جاتا لیکن اب...... اب یہ ظلم ہو گا۔ ان دونوں معصوموں نے آخر کیا گناہ کیا ہے؟ اور پھر قدرت نے اگر کسی بہانے زہراں کو خوشی کے چند لمحات دے ہی دیئے ہیں تو ہمیں کیا حق حاصل ہے اس سے یہ خوشیاں چھیننے کا اور یوں بھی فرزند—— میرے بھائی! تم بات کو سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ بخدا مجھے اس بات کا قطعاً کوئی گلہ نہیں۔ شرفو سے بہتر خاوند زہراں کو اس روئے زمین پر شاید کوئی اور نہ مل سکے۔ وہ...... وہ اسے سب کچھ دے سکتا ہے—— سب کچھ۔"

فرزند نے سر جھکا لیا۔ اس میں اتنی ہمت بھی نہیں رہ گئی تھی کہ صبر و وفا کے اس پتلے سے آنکھیں ملا کر بات ہی کر سکے۔ اس نے بادل نخواستہ شیرو کی اس بات پر صاد کیا کہ وہ اس کی زندگی کے راز کو راز ہی رہنے دے گا۔

وہ شیرو کو چھوڑنے کے لیے پہاڑی سلسلے کے آخری کونے تک آیا۔ دونوں جذباتی انداز میں بغل گیر ہوئے اور دم رخصت تو فرزند کے آنسو بے اختیار اس کے گالوں پر بہنے لگے تھے' لیکن شیرو نے انتہائی صبر سے خود کو نارمل رکھا۔

چاند کی دم توڑتی روشنی میں جب وہ انجانی منزل کے مسافر کو رخصت کر رہا تھا تو جانے فرزند کو کیوں لگی یہ ساری جدوجہد بے سود نظر آ رہی تھی۔ کوئی طاقت' کوئی جذبہ' ہستی اس کے کانوں میں بار بار سرگوشی کر رہی تھی کہ ---- اب وہ پونچھ کو کبھی دشمن کے پنجے سے رہائی نہیں دلا سکیں گے۔

---- بھاری قدموں اور بوجھل دل کے ساتھ وہ واپس ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بہت دیر تک اندھیرے کی اس چادر میں کھوئے ہوئے شیرو کو ڈھونڈتی رہی تھیں جو اس کے سامنے انسانی عظمتوں کے نئے باب کھول کر اس سے رخصت ہو گیا تھا۔

☆○☆

شیرو جب اس مقام تک پہنچا جہاں فرزند نے اس کی ماں کی قبر کی نشاندہی کی تھی تو اسے اچانک اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔ اب تک اس کے اندر پیدا ہونے والی جس قوت نے اسے حوصلہ دے کر مکمل مرد بنائے رکھا تھا' وہ جیسے اس کے جسم سے یک دم باہر نکل گئی۔

اور جب تک پتھروں کے اس ڈھیر تک پہنچا جسے مٹی کے اوپر کسی نے قبر کی طرح چنا ہوا تھا تو وہ ایک معصوم بچے کا مکمل روپ دھار چکا تھا۔

بے اختیار وہ پہلے قبر کے سرہانے بیٹھ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ آگے کی سمت پھیلے اور وہ قبر سے لپٹ کر بچوں ہی کی طرح سسکیاں لینے لگا۔

---- ضبط کے تمام بندھن کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ چکے تھے۔

---- روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی تھی' پھر آہستہ آہستہ جیسے اسے صبر آ گیا۔ اس کے اندر اٹھنے والے طوفان نے آنکھوں کے راستے نکاس کی راہ ڈھونڈ کر اسے بڑے لمبے کرب سے نجات دلا دی تھی۔ وہ پھانس جو فرزند سے ملاقات کے بعد سے اس کے گلے میں اٹک کر رہ گئی تھی' اب نکل چکی تھی۔ اسے اپنا وجود خاصا ہلکا محسوس ہونے لگا تھا۔

اس کے عقب میں سورج کی طلوع ہوتی کپکپاتی کرنوں نے ڈرتے ڈرتے پونچھ کے چٹانوں اور سبزہ زاروں کو بوسے دینے شروع کر دیئے تھے۔ شاید وہ ان سربلندوں کو اس دن [illegible] عقیدت پیش کر رہی تھیں جنہوں نے اپنا تن' من' دھن سبھی کچھ کشمیر کی آزادی [illegible]

شیرو اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے دونوں ہاتھ پھیلے' پھر دونوں [illegible] باری باری اس نے راہ آزادی کے شہیدوں کے لیے [illegible] جلالی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔

"خداوند ذوالجلال! ہم بے بس ہیں۔ بے سروسامان ہیں [illegible] ٹکرا گئے ہیں۔ ہماری اسی طرح مدد فرما جس طرح تو نے [illegible] والوں کی مدد کی تھی۔ الٰہی! ہمیں ہمت عطا کر کہ ہم [illegible]" اس نے جھک کر ماں کی قبر کو بوسہ دیا اور جس راستے سے آیا تھا [illegible] واپس ہو گیا۔

اب اس کی منزل سرینگر تھی ----!

☆○☆

۲۰ اپریل ۱۹۴۸ء کو حکومت پاکستان کو پاکستان آرمی کے کمانڈر انچیف جنرل گریسی کی طرف سے ایک باضابطہ رپورٹ موصول ہوئی ---- اس رپورٹ میں لکھا تھا:

"قبائلیوں کو پاکستان سے براہ راست مدد نہ ملنے کی وجہ سے بھارتی فوج نے مظفر آباد کے علاقے میں جو فتوحات حاصل کی ہیں وہ حکومت پاکستان کے لیے اس پہلو سے بھی خطرناک ہیں کہ اس طرح طیش کھا کر وہ پاکستان کے خلاف ہی نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ اگر حکومت پاکستان چاہتی ہے کہ وہ ۲۵ لاکھ کشمیری مہاجرین کے سیلاب سے خود کو محفوظ رکھے' بھارتی فوج کو اپنے پہلوؤں پر سامنے اور عقب میں نہ بیٹھنے دے' فوج کا مورال نہ گرنے پائے' تخریب کار سیاسی قوتوں کی حوصلہ افزائی نہ ہو تو پاکستان کے لیے لازم ہے کہ وہ بھارتی فوج کو اوڑی' پونچھ' نوشہرہ کی لائن سے آگے نہ بڑھنے دے۔

(بحوالہ: سیکورٹی کونسل ایس-پی-وی- ۸ فروری ۱۹۵۰ء)"

اس رپورٹ نے سیاسی ایوانوں میں کافی ہلچل مچا دی اور وہ لوگ جو اب تک اس کوشش میں تھے کہ پاکستانی فوج کا براہ راست تصادم بھارتی فوج سے نہ ہونے دیں' انہیں بھی اپنی سوچ بدلنے پر مجبور ہونا پڑا۔

---- حکومت پاکستان کی ہدایت پر کچھ فوجی دستے کشمیر کی طرف اس ہدایت سے روانہ کیے گئے تاکہ وہ آزاد کشمیر فوج کے عقب میں رہیں۔ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ براہ راست

بھارتی فوج سے ٹکرانے کا خطرہ ناگزیر حالات ہی میں مول لیں اور صرف دفاع ہی پر اکتفا کریں۔

اپریل کے آخر ہی میں کوہاٹ چھاؤنی میں موجود جنرل طارق کو حکم ملا کہ وہ راولپنڈی پہنچے جہاں سے مئی کے وسط میں ڈویژن کمانڈر نے ان کے بریگیڈ کا کچھ حصہ جنرل ہی کی کمان میں محاذ کی طرف بھیج دیا۔

بھارتی فوج کا مرکزی ہیڈکوارٹرز اب سری نگر بن چکا تھا اور ان کے ذیلی ہیڈکوارٹروں کی پوزیشنیں دیکھ کر جنرل طارق نے اندازہ لگایا تھا کہ دشمن کا بڑا حملہ بارہ مولا اوڑی روڈ کی طرف مظفر آباد کی سمت ان کے سیکٹر پر ہو گا۔

——دشمن کے ممکنہ حملے والی جگہ اوڑی کے سامنے سڑک کے دونوں اطراف جنرل طارق نے ایک بٹالین پاک فوج، کچھ دستے فرنٹیئر فورس کے، کچھ اسکاؤٹ جن کی تعداد بمشکل ایک سو تھی اور آزاد کشمیر کے کچھ دستے لگا دیئے۔ یہ باقاعدہ بٹالین نہیں تھی بلکہ رضاکارانہ طور پر جنگ میں حصہ لینے والے بلاتنخواہ فوجیوں پر مشتمل تھی جن کے پاس ہلکا اسلحہ اور رائفلیں تھیں۔

شمال کی طرف ٹیٹوال سے آگے کرشن گنگا وادی بھی اسی سیکٹر کا حصہ شمار ہوتی تھی جسے پہاڑی سلسلے نے کاٹ کر بالکل الگ کر رکھا تھا جہاں ایک کمپنی پاکستانی باقاعدہ افواج کی رکھی گئی تھی۔ اس سے کچھ پیچھے جنرل طارق کے بریگیڈ کی تین کمپنیاں مظفر آباد، کوہالہ اور باغ میں پوزیشن لیے بیٹھی تھیں جن سے صرف مقامی دفاع مقصود تھا۔ ان کے ایڈوانس کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

——بریگیڈ کی آدھی بٹالین مری میں، باقی پونچھ کے بالمقابل مورچہ بند تھی جس کی کمان جنرل کے پاس نہیں تھی اسے بریگیڈ ہیڈکوارٹرز مری میں رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔

جنرل طارق کی جہاندیدہ نگاہوں نے بخوبی اندازہ لگا لیا تھا کہ اوڑی کے بالمقابل ان کی نفری دشمن کا حملہ روکنے کے لیے بالکل ناکافی ہے۔ جنرل نے تجویز پیش کی کہ بجائے رک کر دشمن کا حملہ روکنے کے پیش قدمی کرتے ہوئے دشمن پر پہلوؤں سے گھاتیں لگائی جائیں۔ اس طرح وہ پریشان ہو کر سڑک سے ہٹ کر بکھر کر چلے گا۔ جنرل کی تجویز منظور ہو گئی اور ان کے فوجیوں نے تقریباً پچاس میل لمبی سڑک کو کوہالہ سے باغ کے علاقے تک مقامی لوگوں کی آمد و رفت کے قابل بنا دیا۔

[illegible] جنرل کو حکم ملا کہ بریگیڈ کی کمان کسی اور کے حوالے کر کے ٹیٹوال کے راستے

بلی باڑی علاقے کی طرف اٹل جتہ؛ جہاں جنرل کو پانچ ہزار تاجکیوں کے ساتھ سری نگر کی طرف سے آگے بڑھ کر شب خون مارنے تھے۔

——اس کارروائی کا مقصد یہی تھا کہ دشمن کی توجہ مظفر نگر سے ہٹا کر شمال کی طرف کر دی جائے۔ اس طرح اس کی نفری بٹ جائے گی اور حملے کی قوت میں بھی کمی آ جائے گی۔ تاجکیوں کو جمع کرنے میں کم از کم پندرہ دن لگتے۔ بس کے بعد ٹیٹوال سے آگے پہاڑوں میں چار دن کا سفر کرنا تھا۔ یہ تجویز تو اچھی تھی لیکن دیر سے عمل میں آئی تھی۔

۹ مئی کو جنرل نے رپورٹ دی کہ تاجکیوں کی آمد تک اٹنس اس "نازک محاذ" پر رہنے دیا جائے کیونکہ دشمن کسی بھی وقت حملہ کر سکتا ہے اور ایسا ہی ہوا۔ اس رپورٹ کی روانگی کے بمشکل ایک گھنٹہ بعد بھارتی فوج نے زبردست حملہ کر دیا۔ دشمن نے اپنے حملے کا زور دریائے جہلم کے دونوں پہلوؤں اور شمال میں ٹیٹوال کی سمت رکھا تھا۔ اس کے ساتھ ہی جنرل طارق کو یہ پریشان کن اطلاعات بھی ملنے لگیں کہ ہمارے ہراول دستے منظم انداز میں پسپائی اختیار کر رہے ہیں، لیکن بعض مقامات پر دشمن کو زبردست زک اٹھانی پڑی تھی۔ جہاں تک ٹیٹوال کے شمالی علاقے کا تعلق تھا، جنرل کے لیے وہاں کچھ بھی کرنا ممکن نہیں تھا۔ موجودہ کمپنی کو پیچھے ہٹ آنے کا حکم دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی سڑک کے کناروں والے محاذ کو مضبوط کرنے کے لیے جنرل نے مری میں موجود کمپنی کو اس طرف روانہ کر دیا۔ اسے امید تھی کہ اگر ان لوگوں کو پسپا بھی ہونا پڑا تو وہ چکوٹھی میں آ کر دفاعی پوزیشن اختیار کر لیں کے جہاں دشمن کو روکنے کا کام زیادہ آسانی سے ہو سکتا ہے۔

۲۰ مئی کی شام بٹالین کمانڈر کا پیغام ملا کہ اس کے دستے دشمن کی تباہ کن گولہ باری اور نشانچیوں کے حملوں کی زد میں ہیں اور وہ لوگ مسلسل پسپا ہو رہے ہیں۔ دشمن اوڑی اور چکوٹھی کے درمیان پہنچ چکا ہے۔

یہاں آزاد کشمیر کے دستوں پر حملہ ہوا اور وہ بھاگ اٹھے۔ اب ایک وسیع و عریض علاقے کی حفاظت کی ذمہ داری پاکستانی فوج کی مختصر سی جمعیت کے کندھوں پر آ پڑی تھی۔ جنرل نے بریگیڈ ہیڈکوارٹرز سے نکل کر محاذ پر پہنچنے کا فیصلہ کر لیا اور اسی شام وہ اپنے دو اسٹاف افسروں کی معیت میں مظفر آباد پہنچ گیا جہاں شہریوں کے بھاگتے ہوئے قافلوں کے پیچھے پیچھے فرنٹیئر سکاؤٹس کی دو پلاٹون بھی سر پر پاؤں رکھے بھاگے چلی آ رہی تھیں۔ جنرل نے ان لوگوں کو روک لیا تھا۔ وہ محاذ پر واپس جانے سے انکاری تھے۔ پٹھانوں نے رائفلوں کی زد میں ان سے اسلحہ رکھوا لیا۔ جنرل کے حکم پر ان کے دو افسروں کو حراست میں لے لیا

گیا۔ اس کے ساتھ ہی جنرل کے ساتھیوں نے ان کی اڈیوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ دونوں
افسروں کو جنرل کے حکم پر حراست میں لے کر مظفر آباد بھجوا دیا گیا۔ چکوٹھی پہنچ کر جنرل کو
اطمینان ہو گیا کیونکہ یہاں موجود پاک فوج کے بٹالین کمانڈر، افسروں اور جوانوں کا مورال
بہت بلند تھا اور وہ واقعی دشمن کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن چکے تھے۔
وہ کمپنی جسے جنرل نے دریا پار جانے کا حکم دیا تھا، اسی خدشے کے پیش نظر دریا کے
کنارے کھڑی رہی کہ دشمن دوسری طرف آ چکا ہے۔ جنرل کے ساتھیوں نے ریکی کر کے
اس خدشے کو غلط قرار دیا اور اس کی خصوصی نگرانی میں اس کمپنی کو دریا پار پہنچا کر مورچہ
بند کیا گیا۔ جنرل طارق خود بھی چکوٹھی پہنچا جسے اب دفاعی قلعے میں تبدیل کرنے کا پروگرام
طے پا چکا تھا ــــ اس کا بریگیڈ انٹیلی جنس آفیسر اس دوران آزاد کشمیر کے جی۔ایچ۔کیو
سے خاصی معلومات فراہم کر چکا تھا۔

☆○☆

اندراد و شمار نے جنرل کو آگاہی دی کہ اس علاقے میں موجود دشمن کی نفری ۳ پلٹنوں پر
مشتمل ہے جن کے پاس ۳ بھاری مشین گنیں، ۲۴ توپیں، ۳ ٹینک شکن توپیں اور ۹ بکتر بند
گاڑیاں ہیں جب کہ ان کی ایئر فورس اپنی تمام تر قوت کے ساتھ ان کے سروں پر موجود
ہے۔ اس فوج کو روکنے کے لیے جنرل طارق کے پاس اس علاقے میں ساڑھے تین پلٹنیں
اور صرف ۴ بھاری مشین گنیں تھیں۔
ان حالات میں مختصر جمعیت کے ساتھ دشمن کے منہ لگنا جوانوں کو حرام موت مارنے
کے مترادف ہوتا۔ اگر جنرل دفاعی پوزیشن بھی اختیار کرتا تو بھی غنیم اپنی طاقت کے بل پر ان
کی پوزیشنوں کو جلد یا بدیر روند کر آگے نکل جاتا۔ لہٰذا اس نے اپنی جنگی حکمت عملی بدلی اور
پلان یہ بنا کہ دشمن کے پہلوؤں کو پہاڑی کے اندر دور تک حملے کر کے اس طرح بکھیر دیا
جائے کہ اسے اپنی قوت ایک جگہ مرکوز کرنے کے مواقع میسر نہ آئیں۔
اور جنرل جانتا تھا کہ دشمن قبائلیوں کے
بھارتی فوج پر پٹھانوں کی دہشت طاری تھی
حملوں سے اپنی مین فورس کو بچانے کے لیے پہلوؤں کو پھیلا دے گا۔ ابھی تک زیادہ تعداد
میں قبائلی پٹھان جنرل کو میسر نہیں تھے، اس لیے اس نے پٹھانوں کا کام بھی پاکستانی فوج کے
جوانوں سے ہی لیا تھا۔
جنرل نے ایک پلاٹون کو دریا کے کنارے چکوٹھی پر رکھا اور دوسری کو دریا کے پار "جب
[illegible] بلند پہاڑی پر پہنچا دیا۔ اس کے ساتھ ہی قبائلیوں اور پاک فوج کے

جوانوں کے لیے [illegible] ترتیب [illegible] دشمن [illegible]
دیتے۔
اس سے یہ فائدہ تو کم از کم ضرور حاصل ہوا کہ دشمن [illegible] حملہ کرنے سے [illegible]
تھی، لیکن اس کی فائر پاور اور بے شمار نفری کا مقابلہ ممکن نہ تھا۔ دشمن نے [illegible]
آہستہ چکوٹھی اور جب اوڑی کی طرف پیچھے ہٹنے لگے۔
مئی کے آخر تک دشمن انہیں [illegible] [illegible]
کے سامنے تازہ حملے کے لیے پر تول رہا تھا۔ [illegible]
ــــ اسی اثناء میں چکوٹھی کے [illegible] پہاڑ [illegible] دشمن [illegible]
چلی گئیں اور وہ ان کے تعاقب میں تھے [illegible] پہاڑیوں پر [illegible]
صورت حال خاصی اطمینان بخش تھی۔ پھر اس نے [illegible] بعد [illegible]
لیے، لیکن ہر دفعہ منہ کی کھائی اور پیچھے ہٹ گیا۔
جب ڈوری پر جنرل نے اپنے دستوں کو کچھ اس طرح ترتیب دیا تھا کہ دشمن نے اس
طرف سے کھلا حملہ کرنے کی جرات ہی نہ کی۔
کافی عرصے تک ان کے درمیان آنکھ مچولی جاری رہی۔
ــــ اس دوران جنرل کے برق رفتار دستے دشمن پر قریب [illegible] رہے۔ انہوں نے
اسے مختلف پہلوؤں سے اس قدر نقصان پہنچایا کہ دشمن کا مرکز کمزور ہوتے ہوتے بالآخر بکھر
کر رہ گیا اور وہ ایڈوانس کرنے کے بجائے رک کر اپنی نفری کو ایک مرکز پر سمیٹنے لگا۔
شمالی محاذ پر دشمن نے نیوٹرل سیکٹر میں چار پلٹنوں کے ایک بریگیڈ سے پیش قدمی کی۔
اس علاقے کی کمان بریگیڈیئر افتخار احمد کو سونپی گئی تھی جو کافی عرصے تک صرف ایک رائفل
بردار کمپنی کے ساتھ دشمن کے لیے باعث عذاب بنے رہے۔
اس دوران جنرل طارق کے بریگیڈ کو مزید ایک پلٹن اور ۲ فیلڈ گنوں کی کمک پہنچ گئی۔
جون کے آخر تک دشمن اپنے قریباً بارہ سو جوان ہلاک اور زخمی کروا کر اپنے زخم چاٹنے پر
مجبور ہو چکا تھا۔
وی۔پی مینن اپنی کتاب Integration of Indian State میں لکھتا ہے:
"آٹھ صدیوں سے محمود غزنوی کے دور سے ہندوستان شمال مغرب کی سمت سے
مسلسل حملوں کی زد میں رہا ہے۔ اکیلے محمود غزنوی نے ۱۷ حملے کیے۔ اب مملکت پاکستان
کے وجود میں آنے کے محض دس ہفتے بعد ہم پر شمال مغرب سے قبائلی حملہ کروا دیا گیا۔

HBC

جب میں نے بھارت سے کشمیر کے الحاق کی سفارش کی تو میرے پیش نظر یہی خدشہ تھا کہ تاریخ کہیں خود کو دہرانے نہ لگے اور یہ طوفان ایک مرتبہ پھر سری نگر کو روندتا ہوا بھارت میں داخل ہو جائے۔ آج سری نگر تو کل دہلی کی باری بھی آ سکتی ہے۔ جو قوم اپنی تاریخ اور جغرافیہ بھول جائے، تباہی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔"

مینن نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ بنیاد تھے اس جنگی حکمت عملی کے جو بھارتی فوج نے کشمیر میں اپنائی۔ وہ لوگ قبائیلیوں سے اتنے خوفزدہ تھے کہ انہیں کشمیر ہی میں روک دینا چاہتے تھے تاکہ یہ سیلاب اپنا رخ بدل کر کہیں سارے بھارت ہی کو نہ نگل جائے۔

اوڑی محاذ سے آگے بھارتی فوج اپنی طاقت کے بل بوتے پر مزید آگے بڑھ سکتی تھی، لیکن وہ جانتی تھی کہ اس سے آگے کا علاقہ قبائیلیوں کی بہترین شکار گاہ تھا۔ وہ اب قبائیلیوں کی بھینٹ چڑھنے پر تیار نہ تھے۔

☆○☆

بھارتی افواج کے زوردار حملوں کا دم خم تو ٹوٹ چکا تھا، لیکن ابھی اوڑی کا محاذ خاموش نہیں ہوا تھا۔ وہاں جنگ مسلسل ہو رہی تھی۔ خصوصاً انڈین ایئرفورس کے جہازوں نے تو تباہی کا سماں پیدا کر رکھا تھا۔ وہ سورج کی روشنی پھیلتے ہی اپنے حملوں کا آغاز کر دیتے اور شام ہونے تک یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔

ایک روز جنرل طارق کو حکم ملا کہ آگے بڑھ کر پانڈو کی پہاڑی پر قبضہ کر لیں۔ "پانڈو" نو ہزار فٹ بلند ایک پہاڑی تھی جو اپنے دامن میں بسے گاؤں کے نام کی نسبت سے جانی جاتی تھی۔ جنرل کے زیر قبضہ بب ڈوری کی پہاڑی کے بالکل سامنے یہ سلسلہ بائیں کو نظر آتا تھا جس کے دائیں جانب تین ہزار فٹ نیچے دریائے جہلم بہہ رہا تھا اور دریا کے پار نظر آنے والی سڑک پہاڑوں کے مختلف پہلوؤں کو کاٹتی ہوئی گزرتی تھی۔ اس سے تھوڑا آگے آٹھ ہزار فٹ بلند ایک اور پہاڑی سلسلہ تھا۔

بب ڈوری کی بائیں طرف واقع "ٹانگا ٹیک" تقریباً دس ہزار فٹ بلند اور بب ڈوری کے بالکل اوپر جھکا ہوا نظر آتا تھا۔ اس سے آگے "رودی کوٹا" ساڑھے گیارہ ہزار فٹ بلند اور اس کے سامنے دس ہزار فٹ کی اونچائی پر "بلند سنگ" تھا۔ اس طرح دریا کے متوازی یہ سلسلہ بائیں کو پھیلا چلا گیا تھا جس کے دامن میں "پانڈو" واقع تھا۔

اسی پانڈو پہاڑی کی ایک ڈھلان پر دشمن کے پہاڑی توپ خانے کا ایک سیکشن دریا کے [illegible] پر مورچہ بند تھا جس نے پچھلے تقریباً ایک مہینے سے چکوٹھی اور اس کے

نیچے سڑک کی پانچ میل ریلی کو مسلسل اپنی زد میں لیا ہوا تھا۔ انہوں نے پانچ میل علاقے کے چپے چپے کو "ٹارگٹ" کیا ہوا تھا اور وہاں اس تواتر سے گولہ باری کر رہے تھے کہ اس جانب کسی پاکستانی جوان کے لیے سر اٹھانا بھی مشکل تھا۔

چونکہ یہ سیکشن بلندی پر مورچہ زن تھا اس لیے اس کی نظروں سے رات کے اندھیرے میں بھی بچ نکلنا مشکل تھا۔ ذرا سا شک ہونے پر وہ لوگ "روشنی راؤنڈ" فائر کر دیتے اور اس روشنی میں نقل و حرکت کرنے والی کسی بھی شے پر گولوں کا مینہ برسا دیتے تھے۔ اس سیکشن کو ختم کرنے کے لیے ان پر الگ حملہ کرنا بالکل ناممکن تھا نہ ہی ان پر پہلوؤں سے حملہ ہو سکتا تھا۔ صرف ایک ہی صورت تھی کہ کسی بھی طرح پانڈو پہاڑی پر قبضہ کیا جائے جس کے بعد ہی یہ سیکشن ہمارے قابو آ سکتا تھا۔

پانڈو پر قبضہ کرنے کے لیے "بب ڈوری" سے اڑھائی ہزار فٹ بلندی تک جانا پڑتا تھا جہاں سے دریا کا کنارہ شروع ہوتا تھا۔ اس علاقے میں جھاڑیاں اور درخت تو کمیاب تھے لیکن چٹانیں اور برساتی نالے بڑی اچھی اوٹ فراہم کرتے تھے۔ بب ڈوری کے سامنے والی سیدھی پہاڑی سے ذرا دور تین بلند چوٹیاں حملہ آوروں کا راستہ روکنے کے لیے سینہ تانے کھڑی تھیں جن کی بلندی چھ ہزار فٹ سے سات ہزار فٹ تک تھی اور یہ چوٹیاں درختوں سے بڑے شاندار طریقے سے قدرت نے "کیموفلاج" کر رکھی تھیں۔

بائیں طرف ایک چوٹی سے تقریباً ڈیڑھ دو میل لمبا ایک راستہ پانڈو تک جاتا تھا، لیکن یہ راستہ گھنے درختوں سے گھرا ہوا، انتہائی دشوار گزار اور جاں گسل عبور تھا۔ اس راستے سے ایڈوانس کرنا بے حد مشکل تھا کیونکہ دشمن نے اردگرد کے تمام دروں میں توپیں نصب کی ہوئی تھیں اور اس کی محفوظ اور مضبوط مورچہ بندیاں اس راستے کو لمبائی پر اپنے گھیرے میں لیے ہوئے تھیں۔

ان حالات میں تمام جنگی فوائد بھارتیوں کو حاصل تھے کیونکہ ان کی ہر پوزیشن پر صرف سامنے سے اور وہ بھی ان سے انتہائی کم بلندی سے حملہ کیا جا سکتا تھا جو موت سے کھیلنے کے مترادف تھا۔

یہ اس قدر مضبوط مورچہ تھا کہ ہماری فوج نے اسے خفیہ طور پر "دہلی" کا نام دے رکھا تھا۔ گویا پانڈو کی تسخیر دہلی کی فتح سے ہرگز کم نہ تھی جب کہ بھارتی فوج نے اپنی ان مورچہ بندیوں کو "کراچی" کا کوڈ نام دے رکھا تھا۔

دشمن کی نفری یہاں پاکستانی افواج کے مقابلے میں کم از کم سات گنا زیادہ تھی۔ جنرل

HBC

طارق نے اندازہ کر لیا تھا کہ فتح کا دارومدار کسی ایسی چال چلنے پر ہے کہ دشمن اپنی تمام فوج کو ان کے مقابلے میں اس جگہ نہ لا سکے۔ چنانچہ کافی سوچ بچار اور ریکی کے بعد جنرل نے بالآخر ایک ایسا مقام چن ہی لیا اور وہ تھا پانڈو کا گاؤں —— یہ گاؤں ایک طرح سے اس علاقے میں مورچہ بند فوج کے ہیڈکوارٹرز کی حیثیت رکھتا تھا۔

چکوٹی اور ب ڈوری میں جنرل نے ایسی پوزیشن میں اپنے جوانوں کو مورچہ بند کیا تھا کہ ان پر ایک ایک حملہ ہی ممکن تھا اور ایک بٹالین کے لیے کم از کم ایک بریگیڈ کو حملہ کرنا پڑتا۔ دو بریگیڈ سے کم اس علاقے میں جنرل کی اختیار کردہ پوزیشنوں پر حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس دوران جنرل نے انتہائی ہوشیاری اور جنگی مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے ایسی چالیں چلیں کہ دشمن کو بوکھلا کر رکھ دیا۔

اس نے پٹھانوں کی مدد سے دشمن کے پہلوؤں پر مسلسل نقب لگائے رکھی اور اسے مجبور کر دیا کہ وہ اپنی پوزیشنوں کو پھیلاتا چلا جائے۔ دشمن نے اپنی پھیلی ہوئی ہر پوزیشن پر کم از کم دو کمپنیاں لگا دی تھیں، جن کے درمیان فاصلہ تھا اور پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے وہ لوگ ایک دوسرے کی مدد کو بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔

☆○☆

پانڈو میں دشمن کی ایک بٹالین فوج تھی۔ جس پر حملہ کرنے کے لیے جنگی اصولوں کے مطابق کم از کم تین بٹالین فوج درکار تھی جب کہ جنرل کے پاس حملہ کرنے کے لیے بہ مشکل آدھی بٹالین تھی جسے بالآخر پٹھانوں اور کشمیری مجاہدین کی مدد سے ایک بٹالین تک پہنچا دیا گیا۔

——اور اس ایک بٹالین نے اپنے سامنے موجود سات ہزار فٹ بلند تہہ در تہہ پہاڑی سلسلے کو عبور کر کے پانڈو تک پہنچنا تھا جب کہ ان کے راستے میں دو بھارتی کمپنیاں، جن کی مدد کے لیے توپ خانے کی بیٹریاں موجود تھیں، مورچہ بند تھیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگر پاک فوج کا تصادم ان کمپنیوں سے ہو جاتا تو حملہ آور فوج کا کلی دم۔ یقیناً یہیں ختم ہو جاتا اور پانڈو پر حملہ کرنے کی قوت بمشکل ایک چوتھائی ہی رہ جاتی۔

جنرل طارق کی انتہائی کوشش یہی تھی کہ کوئی ایسا راستہ مل جائے جس سے گزر کر وہ راستے میں کوئی جھڑپ مول لیے بغیر پانڈو تک پہنچ جائیں۔

جنرل طارق نے چند قبائلی سرفروشوں کو "ریکی" کے لیے بھیجا اور بالآخر وہ لوگ ایک

ایسا راستہ ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئے جس سے گزر کر وہ پانڈو پہنچ سکتے تھے —— اس راستے سے ان لوگوں کو رات کی تاریکی میں دشمن کے مورچوں کے عین سامنے سے گزرتے ہوئے چھ ہزار فٹ بلند پہاڑی عبور کرنا تھی —— اس دوران وہ اتنا تھک جاتے کہ ان کے لیے فوراً حملہ کرنے سے پہلے تھوڑا آرام کرنا بے حد ضروری تھا۔

یہ آپریشن ۳۶ گھنٹوں پر محیط تھا اور ان لوگوں کو ایک رات اور اگلا سارا دن دشمن کے بالکل سامنے اور اس کے اگلے مورچوں کے عقب میں اس کی نظروں سے بہر صورت اوجھل رہنا تھا۔ ذرا سا شک گزرنے پر دشمن ان لوگوں کو بآسانی ان کے مرکز سے کاٹ کر بے بس اور محبوس پرندوں کی طرح گھیر کر مار سکتا تھا۔

ان تمام خطرات کے باوجود جنرل نے اسی پر گزرنے کا فیصلہ کر لیا —— دو چار تینوں کی مدد سے جنرل اپنا توپ خانہ ٹارگٹ کے بالکل سامنے لے آیا۔ ان لوگوں نے دریا کے آر پار لوہے کا مضبوط رسہ باندھ لیا جس کی مدد سے بیک وقت دو آدمی اور تین سو پاؤنڈ وزن لایا اور لے جایا سکتا تھا۔

پٹھانوں کے تین لشکر جن میں سے ہر ایک کی نفری سو پر مشتمل تھی، ترتیب دیے گئے۔ ان میں سے دو کے ذمے دشمن پر مسلسل حملے کرنا اور تیسرے کے ذمے بھاگتے دشمن کا تعاقب کرنا تھا۔

۱۷ جولائی ۱۹۴۸ء کو غازیان صف شکن اپنے سروں سے کفن باندھے دشمن پر یلغار کر رہے تھے۔

——اگلے روز عبداللہ کے سپاہی ندی عبور کر کے دشمن کے علاقے میں دور اندر تک گھس گئے۔ آسمان نے ان کی عظمتوں کو مرحبا کہا اور ان کی مدد کے لیے گھنگھور گھٹائیں برسنے لگیں جس سے ان کی آواز دشمن تک نہ پہنچ سکی۔ یہ بٹالین ایڈوانس کرتی ہوئی راستے میں بڑی کامیابی سے ٹیلی فون کے تار بچھاتی چلی جا رہی تھی۔

بریگیڈ ہیڈکوارٹر میں ان کا کمانڈر ان سے مسلسل رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ رات گئے بٹالین کوئی جھڑپ مول لیے بغیر دشمن کے اگلے مورچوں کے عقب میں ایک میل اندر ایڈوانس کر گئی۔ صبح ہونے لگی تھی۔ وہ لوگ منصوبے کے مطابق روپوش ہو گئے اور اب انہیں اگلی رات کا منتظر ہونا تھا۔

☆○☆

دشمن کا دھیان اپنی طرف مرکوز رکھنے کے لیے قبائلی پٹھان اور کشمیری مجاہدین اس کے پہلوؤں سے چند مسلسل کاری ضربیں لگا رہے تھے جب کہ جنرل نے اپنا توپ خانہ بالکل خاموش رکھا ہوا تھا تاکہ دشمن کو کسی بڑے حملے کا گمان نہ گزرے۔

اگلی رات پھر حملہ آور فوج کا مطمئن سفر جاری رہا' سوائے ایک واقعے کے ——— وہ یہ کہ ان کا ایک کشمیری مجاہد جو گائیڈ کے فرائض انجام دے رہا تھا' دشمن کی گشتی پارٹی کے ہتھے چڑھ گیا۔

دشمن اس جوان مرد کو اپنے ہیڈکوارٹرز میں لے گئے۔ اس پر انہوں نے جہاں بھر کے ستم توڑے کہ کسی طرح وہ یہاں موجود کسی "غیر معمولی کارروائی" کا اقرار کر لے' لیکن آفرین ہے اس مرد مجاہد پر کہ دشمن اس کے لب نہ کھلوا سکا۔ الا یہ کہ وہ مرتبہ شہادت سے سرفراز ہو گیا۔

یہ رات بھی بخیر و عافیت گزر گئی۔

حملہ آور بٹالین یہاں سے دو کالموں میں بٹ گئی۔ ان دونوں کالموں کو اب مزید پانچ ہزار فٹ بلند ایک پہاڑی سلسلہ عبور کرنا تھا ——— یہ پہاڑیاں نوکیلی تھیں جن کی چٹانیں عمودی اور راستہ ناہموار تھا۔ بارش نے جگہ جگہ پھسلن پیدا کر دی تھی اور جہاں اب پاؤں بمشکل زمین پر پڑتا تھا۔

بہرحال اگلے روز جنرل کو خوش خبری ملی کہ دائیں کالم نے پانڈو میں نو ہزار تین سو فٹ بلند ایک چوٹی پر قبضہ جما لیا ہے۔ یہ چوٹی پانڈو کے بالکل سر پر کھڑی تھی۔ دشمن کو جب خبر ہوئی تو اس نے عجلت میں حملہ کیا' لیکن اب میدان اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اس اثناء میں دوسرا کالم پانڈو سے قریباً پانچ سو گز دور پہنچ چکا تھا۔ اس کالم کو خلاف توقع بہت زیادہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ اچانک دشمن کی ایک پارٹی کی زد میں آ گیا' جو پیچھے جا رہی تھی۔

تاہم دشمن نے اس تھکی ہاری فوج پر جس کا رابطہ بھی ہیڈکوارٹرز سے کٹ چکا تھا' اچانک حملہ کر دیا۔ اگرچہ کشتوں اور کمانڈ [illegible] ختم ہو چکی تھی' لیکن ان سرفروشوں نے دشمن کا منہ پھیر دیا ——— ان کی کافی نفری شہید اور زخمی ہو چکی تھی۔ ان حالات میں بھی انہوں نے [illegible] اور اسکیم کے مطابق پانڈو پر حملہ کر دیا۔

[illegible] اب دیر ہو چکی تھی۔ دشمن کا توپ خانہ نئی پوزیشن لے چکا تھا۔ یہ جیالے [illegible] حملے [illegible] آخر حملہ سے گزر گئے اور بچے کھچے زخمی و خستہ حالت میں [illegible] نہ کی

طرح پسپائی اختیار کر کے اگلے روز صبح ہوتے [illegible] ——— ان کی واپسی سے چھاپہ مار [illegible] واپس اپنے مرکز کی طرف آ گئے۔ [illegible]

☆○☆

صورت حال انتہائی سنگین صورت اختیار کر چکی تھی [illegible] کر دشمن کے علاقے میں نو ہزار تین سو فٹ کی [illegible] دشمن کا توپ خانہ اور اس کی [illegible] پہنچانے کے راستے مسدود تھے کیونکہ جنرل طارق اور ان [illegible] لیکن آفرین ہے ان جیالوں پر' کیا مجال کہ ان کے پائے ثبات میں [illegible] ——— ان کی جواں ہمتی نے جنرل طارق کو مجبور [illegible] بالائے طاق رکھ کر ان کی مدد کو نکلے۔ ان تک پہنچنے [illegible] لیکن اسی رات جنرل نے اپنے تمام ریزرو دستوں کو [illegible] اپنے ترکش کا آخری تیر بھی چلا دیا۔

"رات آٹھ بجے کے بعد ایڈوانس شروع کرو اور اپنے [illegible] سے جا ملو۔ میں کل صبح پانڈو پر آخری اور فیصلہ کن [illegible] گولی ——— آخری جوان۔" اس نے اپنی فوجی زندگی کا آخری [illegible]

اس کے ساتھ ہی جنرل نے تینوں قبائلی لشکروں [illegible] اندر سے [illegible] کے ساتھ روانہ کر دیا [illegible] اور جذبے کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔

ان کے تابڑ توڑ حملوں نے دشمن کا مورال تباہ کر دیا [illegible] نے پہاڑی علاقے میں لڑائی کے [illegible] نے جہاں دشمن کا کوئی [illegible] دشمن کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔

وہ آندھی کی طرح حملہ آور ہوتے [illegible] کی تین کمپنیوں کا صفایا کر دیا [illegible] موجود بھاری مشین [illegible] ہو گئے۔

HBC

——اس دوران مددگار فوج چوٹی پر چیمپئن کالم سے جا ملی۔ یہ لڑائی کا پانچواں روز تھا۔ دشمن نے قبائلیوں کے شب خون کو ہی بڑا حملہ جان لیا اور انہیں پسپا کر کے قدرے مطمئن ہو گیا جب کہ قبائلی وہاں سے بھاگے نہیں، انہوں نے صرف "شکار گاہ" بدل لی تھی۔ وہ اب ٹکڑیوں میں بٹ کر دشمن کے پہلو چاٹنے لگے تھے۔

"دہلی (پانڈو) پر سنگینوں سے حملہ کر دو۔"

جنرل طارق کا نعرۂ مستانہ گونجا اور "اللہ اکبر" کے فلک شگاف نعرے بلند کرتے غازیان صف شکن دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

دشمن ابھی تک صورت حال کو سمجھ نہیں پایا تھا کہ اس پر "بڑا حملہ" آ گیا۔ اب تک جنرل نے اسے اس بری طرح الجھائے رکھا تھا کہ دشمن کچھ کرنے کی پوزیشن ہی اختیار نہ کر سکا تھا۔ اس کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا کہ وہ فی الوقت اپنی نفری کو سمیٹے اور مورچوں میں دبکا رہے۔ اس دوران رات ہو گئی۔ نو ہزار فٹ کی بلندی پر رات کو خاصی سردی تھی۔ جوانوں نے سردی کی شدت سے نجات حاصل کرنے کے لیے جگہ جگہ الاؤ روشن کر لیے کیونکہ وہ پانڈو کی بلندیوں پر ہر طرف پھیل گئے تھے۔ اس لیے بادی النظر میں یہی دکھائی دے رہا تھا کہ پانڈو ہر طرف سے گھیرے میں آ چکا ہے۔ دشمن گھبرا گیا۔ اس نے یہی سمجھا کہ پاکستان کی تازہ دم فوج یہاں موجود جوانوں کی مدد کو آ گئی ہے۔ صبح ہونے تک ان کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ رات بھر قبائلی چھاپہ مار الگ ان کی جان کو آئے رہے۔ انہوں نے ساری رات دشمن کو تگنی کا ناچ نچائے رکھا۔

علی الصبح پاکستانی فوج کے حملے سے پہلے ہی دشمن کے بھاری توپ خانے نے آگ اگلنا شروع کر دی، لیکن یہ داؤ بظاہر انہوں نے اپنی جان بچانے کے لیے کھیلا تھا۔ ان کی فوج اس بھاری بمباری کی آڑ میں دم دبا کر بھاگ اٹھی۔

جب جنرل طارق کے جیالے پانڈو پہنچے تو وہاں ایک بھی بھارتی فوجی موجود نہیں تھا۔ وہ لوگ قریبی جنگل کو محفوظ پناہ گاہ سمجھ کر اس طرف نکل گئے تھے، لیکن ان بوکھلائی ہوئی بھیڑوں پر قبائلی پٹھان چیتوں کی طرح جھپٹ پڑے۔ انہوں نے جنگل کو جانے والے راستوں کو پہلے ہی گھیر لیا تھا۔

جنگل بھگوڑوں کی شکار گاہ بن گیا جہاں ان کی کئی کمپنیاں قبائلیوں کے خنجروں کی بھینٹ چڑھ گئیں۔

☆O☆

قافلہ راستے کی صعوبتیں برداشت کرتا کسی نہ کسی طرح آزاد علاقے تک پہنچ رہا تھا۔ پونچھ سے مظفر آباد تک کا سفر جان لیوا ثابت ہوا تھا۔ کئی لوگ بیماریوں کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہے تھے۔ ابتدائی مرحلوں میں ان کے ہمراہ کئی مجروح مجاہد تھے جو پونچھ کی لڑائی میں زخمی ہوئے تھے۔ ان کے لیے مرہم پٹی کا بھی کوئی انتظام نہیں تھا۔ اول تو مجاہدین میں کوئی ڈاکٹر ہی نہیں تھا اور اگر کوئی میڈیکل کی شدبد رکھنے والا میسر بھی تھا تو اسے دوائیں دستیاب نہیں تھیں۔ زخموں کے لیے بھی دیسی علاج تجویز کیے جاتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ زخم بگڑنے لگے، بالآخر ان زخموں نے ان کی جان لے لی۔

اس کی نظر جب ان معصوم بچوں پر پڑی جن کے باپ اس جہاد میں شہید ہو چکے تھے اور جو اب ننگے پاؤں، رسیوں سے بنی ہوئی جوتیاں پہنے یا اپنے چیتھڑوں میں لپٹے سردی سے کپکپاتے ان کے ساتھ سفر کرتے ہوئے آ رہے تھے تو شدت غم سے اس کا کلیجہ پھٹنے لگتا۔

اس نے ان بد قسمت بیواؤں کو بھی دیکھا جو بمشکل چند ہفتوں یا محض چند مہینوں کے لیے سہاگنیں بنیں، جنہوں نے ابھی ازدواجی زندگی کا آغاز ہی کیا تھا کہ بیوہ ہو گئیں۔ وہ شریف زادیاں بھی اس کے ہمراہ تھیں جن کی ایک جھلک بھی کبھی کسی کو نظر نہ آئی تھی، لیکن وہ آج ننگے سر کھلے بالوں اور پھٹے گریبان کے ساتھ بین کرتی ہوئی ان کے ہمراہ چلی آ رہی تھیں۔

اس کی نظریں ان بدبخت کشمیر کی بیٹیوں پر بھی تھیں جو پناہ کی تلاش میں آئی تھیں، لیکن انسانوں کے بھیس میں موجود بھیڑیوں کے ہتھے چڑھ کر بازاروں کی زینت بن چکی تھیں۔

بڑے دلخراش نظارے کیے تھے اس نے۔

بڑے جگر پاش منظر دیکھے تھے اس کی آنکھوں نے۔

ان واقعات کا اس پر ایک ہی اثر ہوا کہ اس کا غم اب انفرادی سے اجتماعی ہو گیا۔ وہ سارے راستے اس آگ میں جلتا آیا تھا کہ اس دشمن سے کیسے ان تمام زیادتیوں کا انتقام لے جو ان کی بربادی کا باعث بنا تھا۔ اس کے سینے میں الاؤ دہک رہا تھا اور شاید وہ جانتا تھا کہ اس دہکتے الاؤ کو ٹھنڈا کر سکتا ہے تو دشمن کا بہتا ہوا خون—— صرف اس کا خون، ورنہ تو یہ آگ کسی روز اسے بھسم کر ڈالے گی۔

زہراں کی حالت بھی اس سے کچھ مختلف نہیں تھی۔ وہ تمام راستے شیروا اپنے باپ اور رشتے داروں کی موت کا ماتم کرتی آئی تھی ۔۔۔۔ کبھی کبھی قدرت کی ستم ظریفی پر حیران بھی رہ جاتی کہ آج وہ شرفو کی بیوی بن کر جا رہی ہے۔ اس نے قافلے میں شامل ہونے سے پہلے تک اپنے آپ کو کشمیر کی سب سے مظلوم لڑکی جانا تھا کہ جس کا پورا کنبہ آزادی کی بھینٹ چڑھ چکا تھا' لیکن جب اس کے ہمراہ آنے والی عورتوں کی کہانیاں اس کے علم میں آئیں تو اسے اپنے دکھ ان کے سامنے بالکل ہیچ نظر آنے لگے۔ وہ اس لحاظ سے ان مظلومین میں شاید خوش قسمت ترین لڑکی تھی کہ اپنے ساتھ وہ شرفو کی شکل میں مضبوط سہارا لے کر جا رہی تھی ۔۔۔۔ شاید قدرت کو اس کے بزرگوں کی قربانیوں پر رحم آگیا تھا کہ مالک نے شرفو کی شکل میں زہراں کو قدرے محفوظ مستقبل کی ضمانت بہم پہنچا دی تھی جب کہ اس کی ہمراہیوں کو تو یہ بھی علم نہیں تھا کہ ان کا کل کیا ہے؟

وہ سب بے چاریاں تو ایک دیوانگی کی سی کیفیت میں غم کے ہاتھوں بے حال' بے بس پتھر کے انسانوں کی طرح قدم بقدم گرتی پڑتی' ڈگمگاتی چلی جا رہی تھیں۔ انہیں اپنی منزل کا' اپنے راستے کا احساس تھا نہ علم۔ کون جانے ان الم نصیبوں میں سے کتنی ایسی تھیں جنہیں گھر دیکھنا بھی نصیب ہوا یا وہ صرف انسانی ہوس کی بھینٹ چڑھ کر بازار کا بکاؤ مال ہی بن کر رہ گئیں۔

☆◯☆

آزاد کشمیر افواج کے جی۔ایچ۔کیو میں شرفو کو کئی آشنا چہرے' مانوس نگاہیں نظر آئیں لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اب وہ مجاہدوں کے نہیں' سیاست دانوں کے نرغے میں گھر چکا ہے۔ وہ لوگ پونچھ میں تھے تو اپنی جانوں سے گزر جانے کو سعادت جانتے تھے' لیکن یہاں آئے تو سیاست کی بھینٹ چڑھ گئے۔ ان کی کمانڈ مجاہدوں سے چھن کر انگلی کو لہو لگا کر سورما کہلانے والوں کے ہاتھ میں آ گئی ۔۔۔۔ خون دینے والے گوشہ عزلت میں جا گرے اور دودھ پینے والے مجنوں اقتدار کی دیوی کے قدموں سے لپٹ گئے ۔۔۔۔ یہاں سب اپنی اپنی لڑائی لڑ رہے تھے۔

راشن کی لڑائی ۔۔۔۔!

عہدوں کی لڑائی ۔۔۔۔!

زمینوں اور جائداد کی لڑائی ۔۔۔۔!

ہوس اور اقتدار کی لڑائی ۔۔۔۔!

وہ خارش زدہ کتوں کی طرح ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچنے کے لیے بہت مضطرب تھے۔ اقتدار کے غلیظ نشے نے انہیں اندھا کر دیا تھا ۔۔۔۔ ان کی آنکھوں پر ہوس کی ایسی پٹی بندھی تھی کہ ساون کے اندھے کی طرح انہیں ہر طرف ہرا ہی ہرا دکھائی دیتا تھا۔ وہ ندیدے بچوں کی طرح چھینا جھپٹی کرنے لگے اور دشمن کی مراد بر آنے لگی۔

اس کی یہ خوش قسمتی تھی کہ اسے کم عمری میں ہی آزاد کشمیر فوج نے اس کے بزرگوں کی قربانیوں کے پیش نظر حوالدار کا عہدہ دے دیا اور بھرتی ہوتے ہی اسے محاذ کی طرف جانے کے احکامات مل گئے۔

۔۔۔۔ اسے یہاں سے رخصت ہوتے ہوئے کم از کم یہ اطمینان ضرور تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے' اپنے ہاتھوں سے' اپنی قوم کے لٹنے کا عبرتناک [illegible] نہیں دیکھے گا۔

محاذ پر روانہ ہونے سے پہلے وہ زہراں کے پاس آیا ۔۔۔۔ زہراں اور وہ دونوں اپنے گھر والوں کے ساتھ ہی قیام پذیر تھے۔ مکان میں داخل ہوتے ہی پہلا کمرہ اشرف کا تھا جب کہ آخری کمرے میں زہراں رہتی تھی۔ وہ دن میں ایک دو مرتبہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے آتے اور بہت کچھ کہنے کی خواہش رکھنے کے باوجود کچھ نہ کہہ پاتے۔ بس ایک دو روایتی سے جملوں کا ان کے درمیان تبادلہ ہوتا اور اچانک ہی زہراں کو کوئی کام یاد آ جاتا اور وہ "اچھا جی چلتی ہوں" کہہ کر اشرف خان کو سوچوں کے منجدھار میں اکیلا چھوڑ کر چلی جاتی۔

آج جب زہراں اس کے لیے ناشتہ لے کر آئی تو شرفو کے ذہن کی الجھنیں اس کے چہرے پر بھی نمایاں ہونے لگیں۔ زہراں اس کی بیوی تھی جس کا سارا کنبہ ماں ہی میں کٹ چکا تھا۔ لے دے کے بس وہی تو اس کا سہارا رہ گیا تھا اور اب وہی اس سے محاذ پر جانے کی کہنے والا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے اس عمل کو کس بات سے تشبیہ دے؟ بظاہر تو شرفو کو یوں لگ رہا تھا کہ وہ زہراں کو اپنے محاذ پر روانگی کی اطلاع دے کر اس کے ساتھ ہی نہیں' اپنے ساتھ بھی زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے' لیکن وہ اسے بے خبر بھی رکھنا نہیں چاہتا تھا۔

"زہراں" اس نے برتن رکھ کر لوٹتی زہراں کو مخاطب کیا۔ جانے اس کے لہجے میں کیا بات تھی یا پھر زہراں کی چھٹی حس تھی جس نے اسے پہلے ہی سے اگلی اطلاع دے دی تھی کہ وہ ٹھٹھرا کر رہ گئی۔

"جی" اس نے جیسے تھوک نگل کر ایک لمحے کے لیے شرفو کی آنکھوں میں جھانکا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا زہراں کہ میں تمہیں کیا کہوں؟ کل ساری رات میں اس الجھن کا شکار رہا کہ صبح میں اس خبر کے ساتھ تمہارا سامنا کیسے کر سکوں گا کہ میں محاذ پر جا رہا ہوں۔"

"کیا؟" زہراں اچانک گھبرا گئی' لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل چکی تھی۔

"ہاں زہراں۔ وہ عظیم مقصد جس کے لیے ہمارے آبا‌ؤ اجداد صدیوں سے قربانیاں دیتے آ رہے ہیں' جس کے لیے ہماری جان سے بڑھ کر پیاروں نے جانوں کے نذرانے پیش کیے ہیں' اس مقصد سے اگر میں پیچھے ہٹ گیا یا کسی ذمے داری یا بزدلی نے مجھے محاذ پر جانے سے منع رکھا تو روز قیامت ہم اللہ کے حضور تو جواب دہ ہوں گے ہی' اپنوں سے بھی آنکھیں نہیں ملا سکیں گے۔ مجھے تم سے صرف یہ کہنا ہے زہراں کہ اگر اپنے مقصد کے راستے میں مجھے موت آ جائے تو اس کا غم نہ کرنا' اس لیے کہ میری جان شیرو کی جان سے قیمتی ہرگز نہیں۔ پھر ہم دونوں نے اکٹھے جینے مرنے کے پیمان بھی تو کئی مرتبہ باندھے تھے۔"

وہ بات کرتے کرتے اچانک خاموش ہو گیا۔

اسے یوں لگا جیسے اس نے آخری فقرہ بول کر کوئی غلطی کی ہو۔ زہراں آخر ایک عورت تھی' ایک کمزور سی لڑکی جو اس دنیا میں بالکل تنہا رہ گئی تھی۔ اسے تو چاہیے تھا کہ وہ زہراں کو حوصلہ دیتا' اس کی ڈھارس بندھاتا۔ شاید اسی ارادے کو ذہن میں لیے اس نے بالکل ہی آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

——— اس کا یہ فعل قطعاً" غیر ارادی تھا لیکن زہراں کے رگ و پے میں ایک برقی رو سی دوڑنے لگی تھی۔ شرفو نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اسے قدرے بلند کر لیا۔

"مجھے معلوم ہے زہراں۔" اس نے لرزتی ہوئی آواز سے کہا۔ "کہ تمہیں یہ سب کچھ کہہ کر میں بہت دکھ دے رہا ہوں' لیکن ہم سب کے دکھ مشترک ہیں۔ ہمارا دکھ کشمیر کے دکھ سے بڑا نہیں۔ مجھے رخصت کرتے ہوئے دل میں کوئی ملال نہ لانا۔" اس سے آگے وہ ہزار کوشش کے باوجود ایک لفظ نہ کہہ سکا۔

زہراں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔ اسے وہ منظر یاد آ گیا جب ایک مرتبہ ندی کے کنارے اور پھر اس کی پناہ گاہ پر شیرو نے اسی طرح اس سے باتیں کی تھیں' پھر وہ چلا گیا تھا اسے ہمیشہ کے لیے اکیلا چھوڑ کر ——— کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔ کیا شرفو بھی ———؟ اس نے سوچا اور وہ اس تصور ہی سے لرز کر رہ گئی۔

"نہیں ——— نہیں۔" بے ساختہ اس کے ہونٹ وا ہو گئے۔ وہ کچھ کہنا چاہتا لیکن اس کا گلا رندھ گیا اور وہ سسکیاں تک نہ [illegible] گئی۔

"کشمیر کی بیٹیاں بہت حوصلے والی ہوتی ہیں زہراں۔" [illegible] ہوئے اسے مخاطب کیا اور زہراں کو یوں لگا جیسے [illegible] ہے۔ اس نے اٹکتے ہوئے اپنے دوپٹے سے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

"مجھے معاف کر دیجئے۔ میں جذباتی ہو گئی تھی۔ یقین کیجئے اگر [illegible] ہوئے آپ نے آزادی کے لیے اپنی جان کا نذرانہ [illegible] تو میں آپ کی موت پر فخر کروں گی اور ساری زندگی آپ کی یاد میں گزار دوں گی۔ خدا نہ کرے کبھی [illegible] کرتے ہوئے میں آپ کی کوئی کمزوری بن جاؤں۔"

اس کے لہجے کی اچانک تبدیلی نے شرفو کو حیران کر دیا تھا۔ "مجھے تم پر فخر ہے زہراں ——— مجھے تم پر ہمیشہ ناز رہے گا۔"

"فی امان اللہ!" زہراں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور واپس جانے کو مڑی۔

"خدا حافظ ———!" شرفو بڑبڑایا۔ اس کی نظریں زہراں کے چلے جانے کے کافی دیر بعد تک بھی دروازے پر جمی رہیں۔

☆○☆

شرفو ایک سیکشن کے ساتھ مینڈھر کی وادی میں مورچہ بند تھا۔ پچھلے دس پندرہ دنوں سے وہ لوگ مسلسل حالت جنگ میں تھے۔ ہر روز وہ اپنی پوزیشنوں سے نکلتے اور دشمن پر گھات لگا کر لوٹ آتے۔ انہیں چوبیس گھنٹے میں بمشکل چار گھنٹے سونا نصیب ہوتا تھا۔ ان پندرہ دنوں میں اس کے بے شمار ساتھی زخمی ہوئے اور کئی ایک نے اس کے ہاتھوں میں دم دیا۔

——— اس کی ہمیشہ یہی کوشش رہتی کہ وہ کوئی لاش دشمن کے علاقے میں نہ رہنے دے۔

اسے گھر سے نکلے تین ماہ ہونے کو آئے تھے۔ اس دوران زہراں کی خیریت معلوم کرنے کا واحد ذریعہ وہ رضاکار تھے جو مظفرآباد سے بھرتی ہو کر اس طرف آتے رہتے تھے۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی نوردل کے گھر والوں کا یا اس کا واقف نکل آتا جس سے وہ [illegible] کے گھر والوں کی خیریت معلوم کر لیتا۔

اس کے بٹالین کے جوانوں کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ انہیں کبھی آگے جانے اور کبھی پیچھے آنے کے احکامات ملتے رہتے تھے۔ اس نے تین مہینوں میں آزاد کشمیر کے جی۔ایچ۔کیو سے اپنی بہادری کا لوہا منوا لیا تھا اور اس کی کمان میں نکلنے والی پٹرول اور چھاپہ مار پارٹیاں جب لوٹ کر آتیں تو ہر کسی کی زبان پر شرفو کی بہادری کی کوئی نہ کوئی کہانی ہوتی تھی۔

اس کی اپنی بس ایک ہی خواہش تھی کہ کسی بھی طرح وہ حملہ کر کے پونچھ میں موجود مجاہدین کی مدد کو پہنچ جائے۔ وہ ان فضاؤں میں دوبارہ سانس لینا چاہتا تھا جو اس کے اندر رچی بسی تھیں۔ رہ رہ کر اس کے جی میں ایک ہی آرزو مچلتی تھی کہ وہ ان گلیوں میں' ان پہاڑوں پر' ان بلندیوں میں جی بھر کے بھاگے اور بھاگتا چلا جائے جہاں اس کا بچپن بکھرا ہوا تھا' جہاں اس کے شیرو کی یادیں پھیلی ہوئی تھیں اور جہاں اب دشمن اپنے خونی پنجے گاڑے بیٹھا تھا۔

مظفر آباد پر موسم گرما کے حملے سے مایوس ہو کر بھارتی افواج نے بھی اپنی جنگی حکمت عملی بدل لی' اب ان کی ساری توجہ پونچھ کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔

———جموں سے مغرب کی طرف جو کچی سڑک پاکستانی سرحد کے متوازی بمشکل چند میل کے فاصلے سے گزرتی تھی' وہاں سے بھارتی فوج کا ایک بریگیڈ ایڈوانس کرتا ہوا نوشہرہ کی طرف بڑھا تھا۔ مجاہدین اپنی نفری اور ناکافی اسلحے کے ہاتھوں مجبور ہو کر پسپا ہو گئے اور یہ بریگیڈ نوشہرہ پہنچ کر ریاستی فوج سے "ملاپ" کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

یہاں پہنچ کر بھارتی فوج نے میرپور پر جو منگلا ہیڈ ورکس کے نزدیک واقع ہے' قابض ہونے کی کوشش کی تھی۔ اس مقام سے جہلم نہر نکلتی ہے۔ اس کے اس حملے کو کشمیریوں' پٹھانوں اور پاکستانی رضاکاروں کے ملے جلے دستوں نے ناکام بنا دیا تھا۔ یہاں تاریخ حریت کا کبھی نہ بھولنے والا معرکہ لڑا گیا اور مجاہدین نے بھارتی فوج کو میرپور کے گرد و نواح میں رک جانے پر مجبور کر دیا۔

عین اس وقت شمال مغرب میں کچھ فاصلے پر واقع کوٹلی کے علاقے سے مجاہدین اٹھے اور انہوں نے کوٹلی پر قبضہ کر لیا۔

☆○☆

ان حالات سے فائدہ اٹھا کر اگست ۱۹۴۷ء سے اب تک مجاہدین نے پونچھ میں ریاستی [illegible] کو دبائے رکھا تھا' لیکن اردگرد کے علاقے سے پسپا ہونے والی فوج اور غیر

مسلم ہٹنے سے پونچھ شہر میں آ جانے کی وجہ سے وہ ابھی تک پونچھ پر قابض ہو چکے تھے ——— اب بھارتی فوج کے آ جانے کے بعد بھی مجاہدین نے اپنی پوزیشن [illegible] ہوا تھا۔ وہ اپنا گھیرا دشمن کے گرد اگرد روز بروز تنگ کر رہے تھے۔

یتی ۸ ۱۹۴۸ء میں اوڑی محاذ سے دشمن نے [illegible] لے لیا تھا لیکن یہاں منہ کی کھانی اور دشمن کے ہاتھوں سے نا مال ... بھی نکل گیا۔ اس فتح سے جنرل طارق نے فائدہ اٹھایا اور ... عمل بند کر دیا۔ اس طرح پونچھ سارے کشمیر سے کٹ کر رہ گیا۔

۱۳ اگست ۱۹۴۸ء کو جب اقوام متحدہ نے ... سے انکار کی وجہ صرف یہی تھی کہ ان حالات میں ... مسلم شہری اور فوجی پاکستانی اور کشمیری مجاہدین کے پاس ... مل پر ہم بھارت کو رائے شماری کے لیے مجبور کر سکتے تھے۔ ... بھارت سرکار کو بھی تھا' اسی لیے اس نے اپنی تمام صلاحیتیں پونچھ کے محاصرے کو توڑنے پر صرف کر دیں۔

وادی مینڈھر کی ایک حفاظتی چوکی میں موجود حوالدار اشرف خان تک روز بروز بھارتی فوج کی اطلاعات پہنچ رہی تھیں۔

۲۴ اگست کو دشمن کی طرف سے نوشہرہ سیکٹر میں تازہ مورچہ بندیوں کی خبر ملی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے نوشہرہ کے چاروں اطراف پھیلی مجاہدین کی پوزیشنوں کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ قریباً ایک ماہ مجاہدین اور دشمن کے درمیان آنکھ مچولی ہوتی رہی۔ اس ایک ماہ میں کئی جگہ دشمن کا اور کئی جگہ مجاہدین کا پلہ بھاری پڑا۔

۲۵ ستمبر ۱۹۴۸ء کو دشمن نے نوشہرہ سے راجوڑی کو کمک پہنچانی شروع کر دی۔ یہاں ۹ اکتوبر تک بڑی خون ریز جھڑپیں ہوئیں۔

۱۰ اکتوبر کو راجوڑی کے شمال مشرق میں بھارتیوں نے زبردست حملہ کیا۔ حملہ آوروں کی تعداد خاصی تھی' لیکن مجاہدین نے انہیں پسپا کر کے پیچھے ہٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ یہاں تین چار روز شدید لڑائی جاری رہی۔ ہر روز دشمن نئی تیاریوں کے ساتھ حملہ آور ہوتا اور منہ کی کھا کر پیچھے ہٹ جاتا۔ ان کی فضائیہ نے بڑھ چڑھ کر زمینی فوج کی مدد کی۔

۱۹ اکتوبر کو دشمن نے پورے بریگیڈ کے ساتھ راجوڑی پر حملہ کیا۔ اس روز نوشہرہ کے شمال مغرب میں پٹھانوں اور کشمیری مجاہدین نے دشمن کی کمک پر گھات لگا رکھی

زبردست نقصان پہنچا کر پیچھے ہٹ آئے۔

۲۶ اکتوبر کو پونچھ میں موجود گیریژن نے محاصرہ توڑنے کے لیے زبردست [illegible] شروع کر دیا۔

۲ نومبر تک دشمن کی سیکڑوں میں اپنے بکتر بند ڈویژنوں کی مدد سے ایڈوانس کرتا تھا۔

۴ نومبر کو راجوڑی چھاؤنی پر مجاہدین نے بند کر دی اور اس پر اس طرح [illegible] کھڑی کر دیں کہ دشمن کے لیے ایڈوانس کرنا مشکل ہو گیا۔

۵ نومبر کو راجوڑی کے شمال میں اور ۸ نومبر کو راجوڑی کے شمال مغرب میں مجاہدین نے اپنے سروں کی فصل کٹوا کر دشمن کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے۔

۹ نومبر کو دشمن اپنے ٹینک بھی میدان کارزار میں لے آیا۔ ۱۲ سے ۱۵ نومبر تک اس کے ٹینک رسالوں نے بڑھ چڑھ کر حملے کیے، لیکن اپنے کمترین وسائل کے ساتھ بھی پاکستانی فوج، کشمیری اور پٹھان مجاہدین نے ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا اور غنیم کو حتی الوسع آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔

۱۸ نومبر کو جموں میں دو تازہ دم بریگیڈ اور ایک توپ خانہ رجمنٹ آگئی جس کے بعد دشمن کے بڑے حملے کی قیاس آرائیاں ہونے لگیں۔ محصور فوج نے چلاس کی طرف پیش قدمی شروع کر دی، لیکن محاصرہ قائم رہا۔

☆○☆

۱۹ نومبر کی رات کو شرفو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دشمن کے حملے کا منتظر تھا۔

——ان لوگوں کو اطلاعات مل چکی تھیں کہ ریاستی پونچھ کے علاقے میں دشمن کے تین ڈویژن سرگرم عمل ہیں اور اس ساری فوج کی مرکزی کمان نوشہرہ میں رکھی گئی تھی۔ انہیں رات کو تیار رہنے کا حکم ملا تھا کیونکہ دشمن راجوڑی سے کوٹلی اور مینڈھر پر ایک زبردست حملہ کرنے والا تھا۔ مجاہدین نے راتوں رات دشمن کے علاقے میں "ریکی" کر کے اس کی بے پناہ جمع شدہ قوت کی نشاندہی کر دی تھی۔

اگلے ہی روز آزاد کشمیر کے فرسٹ بریگیڈ پر جس کے پاس رائفلیں یا چند مشین گنیں تھیں، دشمن نے زبردست حملہ کیا اور اسے دھکیلتا ہوا دریائے پونچھ کے کنارے مدار پور تک لے گیا لیکن فرسٹ بریگیڈ کے غضب ناک جوابی حملے نے اسے دوبارہ شہر میں محصور ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

[illegible] پونچھ سیکٹر کے کمانڈر بریگیڈیئر (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل) اعظم خان اپنے

ہیڈکوارٹرز کو دشمن کے ارادوں سے خبردار کرتے رہتے تھے [illegible] کی ضرورت کے مطابق [illegible] نہ ہو سکی۔

۲۰ نومبر کو حوالدار اشرف خان نے [illegible] نقل و حرکت نوٹ کی۔ اس نے دائیں طرف گھوم کر ساتھ [illegible] زبردست [illegible] اچانک زوردار دھماکے کی آواز نے اسے غیر ارادی طور پر [illegible] اس سے محض چند گز دور دشمن کی میڈیم گن کا گولہ [illegible] کے تالع جھک نہ جاتا تو اس کے پرخچے اڑ گئے ہوتے۔ چھروں کے [illegible] چہرے پر لگے۔ اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو وہ خون میں بھیگ گیا [illegible] زخمی تھے۔

——اس نے اپنی جیب سے رومال نکال کر منہ صاف کیا اور دوبارہ آنکھوں سے دوربین لگا لی۔

دشمن نے اچانک بڑی تیز گولہ باری شروع کر دی تھی۔ اس کے ساتھ ہی [illegible] کے طیارے چنگھاڑتے ہوئے نمودار ہوئے—— انہیں کمل کرانے کا کام کرنے کے لیے دشمن نے گولہ باری روک دی۔

بے بس مجاہدین دشمن کے طیاروں کو آگ برساتے دیکھتے رہے۔ ان کے پاس کوئی طیارہ شکن گن بھی نہیں تھی۔

شرفو نے جھک کر ٹیلی فون اٹھایا کہ پیچھے کمانڈر کو دشمن کی نقل و حرکت سے مطلع کرے، لیکن ٹیلی فون کے تار کٹ چکے تھے۔ اس کے سامنے والے مورچے میں متعین وائرلیس آپریٹر شہید ہو چکا تھا اور اس بات کے امکانات بہت کم رہ گئے تھے کہ اس کا سیٹ سلامت رہ گیا ہو۔ مورچے سے سر باہر نکالنا خودکشی کے مترادف تھا لیکن وہ یہاں بیٹھ کر تماشا بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ساتھیوں کے منع کرنے کے باوجود وہ رینگتا ہوا مورچے سے نکلا اور قیامت کی گولہ باری میں اس مورچے تک جا پہنچا۔

اس نے مورچے میں اتر کر وائرلیس سیٹ پر گرے شہید کو سیدھا کیا۔ شاید وہ شہادت سے پہلے اپنا آخری فرض ادا کرنا چاہتا تھا، لیکن موت نے مرحوم کو مہلت ہی نہیں دی تھی۔

شرفو نے جھک کر سیٹ کا جائزہ لیا اور اسے شدید دھچکا لگا کہ سیٹ بھی ناکارہ ہو چکا تھا۔ وہ پلٹا—— دشمن کے طیارے اپنا کام مکمل کر کے جا چکے تھے اور ایک مرتبہ پھر توپ خانہ حرکت میں آگیا تھا۔ اس پر دیوانگی طاری تھی۔ وہ چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو [illegible]

بڑھنے اور دشمن کی انفنٹری کا انتظار کرنے کا حکم دے رہا تھا اور خود گھسٹتا ہوا پیچھے جا رہا تھا کہ کمانڈر کو صحیح صورت حال بتا سکے۔ اس کے ماتھے سے خون بہہ بہہ کر اب آنکھوں میں گرنا شروع ہو گیا تھا اور شرفو کو بار بار آستین سے اپنی آنکھیں صاف کرنا پڑتی تھیں۔

لیکن ابھی اس نے بمشکل پہاڑی کا پہلا موڑ ہی کاٹا تھا جب اسے دشمن کی ایک سیکشن کے کچھ جوان بڑی چالاکی سے چھپ چھپ کر گولہ باری کی آڑ میں اپنی طرف بڑھتے دکھائی دیئے۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ دشمن کی نظر اس پر نہ پڑی ورنہ وہ بالکل اس کے نشانے پر تھا۔

دشمن کو دیکھتے ہی اس کی رگوں میں انگارے تڑپنے لگے۔

---- شرفو نے بے چینی سے نظریں گھما کر حالات کا جائزہ لیا۔ وہ کسی ایسی آڑ کی تلاش میں تھا جہاں سے دشمن کا یہ سیکشن اس کی زد میں آ سکے اور اپنی مطلوبہ جگہ نظر آتے ہی وہ بڑی پھرتی سے وہاں تک پہنچ گیا۔ اب وہ ایک چٹان کی آڑ میں اپنے پوچ سے دستی بم نکالے ایک خاص پوائنٹ پر سیکشن کی آمد کا منتظر تھا۔

اس نے دانتوں سے پن نکال دی کیونکہ دشمن بڑے منظم طریقے سے چلتا اس کے پھندے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شرفو کے دل کی دھڑکن غنیم کے قدموں سے بہت تیز تھی۔ زیادہ دو منٹ کے جان لیوا اور اعصاب شکن انتظار کے بعد گوہر مقصود اس کے ہاتھ آ گیا۔ گرنیڈ بد قسمت سیکشن کے عین درمیان پھٹا تھا۔ اس کے ساتھ ہی شرفو کی اسٹین گن کی لمبی سرخ زبان انہیں چاٹنے کو لپکی اور سیکشن پر قہر ٹوٹنے لگا۔ اس کا مقابلہ تربیت یافتہ فوج سے تھا۔ اسی لیے شاید ایک گولی اس کے بازو میں گھس گئی اور اس کا ہاتھ ناکارہ ہو گیا۔

شرفو گلے میں اسٹین گن لٹکائے اور اس کے سیلنگ میں ہاتھ اڑسے جب کمپنی کمانڈر تک پہنچا تو اس کے لیے سامنے دیکھنا ناممکن ہو چکا تھا۔ سر سے بے تحاشا خون بہہ کر اس کی آنکھوں میں گرنے لگا تھا۔ دو جوانوں نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔

”سر!“ اس نے ڈوبتی آواز میں اپنے سامنے کھڑے پاکستان آرمی کے میجر کو مخاطب کیا۔

”سر! ادھر دشمن......“

میجر نے منہ پرلی طرف پھیر لیا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اس کے کانوں میں کہیں دور سے آتی میجر کی آواز سنائی دی۔ ”بہت دیر ہو گئی میرے بیٹے۔ ہم لڑائی ہار گئے ہیں۔“

وہ ... شرف خاں دو جوانوں کے بازوؤں میں جھول گیا۔

”----- اسے میری جیپ میں پیچھے ہسپتال لے چلو۔“ میجر نے بھرائی ہوئی آواز میں اپنے جوانوں کو حکم دیا۔

☆○☆

اسی روز شام تک دشمن مینڈھر پر قبضہ کر چکا تھا۔ دو تین روز بعد ہی اس نے پونچھ کا محاصرہ توڑ ڈالا اور نوشہرہ اور پونچھ کو آپس میں ملا دیا۔ اس طرح اس لائن کے مشرق کا تمام علاقہ بھارت کے قبضہ میں چلا گیا۔ اگلے چار پانچ روز میں اٹھائیس ہزار سے زائد مہاجرین کے لٹے پٹے قافلے جہلم پہنچ گئے۔ ان کے پیچھے بھی مزید قافلے چلے آ رہے تھے۔

دشمن کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو گئی تھی اور اس نے پونچھ کا محاصرہ توڑ دیا تھا۔

دشمن نے یہ حملہ بے خبری میں نہیں کیا تھا۔ پاکستانی سی-آئی-ڈی کو اس سلسلے میں وہ تمام معلومات حاصل تھیں اور مقامی مجاہدوں کے کمانڈر لمحہ لمحہ کی اطلاعات روانہ کر رہے تھے۔ ----- کشمیری حریت پسند دشمن کے علاقے میں دور اندر تک جانیں ہتھیلی پر رکھ کر ریکی کرتے اور اس کی منصوبہ بندیوں کی خبر پہنچا رہے تھے۔ انٹیلی جنس کا بڑا مربوط جال ابتدا ہی میں بھارتی فوج کے خلاف بچھا دیا گیا تھا اور گو یہ سب کچھ عوامی سطح پر ہو رہا تھا لیکن جی-ایچ-کیو کو اس سے ہمیشہ باخبر رکھا گیا۔

مینڈھر کی تحصیل ہاتھ سے نکلی تو پاکستانی عوام نے شور مچا کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔ اخبارات نے حکومت کو لتاڑنا شروع کر دیا۔ عوامی جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لیے حکومت نے قبائلیوں، کشمیری حریت پسندوں اور پاکستان آرمی کی مختلف یونٹوں کو ملا کر پچیس ہزار کا لشکر ترتیب دیا----- اس لشکر میں پچاس توپیں بھی تھیں اور اس فورس کو آگے روانہ کر دیا، لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

اس فورس نے جموں سے پونچھ تک دشمن کی طویل رابطہ لائنوں کو درمیان سے توڑ ڈالا اور دشمن کی ایک بڑی نفری کو جو نوشہرہ میں تھی، درمیان سے کاٹ کر قریباً مفلوج کر دیا۔ ان کا نوشہرہ سے آگے قریباً ایک سو میل تک فلینک (پہلو) ہماری زد میں تھا جو قبائلی اور کشمیری حریت پسندوں کی بہترین شکار گاہ بن سکتا تھا، لیکن اس محاذ پر کچھ نہ کیا گیا۔

دسمبر کے اوائل میں پاکستانی توپ خانے سے پانچ ہزار گولے بھارتی علاقے میں پھینک کر پاکستان نے ایک مرتبہ تو دشمن کی نبضیں ساکت کر دیں۔ بھارتی بھاگنے کی تیاریاں کرنے لگے کیونکہ جنگی اصولوں کے مطابق اس زبردست گولہ باری کے بعد انفنٹری کا حملہ ہونا چاہیے تھا، لیکن مقام حیرت ہے کہ یہ حملہ نہ کیا گیا اور پانچ ہزار قیمتی گولے ضائع کر دیے

گئے۔ نہ صرف یہ کہ حملہ نہیں کیا گیا بلکہ چھاپہ ماروں کو بھی روک دیا گیا۔

۳۱ دسمبر ۱۹۴۸ء کی نصف شب کو ایک طویل لڑائی کا اختتام ہوا اور کشمیر کے تابوت میں پہلا کیل ٹھونک دیا گیا۔

جنگ بندی اب ہونی ہی تھی کیونکہ کوئی ایسا پہاڑی علاقہ یا محفوظ مقام اس وقت تک باقی نہیں رہ گیا تھا جس کی بھارت کو سری نگر، لداخ یا جموں کے تحفظ اور دفاع کے لیے ضرورت ہو۔ ——کٹھوعہ روڈ انگریز سرکار کی مہربانیوں سے پہلے ہی ان کے قبضے میں تھی اور اب جموں سے پونچھ اور سری نگر تک انہوں نے اپنی رابطہ لائن بڑی مضبوطی سے قائم کر لی تھی۔

دوسری طرف ہمارے ہاتھ کوئی بھی تاش کا ایسا پتہ نہیں رہ گیا تھا جسے دکھا کر ہم ہاری ہوئی بازی جیت جاتے۔ ہمارے پاس کوئی ایسا مضبوط نکتہ نہیں تھا کہ بھارت پر دباؤ ڈال کر ہم اسے رائے شماری کے لیے مجبور کر سکتے۔

قائداعظمؒ کی رحلت کے ساتھ ہی اصل میں مسئلہ کشمیر کو بھی موت آ گئی تھی۔ بابائے قوم نے حکم دیا تھا "انہیں گولیوں اور بموں کی زبان میں سمجھاؤ۔"

——وہ جب تک زندہ رہے، کشمیر کے متعلق فکرمند رہے اور جب یہ آخری چراغ بھی بجھ گیا اور ایوان اقتدار میں جوتیوں میں دال بٹنے لگی تو ارباب بست و کشاد اپنی گدیوں کے متعلق فکرمند ہوئے۔ انہوں نے قائد کی وفات کے بعد جتنا عرصہ بھی جنگ جاری رکھی، انتہائی بددلی سے۔ بالآخر اسے کسی منطقی نتیجے پر پہنچائے بغیر ختم کر دیا۔

شرفو کو لڑائی ختم ہونے کی اطلاع ہسپتال کے ایک کمرے میں ملی تھی۔ وہ تڑپ اٹھا، لیکن وہ اکیلا ہی کیا سارا کشمیر تڑپ اور سسک رہا تھا۔ سارا پاکستان اس سانحے سے لرز اٹھا، لیکن یہ آہ و زاریاں بھی حکمرانوں کے دل نہ پسیج سکیں۔ ان کی کراہیں اور چیخیں ایوان اقتدار کی دیواروں سے سر پٹخ کر اپنی موت آپ ہی مر گئیں۔

شرفو رو بصحت ہو کر واپس آ گیا۔ اس کا دل ٹوٹ چکا تھا، لیکن اسے زہراں کے لیے بہرحال ایک محفوظ مستقبل تلاش کرنا تھا۔ فوج میں رہتے ہوئے اس نے اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھا۔ نوروالی اپنے بچے کھچے ساتھیوں کے ساتھ انتہائی بددلی اور مایوسی کے عالم میں واپس گیا۔ جس روز زہراں دلہن بن کر شرفو کے گھر آئی، اس کے بمشکل تین ماہ بعد ہی اسے مبلغ خدمات اور مطلوبہ تعلیمی استعداد کے پیش نظر کمیشن مل گیا۔

اب وہ سیکنڈ لیفٹیننٹ اشرف خان بن چکا تھا۔

☆○☆

اقوام متحدہ میں "کشمیر ایشو" پر پاکستان نے اپنے موقف کو اس مدلل اور شاندار طریقے سے پیش کیا کہ بھارتی وفد کو لینے کے دینے پڑ گئے اور گوپالا سوامی آئینگر نے وہاں سے بھاگنے ہی میں عافیت جانی۔ اس نے اقوام متحدہ کو بتایا کہ اسے دہلی سے بلاوا موصول ہوا ہے کہ وہ حکومتی صلاح مشورے کے لیے واپس آ جائیں۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور اسٹیفورڈ کرپس کا رسوخ جو برطانوی وزیراعظم اٹیلی پر تھا کام کر گیا۔ برطانیہ انتہائی منافقت کی پالیسی اپناتے ہوئے بھارت کو تحفظ فراہم کرتا رہا اور پھر یہ مرحلہ بھی آ گیا کہ برطانوی مندوب فوئیل بیکر کو مسٹر اٹیلی کے غضب کا شکار ہو کر اپنے منصب سے مستعفی ہونا پڑا کیونکہ وہ اس معاملے میں پاکستان کو برحق جانتے اور رائے شماری پر زور دیتے تھے۔

اپریل ۱۹۴۸ء تک پاکستان کی اشک شوئی کے لیے برطانیہ اور امریکہ نے U.N.C.I.P. (United Commission on India & Pakistan) مقرر کر دیا۔ اس کو بعد میں "کشمیر کمیشن" کا نام دیا گیا۔

پاکستانی مندوب نے اس دوران حالات کا جائزہ لینے کے بعد وزیراعظم کو اس مضمون کا Cypher تار دے دیا تھا۔

"کشمیر کا فیصلہ نیویارک میں نہیں، کشمیر میں ہو گا۔"

کشمیر کمیشن کے ارکان پہلی مرتبہ جنیوا سے ۷ جولائی ۱۹۴۸ء کو کراچی آئے۔ یہ کمیشن امریکہ، کولمبیا، بلجیم، چیکوسلاواکیہ اور ارجنٹائن کے نمائندوں پر مشتمل تھا لیکن زیادہ تر کام چیکوسلاواکیہ کے نمائندے ڈاکٹر کوربل کو کرنا ہوتا تھا۔ وہ حالات اور بھارت کے رویے سے اتنے دل برداشتہ ہوئے کہ ۱۹۴۹ء کے آغاز میں مستعفی ہو گئے۔ ان کے الگ ہوتے ہی کمیشن نیم مردہ ہو گیا اور بالآخر اپنی موت مر گیا۔

انہوں نے علیحدگی کے وقت پاکستانی مندوب سے کہا تھا۔

All Yours Suspicions of Pandat Nehru Were More Than Fully Justified.

(پنڈت نہرو کے متعلق آپ کے تمام شبہات حق بجانب ہیں۔)

کشمیر کمیشن کی پہلی قراردادوں کی رو سے جنگ بند ہو گئی۔ ۱ جنوری ۱۹۴۹ء کو دو سرکاری

قرارداد پر عمل کرتے ہوئے کشمیر کمیشن موقع پر دونوں فریقین کے درمیان حد فاصل قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد کمیشن کو ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء کی قرارداد کے مطابق Truce Agreement یعنی فوجی انخلاء کے معاہدے کو ترتیب دینا تھا۔ دلی میں فریقین کے نمائندوں کو اس سلسلے میں طلب کیا گیا۔ انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے ہمراہ "منصوبہ انخلاء" بھی تیار کر کے لائیں۔

وقت مقررہ پر پاکستان نے اپنا منصوبہ پیش کر دیا' لیکن بھارتی وفد نے حسب روایت ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ عذر پیش کیا کہ ان کے کمانڈر انچیف اور وزیراعظم ابھی منصوبے پر نظر ڈالنے کے لیے وقت نہیں نکال سکے۔ قریباً" دس پندرہ روز بعد انہوں نے بالآخر اس شرط کے ساتھ منصوبہ پیش کیا کہ اسے امن کمیشن تو دیکھ لے' لیکن پاکستان کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔ یہ ان کی طرف سے پاکستان اور امن کمیشن کا تمسخر اڑانے کی پہلی کوشش نہیں تھی۔ فتح کے نشے نے بھارت کا دماغ خراب کر دیا تھا۔

فوجی انخلاء کے متعلق یہ طے پایا تھا کہ مجاہدین آزادی (جو قبائلیوں' کشمیریوں اور پاکستانی رضاکاروں پر مشتمل تھے) ریاست کی حدود سے فوراً" نکل جائیں۔ اس کے بعد پاکستانی فوج ساری کی ساری ریاست سے باہر چلی جائے' جب کہ بھارتی فوج کا Bulk کثیر حصہ ریاست سے نکل جائے۔

اس Bulk کی تشریح پر کمیشن اور بھارت سرکار میں ٹھن گئی۔ چنانچہ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ بھارتی منصوبے پر تو ہم بحث کرنے کے مجاز ہی نہیں کہ اس طرح بقول بھارت سرکار منصوبہ انخلاء التواء ہو جائے گا۔ ذاتی غور و خوض کے بعد کمیشن کے الفاظ تھے:

The Plan Neither Quantitatively Nor Qualitatively Complies With the Terms of the Resolution.

(کمیت اور کیفیت دونوں لحاظ سے منصوبہ قرارداد کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔)

اس مرحلے پر کمیشن بھارت کے سرد رویے کی وجہ سے اپنے تقرر کو فضول سمجھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

مجلس امن نے آسٹریلیا کے ایک جج سر اوون ڈکسن کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا کہ وہ دونوں فریقین سے گفت و شنید کے بعد اس معاملے کو خوش اسلوبی سے طے کر لیں۔ مسٹر اوون نے پنڈت نہرو سے ملاقات کی اور کہا کہ وہ کوئی علیحدہ حل اس مسئلے کا تجویز کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے پنڈت نہرو سے پوچھا اگر کوئی ایسا منصوبہ ہو تو کیا وہ اس پر پاکستانی وزیراعظم

کی موجودگی میں مذاکرات کریں گے؟ پنڈت نے ہاں کر دی۔

جب مسٹر اوون یہی تجویز لے کر پاکستان آئے تو پاکستانی وزیراعظم نے بخوشی رضامندی ظاہر کر دی اور وہ اپنی دانست میں "مکمل عمل منصوبہ" تیار کرنے بیٹھ گئے۔ احتیاطاً" انہوں نے پنڈت نہرو کو مطلع کرنا ضروری سمجھا کہ وہ اب اپنی تجویز تیار کر رہے ہیں۔ مسٹر اوون کو اپنے ٹیلی گرام کے جواب میں جو پیغام ملا اس پر وہ ششدر رہ گئے۔ پنڈت نہرو نے لکھا تھا:

"مجھے تمہارے تار کی سمجھ نہیں آئی۔ مجھے تمہاری کسی تجویز کا علم نہیں۔ میرے لیے یہ بالکل نیا معاملہ ہے۔ تم دلی آؤ تو اس پر گفت و شنید کرتے ہیں۔"

سر اوون کا واسطہ زندگی میں پہلی مرتبہ ایسے شخص سے پڑا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پنڈت جی کی دعوت پر دلی چلے گئے۔ دلی ہوائی اڈے پر سر گرجا شنکر باجپائی سے جب انہوں نے پنڈت نہرو کے اس ناقابل فہم رویے کا ذکر کیا تو انہوں نے کمال بے نیازی سے جواب دیا:

Sir Owen! I Concieve the Prime Minister Must Have Suffered an Attack of Temporary Amnesia.

(سر اوون! میرے خیال سے وزیراعظم پر نسیان کا عارضی لیکن شدید حملہ ہوا ہے۔)

"آپ انہیں کسی ہسپتال میں داخل کرائیں۔ ایسے ذمہ دارانہ عہدے پر ایسے بھلکڑ آدمی کا تقرر مناسب نہیں۔" سر اوون نے فی البدیہہ جواب دیا۔ گرجا شنکر تلملا کر رہ گیا اور سر اوون پنڈت نہرو کے رویے کے خلاف احتجاجاً" لوٹ آئے۔

اس کے بعد مجلس امن نے کینیڈا کے جنرل میکناٹن سے درخواست کی' لیکن ان کی بھی بھارت کے سامنے کوئی پیش نہ چلی۔

میکناٹن کے بعد ڈاکٹر فرینک گراہم کا تقرر ہوا۔ انہوں نے فوجی انخلاء کے لیے یکے بعد دیگرے چھ رپورٹیں پیش کیں۔ پاکستان نے ہر رپورٹ سے اتفاق کیا جبکہ بھارت نے ہر تجویز کا تمسخر اڑا کر اسے رد کر دیا۔

پاکستان نے یہاں تک کہا کہ اعتراض تو Bulk of Force پر ہے۔ بھارت جسے Bulk سمجھتا ہے۔ اسے نکال لے۔ جو حصہ اس کے خیال میں کم فوج پر مشتمل ہے' اسے رہنے دے لیکن بھارت نے یہ تجویز بھی نہ مانی۔

اس دوران بھارت سرکار نے کشمیری عوام کو اپنے حق میں پھسلانے کے لیے ہر حربہ آزما لیا۔ ان کے کچھ لیڈروں کو چکر بازی سے اور کچھ کو لالچ و تحریص سے خرید لیا گیا تھا۔ بالآخر کشمیر میں ایک نام نہاد مجلس آئین ساز کھڑی کر کے کشمیر اور بھارت کے مکمل الحاق کا اعلان کروا دیا گیا۔

بھارتی نمائندے کرشنا مینن نے موشگافی کی کہ ریاست کا الحاق تو روز اول ہی سے غیر مشروط اور مستقل ہے۔ اس میں اب کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں، چونکہ پاکستانی افواج آزاد کشمیر سے واپس نہیں گئیں، اس لیے بھارت بری الذمہ ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ حالات اب بدل چکے ہیں، لہٰذا بھارت سرکار "استصواب رائے" کی "قطعاً" پابند نہیں رہی۔

ان کی اس لن ترانی کا شافی جواب دیا گیا لیکن جب کوئی کسی کا حق غصب کرنے پر مصر ہو تو اس کا علاج تقریریں، تحریریں یا دلائل نہیں ہوا کرتے۔ ظالم صرف طاقت کی زبان سمجھتا ہے جو پاکستان نے ذرائع، نفری، حالات ہونے کے باوجود کسی ان دیکھے، ان جانے خوف کے تحت کبھی استعمال نہ کی اور آہستہ آہستہ مسئلہ کشمیر صرف کاغذات پر زندہ رہ گیا۔

شیخ عبداللہ جو خود کو سیاسیات کا چیمپئن کہا کرتا تھا اور جس کو قائداعظمؒ نے کہا تھا کہ وہ گاندھی اور نہرو کے چکر میں نہ آئے ورنہ ایک روز اسے پچھتانا پڑے گا، بالآخر معتوب ٹھہرا۔ اپنا مقاصد کے حصول کے فوراً بعد ہی نہرو نے جس کی دوستی پر شیخ عبداللہ فخر کیا کرتا تھا اور جو تمام بھارت بلکہ دنیا بھر میں شیخ عبداللہ کا سب سے بڑا حمایتی تھا، شیخ کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا—— اور کشمیر میں کٹھ پتلی سرکار قائم کر کے وہاں قابض ہو گیا۔

☆○☆

شیرد بڑی حیرت سے نووارد کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

—— آنے والے نے خفیہ کوڈ کے ذریعے اپنا تعارف کروانے کے بعد اسے اطلاع دی تھی: "ان کا ہیڈکوارٹر گھیرے میں لینے کے لیے فوجی ٹرک تھوڑی ہی دیر میں روانہ ہونے والے ہیں۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔" شیرد دھاڑا۔

آسیہ اس کی آواز سن کر ہی گھبرا کر باہر نکلی تھی۔ "کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

"کچھ نہیں۔ تم اندر چلو۔" شیرد نے اسے ہاتھ کے اشارے سے تسلی دی۔

"تم آؤ میرے ساتھ۔" اس نے نووارد کو مخاطب کیا۔

پچھلے سات سال سے وہ "صاعقہ" کے لیے سرگرم عمل تھا —— سات سال اس کی زندگی کے سات سنگ میل تھے اور زندگی کے ہر سنگ میل پر بڑے گہرے نقش چھوڑ گئے تھے اور حالات سے ہر لمحہ ٹوٹ پڑنے والی قیامتوں نے اسے مکمل کر دیا—— وہ سر سے پیر تک بدل گیا تھا اور اس نے بلاکم و کاست ساری داستان نبی خان کو سنا دی تھی۔ نبی خان نے بڑے دل و دماغ سے تمام جزئیات پر بحث کرنے کے بعد اس کے فیصلے کو رد نہیں کیا تھا۔

"شیرد اس سب کچھ کے باوجود بھی بہت سے راستے کھلے ہیں۔ تم اگر چاہو تو پاکستان کے کسی بھی بڑے شہر کے ہجوم میں کھو سکتے ہو اور اگر پاکستان نہیں جانا چاہتے تو بھارت کے کسی بڑے شہر کی طرف نکل سکتے ہو۔"

"یہ سب فرار کے راستے ہیں نبی خان!" شیرد نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کچھ بھی کہو، لیکن ایک بات سوچ لینا۔ وقت گزرنے کے بعد کبھی پچھتانے والوں کے لیے اس دنیا میں سوائے پچھتاوے کے اور کچھ نہیں رہ جاتا۔ شیرو! صبح کا بھولا صرف شام تک ہی گھر لوٹ سکتا ہے۔ اس کے بعد لوگ اسے بھلا دیتے ہیں۔ میں یہ کبھی نہیں چاہوں گا کہ تم کل اپنے کسی فیصلے پر پشیمانی کا اظہار کرو—— ہم موت کی شاہراہ کے مسافر ہیں۔ ہماری منزل بالآخر ایک باوقار موت پر ختم ہوتی ہے۔

—— یہ راستہ بہرحال پھولوں کا نہیں، صرف کانٹوں کا ہے اور انسان محبت میں مبتلا ہے تو اس جذبے سے کہ وہ کل کوئی لابھ حاصل کر سکے جب کہ یہاں ایسی کوئی بات نہیں۔

—— ہم تم سب ایک روز مر جائیں گے۔ خدا جانے ہماری زندگیوں میں کشمیر آزاد ہو گا بھی یا نہیں، یا ہم یہ لڑائی اپنے بچوں کو منتقل کر جائیں گے اور اگر کبھی ہمارے بچے کی ایسا ہو بھی گیا تو کون یاد رکھے گا کہ شیرد یا نبی خان کون تھے؟ ہماری کوئی پہچان نہیں۔ ہم کسی سیاسی پارٹی سے وابستہ نہیں۔ ہمارا تو صرف ایک مصرف ہے کہ ہماری لاشوں پر آنے والی نسلیں اپنے اقتدار کے ایوان سجائیں—— اب بھی وقت ہے شیرو! لوٹ جاؤ۔"

شیرد نے ایک لمحے کے لیے آنکھ بھر کر نبی خان کی طرف دیکھا۔ "نبی خان! کشمیر آزاد ہو گا یا ہم مر جائیں گے۔"

اس نے فیصلہ کن جواب دیا تھا—— اور پھر!

شیرد "صاعقہ" کا ہو کر رہ گیا۔

HBC

شیرو ڈکیت

نبی خان کو اس کی آسیہ سے ملاقات کا علم تھا۔ وہ شیرو کو بتائے بغیر ہی ایک روز وہاں چلا گیا۔ آسیہ کے بھائیوں نے شیرو کے چاچا کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور نبی خان دل میں ایک ارادہ کر کے وہاں سے واپس آیا تھا۔ اس کے بلند ہونے پر ہی شیرو آسیہ کے بھائیوں کو ملنے گیا تھا۔ جب اس کی آمد پر آسیہ کے بھائیوں نے گرم پانی سے اس کے پاؤں دھوئے تو کشمیری روایات کے مطابق انہوں نے اسے صرف عزت ہی نہیں دی تھی بلکہ اس سے ایک خاص نسبت طے کرنے پر بھی اپنی خواہشات کا اظہار کیا تھا۔

نبی خان نے جب اسے بتایا کہ آسیہ کے بھائی اسے رشتہ دینے کے لیے رضامند ہیں تو اس کا ردعمل بڑا عجیب تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس اطلاع پر مسرت کا اظہار کرے یا ان کی پیش کش کو ٹھکرا دے۔

”نبی خان“ اس نے جذبات سے قطعی عاری آواز میں اسے مخاطب کیا تھا۔ ”میں تمہیں اپنا راہنما ہی نہیں بلکہ بزرگ بھی تسلیم کرتا ہوں اور میرے متعلق تمہارے جو جذبات ہیں، میں ان سے بھی آگاہ ہوں لیکن ہم لوگ جس راستے کے مسافر ہیں وہاں کسی کو اپنا ہمراہی بنانا اس کے ساتھ زیادتی نہ ہو گی؟“

”شیرو!“ نبی خان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ”اگر تم مجھے اپنا بزرگ سمجھتے ہو تو میرا فیصلہ بغیر کسی بحث کے قبول کر لو۔ میں جو کچھ سوچوں گا تمہاری بھلائی کے لیے ہی سوچوں گا۔“

شیرو نے صرف چند لمحے اس کے چہرے پر نظریں جمائیں، جہاں اس کے لیے شفقت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

”ٹھیک ہے چاچا۔“ اس نے گردن جھکا لی۔

☆○☆

آسیہ پڑھی لکھی لڑکی تھی جس نے ایک خاص سیاسی ماحول میں آنکھ کھولی تھی۔ اس کی

تربیت ایک مخصوص نہج پر کی جا رہی تھی۔ اپنے والدین کی موت تک وہ کانگریسی خیالات رکھتی تھی' لیکن جو سلوک اس کے گھر والوں کے ساتھ کانگریسی ذہنیت نے کیا تھا' اس نے آسیہ کو یقین دلا دیا تھا کہ گاندھی یا شیخ عبداللہ لاکھ امن کے پرچارک بنیں' ہندو مسلم اتحاد زبانی کلامی تو ممکن ہے' لیکن عملی طور پر نہیں۔ مسلمان کتنا ہی غیر متعصب ہو' ہندو کے لیے کیسے ہی نیک جذبات رکھے' لیکن اس کی فطرت میں چھپی مسلم نفرت ہمیشہ ہندو پر غالب رہے گی۔ اس حادثے نے آسیہ کی دنیا ہی بدل ڈالی تھی۔ اسے گاندھی اور شیخ عبداللہ کے نظریات کھوکھلے' بے بنیاد اور ناقابل عمل دکھائی دینے لگے تھے۔

جس روز وہ شیرو کی دلہن بن کر آئی' بہت خوش تھی کہ زندگی میں اسے کم از کم وہ خاوند تو ملا جس کی اس نے خواہش کی تھی۔ شیرو کو نبی خان اور آسیہ کے بھائیوں نے فروٹ کا کاروبار بھی کروا دیا تھا۔ اس کے آبائی باغ پونچھ میں موجود تھے جو اس نے موقع ملتے ہی اونے پونے داموں ایک مقامی مسلمان کے ہاتھ فروخت کر کے اپنی کچھ پونجی بنا لی تھی۔

پہلے پہل تو اس نے آسیہ کو اپنی "نجی مصروفیات" کی خبر نہ ہونے دی' لیکن بہرحال وہ اس کی بیوی تھی اور شیرو نے اس کے اندر چھپی مسلمان اور کشمیری عورت کو بھی دیکھ لیا تھا۔ اس سے پہلے تو وہ اپنے اکثر غائب ہو جانے کو "کاروباری مصروفیات" کا بہانہ بنا لیا کرتا تھا' لیکن ایک روز اسے آسیہ کو اعتماد میں لینا پڑا۔

آسیہ نے بڑے ٹھنڈے دل و دماغ سے اس کی باتیں سنیں اور اس کے ردعمل سے تو شیرو بھونچکا رہ گیا۔ آسیہ نے اسے بتایا کہ جو بات وہ اسے آج بتا رہا ہے' اس کا علم اسے پچھلے ڈیڑھ سال سے ہے۔ اس نے شیرو کو بتایا کہ اس کی غیر معمولی حرکات پر وہ تجسس صرف اسی لیے نہیں ظاہر کرتی تھی کہ مبادا کبھی شیرو شکوک و شبہات کا شکار ہو کر اپنے عظیم مشن کو سلیقے سے نبھا نہ سکے۔

"میں خود کو آج سے پہلے تو اس لیے خوش قسمت جانتی تھی کہ میں ایک مجاہد کی بیوی بن کر اس کی خدمت کی سعادت حاصل کر رہی ہوں۔" آسیہ نے کہا۔ "لیکن آج میری خوشی کا ٹھکانہ ہی نہیں' آپ نے مجھے اس قابل جانا کہ مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی اصلیت بتا دی۔"

"تم ہی نہیں' کشمیر بھی تم پر ہمیشہ فخر کرے گا آسیہ۔" شیرو نے بڑے جذباتی لہجے میں

شادی کے تیسرے سال اللہ نے انہیں ایک بیٹی دے دی تھی۔ عائشہ کی آمد نے بھی

شیرو کے معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔

"—— ساتھ" کی سرگرمیاں اگرچہ سخت ترین فوجی اقدامات اور خصوصاً پولیس ٹڈی دل کی وجہ سے کچھ محدود ہو کر رہ گئی تھیں' لیکن سرگرمیوں ان لوگوں نے ہاتھ پر ہاتھ دھر بیٹھنا گوارہ نہ کیا۔ آئے دن وہ کوئی نہ کوئی ہنگامہ۔ ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھے رہنے [illegible] نبی خان کی کمر توڑ دی تھی لیکن اس نے تو پیچھے [illegible] سلیمانی [illegible] شیرو دیکھ رہا تھا کہ کل کے دشمن آج کے دوست اور کل کے دوست آج کے دشمن بنتے جا رہے ہیں۔ بنیا ذہنیت نے مسلمانوں کی کمزوریاں ڈھونڈ کر ان سے فائدہ اٹھایا تھا۔ جو کانگریسی خیالات کے حامل لیڈروں کا جانشین تھا اور عہدوں سے نوازا جا رہا تھا۔ ان کے کنبے' خاندان لکھ پتی بنتے جا رہے تھے۔ پاکستان نواز مہاسرکی [illegible] تھی اور شیرو کے اکثر ساتھی بددل ہو کر پاکستان ہجرت کر گئے تھے۔ ان کی تنظیم کے دو تین مرکز بھی اپنوں کی غداری کی بھینٹ چڑھ گئے تھے۔

لیکن آج کی صورت حال نے تو واقعی اسے بوکھلا دیا تھا۔ ان کا ایک ساتھی جو خفیہ پولیس کے ہیڈکوارٹرز میں ملازم تھا' خبر لایا تھا کہ چمن زیب نے جو ان کا سب سے قابل اعتماد ساتھی تھا' لالچ میں آ کر ان کا ٹھکانہ بتا دیا ہے اور تھوڑی ہی دیر بعد پولیس اور فوج ان کی سرکوبی کے لیے یہاں پہنچنے والی ہے۔

☆○☆

نووارد کو ساتھ لیے وہ دوسرے کمرے میں پہنچا جہاں نبی خان اور اس کے ساتھی صلاح مشورہ کر رہے تھے۔ ان پر چمن زیب کی غداری کی خبر بجلی بن کر گری۔

"اپنا اسلحہ سنبھالو اور یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو۔"

—— نبی خان نے سنبھلتے ہوئے حکم دیا۔ پھر وہ شیرو سے مخاطب ہوا۔ "شیرو! میرے بیٹے۔ آج میری آخری بات مان لو۔ آسیہ اور اپنی بچی کے ساتھ پاکستان چلے جاؤ۔ یہ ظلمت کی سیاہ رات ڈھلتی دکھائی نہیں دیتی۔ میرے بچے! ہمارا مقابلہ دشمن سے نہیں' اپنوں سے ہے اور ہمارا جوابی وار بھی اپنے اوپر ہی ہوتا ہے۔ ممکن ہے کبھی تقدیر کو ہم پر رحم آ جائے اور وہ ہمیں کم از کم اپنوں کے عتاب سے بچ نکلنے کی مہلت نصیب کر دے۔"

"بابا!" شیرو کا گلا رندھ گیا۔ "بابا کشمیر کا آخری حصار بھی ٹوٹ جائے گا۔" وہ تڑپ کر رو پڑا۔

"یہ خدائی فیصلہ ہے میرے بچے۔ اسے تمہیں [illegible] ہو گا [illegible] اعمال نے [illegible]

HBC

دن دکھانے ہی تھے۔ یہ لو اسٹین گن۔" اس نے ایک گن شیرو کی طرف بڑھائی اور دوسرے کمرے میں موجود آسیہ کو بازو سے پکڑ کر باہر لے آیا۔ ننھی عائشہ آنے والی قیامت سے بے خبر اپنی ماں کے سینے سے چمٹی گہری نیند سو رہی تھی۔

"آسیہ میری بچی!" نبی خان نے جھک کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ "اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ وہ سامنے والے راستے کی طرف سے نکل کر گاؤں کے باہر والے مندر تک پہنچو۔ ہم تمہارے پیچھے آتے ہیں۔"

نبی خان نے آسیہ کو خفیہ راستے کی طرف روانہ ہونے کی ہدایت کی۔

——شیرو نے بے اختیار آگے بڑھ کر سوئی ہوئی عائشہ کا منہ چوم لیا۔ "اللہ کے حوالے آسیہ۔ فی امان اللہ!!" اس میں آسیہ سے نظریں ملانے کی ہمت ہی نہیں رہی تھی۔

"خدا حافظ——!" آسیہ کا گلا رندھ گیا۔

اس نے بچی کو چادر میں اچھی طرح لپیٹ کر اپنے سینے سے چمٹا لیا اور اس راستے پر گامزن ہو گئی جو کسی ہنگامی ضرورت کے وقت اسے اختیار کرنا تھا۔

نبی خان نے آنکھوں سے لگی دوربین سے وہ ٹرک دیکھ لیے تھے جنہوں نے گاؤں کو گھیرے میں لینا شروع کر دیا تھا۔

"ادھر آؤ شیرو۔ ہم دوسری طرف سے نکلیں گے۔"

——اس نے آسیہ کی مخالف سمت میں بڑھتے ہوئے شیرو سے کہا۔

دونوں ایک دوسرے کے تعاقب میں اپنی اپنی گنیں سنبھالے چل رہے تھے، لیکن دونوں یہ بات بھول چکے تھے کہ چمن زیب نے سب سے پہلے دشمن کو فرار کے خفیہ راستے ہی سے آگہی دی ہو گی۔

اور دونوں بمشکل چند گز آگے بڑھے تھے جب ہوائی فائرنگ نے ان کے قدم تھام لیے۔

نبی خان نے ایک آڑ میں رکتے ہوئے دوبارہ دوربین آنکھوں سے لگائی تو جیسے اس کا وجود پتھر ہو گیا۔ وہ منظر ہی کچھ ایسا تھا۔ آسیہ کے فرار والے راستے کے عین سامنے سے اچانک نمودار ہونے والے فوجیوں نے اسے للکارنے یا "ہالٹ" کہنے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کی تھی۔

بیک وقت تین چار گنوں کی سرخ زبانیں اس طرف لپکیں اور آسیہ کا جسم خون میں [illegible] تھا۔

[illegible] غرق ہو رہا تھا۔

نبی خان نے کشمیر کی بیٹی کو لہو کا غسل لیتے ہوئے تو بار بار گرتے دیکھا۔ اس کی معصوم بچی عائشہ کو ماں کی گود میں آواز نکالنے کی مہلت بھی شاید نصیب نہیں ہوئی تھی جب فرشتہ اجل نے اسے آ لیا۔ آسیہ لڑکھڑا کر پہلو کے بل گرنی تھی۔ اس کی گرفت اپنی بچی کے گرد اتنی سخت تھی کہ وہ آخر دم تک اس سے جدا نہ ہوئی۔

ماں بیٹی کا خون ایک دوسرے کے خون میں مل کر ایک ہو گیا تھا۔

——ننھی عائشہ ابھی تک اپنی ماں کے پہلو سے نتھی ہوئی تھی۔ ان کے جسموں سے بہنے والا لہو اب نبی خان کی آنکھوں میں اتر آیا تھا۔ اس کے دانت ایک دوسرے سے اس طرح سختی سے جڑے ہوئے تھے کہ اس کے جبڑوں کی ہڈیاں باہر نکلتی محسوس ہو رہی تھیں۔ حملہ آوروں نے رک کر ماں بیٹی کی موت کی تصدیق بھی نہیں کی تھی۔ وہ دوڑتے ہوئے اس پہاڑی کی طرف آ رہے تھے جہاں "صاعقہ" کے جانبازوں کی موجودگی نے ان کے تن بدن میں آگ لگائی ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے چاچا——؟ کیا ہوا؟ مجھے دکھاؤ۔" شیرو نے جب ٹکٹکی باندھے نبی خان کو اس سمت نظریں جمائے دیکھا تو اس سے رہا نہ گیا۔

——اس نے نبی خان کے ہاتھ کو ذرا سا جھٹکا دے کر دوربین اس کی آنکھوں سے ہٹا لی تھی اور—— پھر دوربین شیرو کی بے چین آنکھوں پر تھم گئی۔ اس میں سامنے کا منظر دیکھنے کی تاب نہ رہی تھی۔

——بمشکل چند لمحے ہی دوربین اس کی آنکھوں پر رہی تھی، جب اسے اپنا وجود مٹی ہوتا محسوس ہوا۔ اسے یوں گمان گزرنے لگا جیسے وہ آہستہ آہستہ قسطوں میں مر رہا ہو—— دوربین اس کے ہاتھوں سے نکل کر زمین پر گر پڑی اور وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح خود بھی وہیں ڈھیر ہو گیا۔

——اس کا بدن سرسام کے مریض کی طرح جھٹکوں سے کپکپا رہا تھا۔ اس کے سامنے کا منظر دھندلانے لگا تھا اور اس کی بیوی اور بچی کے مقدس اور معصوم خون کی چادر اس کی آنکھوں کے سامنے تن گئی تھی—— اسے اردگرد کے مناظر اور اپنے گردا گرد کھڑے ساتھی اسی لہو میں ڈوبے، غرق ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔

اس کی آنکھوں سے ٹپکتا لہو انگارے بن کر اس کے گالوں پر بہنے لگا، پھر جیسے اس کے لہو کا خمیر بدلنے لگا۔ اچانک ہی اسے یوں لگا جیسے کسی نے طاقتور انجکشن کے ذریعے اس کے لہو میں آگ بھر دی ہے۔ اس کے بدن میں انگارے تڑپنے لگے اور روئیں جو اپنے بدن سے

نکلتی محسوس ہو رہی تھی، آہستہ آہستہ واپس آنے لگی۔ کسی ان دیکھی طاقت نے اسے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔

"میں انتقام لوں گا۔" وہ بڑبڑایا۔ "انتقام —— انتقام!"

اس نے گردن موڑی تو نبی خان کی انگارہ آنکھوں سے خارج ہوتی ہوئی برقی لہر اسے اپنے جسم میں دھنستی محسوس ہو رہی تھیں۔ بوڑھے نبی خان کی انگلیاں اس کے بازو کے گوشت میں اترنے کے بعد ہڈی کے گرد اپنا شکنجہ تنگ کر رہی تھیں۔

"شیرو!" نبی خان کی آواز کا تیر تھا کہ شیرو اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گیا۔ اس نے جواب دینے کے بجائے صرف سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے ہی پر اکتفا کیا۔ "تو نے "معاہدہ" میں شمولیت کے وقت ایک حلف دیا تھا مجھے۔" نبی خان غرایا۔

"ہاں چاچا۔" شیرو کو بولنے کے لیے بڑا زور صرف کرنا پڑا۔

"میرے بیٹے! تو نے کبھی میری اطاعت سے منہ نہیں موڑا اور آج بھی میرا یہ آخری حکم تجھے ماننا ہو گا۔ جس طرح بھی ممکن ہو، چن زیب کو جان سے مار ڈالنا، پھر پاکستان پہنچ جانا۔ میں دشمن سے تمہاری بیوی اور بچی کا انتقام لوں گا اور تم سارے کشمیر کے بے گناہوں کے خون کا انتقام لینے کے لیے تیاری کے ساتھ واپس آنا۔ شیرو! اگر تو ہمارے پیچھے آیا! یہاں سے فوراً نہ نکل گیا تو صف توڑنے پر میں روز قیامت تیرے گریبان پر ہاتھ ڈالوں گا۔ جا میرے بیٹے! نکل جا یہاں سے۔ تیرے سوا اور کوئی مجھے ایسا نظر نہیں آتا کہ جو میرے مشن کو جاری رکھ سکے۔"

شیرو کی حالت اس بپھرے اور تلملائے ہوئے شیر کی سی تھی جس کے سامنے سے اس کا شکار اچانک ہٹا لیا جائے۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ کچھ کر گزرے۔

—— چاچا نبی خان نے قرآن مجید پر اٹھایا ہوا حلف یاد دلا کر اس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے تھے۔

وہ یہاں سے زندہ واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ آسیہ اور اپنی بچی کی طرح ان لوگوں کی طرح جو اس کے سامنے مرنے جا رہے تھے، دشمن سے لڑتا ہوا مر جائے، لیکن نبی خان اس کے اور موت کے درمیان دیوار بن کر کھڑا ہو گیا تھا اور اپنا خنجر نکال کر اسے تھما دیا تھا۔

"شیرو! چن زیب کو اس خنجر سے قتل کرنا۔ اس کی موت جتنی اذیت ناک ہو گی، اتنا ہی ادھر آزاد کشمیر ... مرحوموں کی روحوں کو اتنا ہی سکون ملے گا۔ جاؤ —— جاؤ! خدا تمہارا نگہبان ہو۔"

اشاروں کو ہمارا سلام پہنچا دینا۔ وہاں کے لوگوں کو بتا دینا کہ ابھی اچھے سرپھرے ... زندہ ہیں جنھوں نے کشمیر کو بھلایا نہیں —— کشمیر کی قسمت انشاء اللہ ... کے مجاہدوں کے ... نہیں، سری نگر کی پہاڑیوں میں ہو گا۔ ہم اپنے خون سے آزادی ... ہماری تاریخ بنے گا —— وہی ہمارا فیصلہ ہو گا۔ تو ساتھیو ...

نبی خان نے ساکت کھڑے شیرو کے ایک ہاتھ میں خنجر تھما کر دوسرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر شدت جذبات سے دبایا۔ اس کے ماتھے کو بوسہ دیا اور اس کی پیٹھ کو تھپکی دے کر اس راستے کی طرف بڑھا دیا جو انہوں نے اس طرف سے حملہ کرنے والوں کی تنگ مدافعت کے لیے منتخب کر رکھا تھا۔

☆○☆

شیرو دل پر پتھر رکھ کر پلٹا تھا۔

—— اس نے اپنا سفر یہاں سے روانہ ہونے والے سربلندوں کی مخالف سمت میں شروع کیا تھا۔ اس کی جیب میں کچھ کرنسی تھی۔ ایک خنجر کپڑوں کے نیچے بندھا ہوا ریوالور اور بیلٹ میں گولیوں کے علاوہ اس نے ہاتھوں میں اسٹین گن اور پہلو سے لگتے تھیلے میں بھری ہوئی کچھ میگزینیں اور گرنیڈ وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔

روانگی کے وقت اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ نازنہ اور آسیہ کے خون میں لتھڑے ہوئے جسم اس کے ذہن سے چپک کر رہ گئے تھے۔ وہ بیک وقت زندہ بھی تھا اور مردہ بھی۔ اسے اپنی بیوی اور بچی کا آخری دیدار تک نصیب نہیں ہوا تھا۔

یہ تھا اس کی تمام تر جدوجہد کا نتیجہ۔ اس روز بد کو دیکھنے کے لیے اس نے اتنی قربانیاں دی تھیں کہ ان میں سے انہی کا کوئی ساتھی اٹھے اور چند ٹکے اپنے ضمیر کی قیمت وصول کر کے ان سب کے کیے کرائے پر پانی پھیر دے؟ اس نے اپنی آنکھوں سے ان لوگوں کو دیکھا اور کانوں سے سنا تھا جو کشمیر آزاد کروانے کے لیے اپنی جان سے گزر جانے کی قسمیں کھایا کرتے تھے، لیکن جو ٹکوں کے مول بک گئے۔ معمولی عہدوں اور سکوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔ کل تک جو لوگ بھارتی حکومت کا نام سننا گوارہ نہیں کرتے تھے وہ آج اس حکومت کے ستون بنے ہوئے تھے۔

شیخ عبداللہ کا حشر بھی ان لوگوں کو خواب غفلت سے نہیں جگا سکا تھا۔

—— ۱۹۵۲ء کے بعد سے جو حشر شیخ عبداللہ کا ہو رہا تھا، وہ سب کے سامنے تھا لیکن سب اقتدار کی کرسیوں سے چمٹے ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کی فکر میں تھے۔ کل تک کشمیر

HBC

[illegible] وہ وفادار تھے، آگے بڑھ بڑھ کر ناصبوں کی وفاداری کے گن گا رہے تھے۔ شیرو [illegible]
تھا۔ "یہ سب بکواس ہے۔ کوئی انقلاب نہیں آئے گا یہ سلسلہ یہ لوگ محض چند ٹکوں کے
لیے سارے کشمیر کی عزت سے ہمیشہ کھیلتے رہیں گے۔ یہ سب چور ہیں، ڈاکو ہیں۔ [illegible]
گھات لگا کر خود اپنا شکار کھیلا ہے۔"
اچانک ہی زوردار دھماکوں نے اس کے قدم ڈگمگا دیئے۔ وہ سمجھ گیا کہ ——— دشمن اس
کے ساتھیوں کے نرغے میں پھنس چکا ہے اور انہوں نے ہینڈ گرنیڈ پھینکنے شروع کر دیئے
ہیں۔
——— لیکن شیرو جانتا تھا کہ اب اس کے ساتھیوں کے بچ نکلنے کے امکانات بھی ختم ہو
رہے تھے۔

☆○☆

اس نے فرار کے لیے طویل پہاڑی راستہ منتخب کیا تھا کیونکہ نزدیک کے دو تین راستے
بھی فوج نے اپنے گھیرے میں لے رکھے تھے اور اپنا مشن ادھورا چھوڑ کر مرنا اسے گوارہ
نہیں تھا۔ رات کے دوسرے پہر وہ سری نگر شہر میں داخل ہو چکا تھا۔ اپنے کسی اڈے کی
بجائے اس کا رخ سری نگر کی اس ماڈرن آبادی کی طرف تھا جو حال ہی میں آباد ہوئی تھی
جہاں چمن زیب کو جو سرکاری افسر ہونے کے علاوہ ان کا ساتھی بھی تھا، ایک خوبصورت بنگلہ
الاٹ ہوا تھا۔
ان لوگوں نے چمن زیب کے متعلق کبھی غداری کا تصور بھی نہیں کیا تھا کیونکہ وہ بے
[illegible] اور ہر طرح سے مطمئن زندگی گزار رہا تھا اور یہاں بہرحال ایک بہتر مستقبل کے ساتھ
[illegible] تھا۔ لیکن وہ انہیں "ڈبل کراس" کر گیا۔ محض چند ہزار روپوں کے لالچ میں کیونکہ
[illegible] نے [illegible] نعمان اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری کے لیے انعام مقرر کر رکھا تھا۔
[illegible] اسٹین گن کے ساتھ یہاں تک پہنچنا ناممکن نہیں تھا۔ اسے اپنی گن خود
[illegible] بہت ہوا تھا، لیکن اس کے سوا چارہ بھی کیا رہ گیا تھا۔
[illegible] بنگلہ کہرے اور اندھیرے کی چادر میں ڈوبا ہوا تھا۔ گیٹ کے اندر ایک
[illegible] جیپ کھڑی تھی جس کے پیچھے لگی تختی چمن زیب کا عہدہ بڑھ جانے پر دلالت کرتی
تھی۔ بنگلے کے وسط میں بنے کمرے سے نکلتی روشنی شیرو کو چوکنا کر رہی تھی کہ عمارت کے
مکین ابھی جاگ رہے ہیں۔ شیرو بخوبی اس بات کو سمجھ رہا تھا کہ چمن زیب ان لوگوں کی
دہشت سے کسی انتقامی کارروائی کے خوف سے نہیں جاگ رہا کیونکہ اس کے "آقاؤں" نے

اسے یقین دلا دیا ہو گا کہ تمام "غدار" مارے گئے ہیں۔ خود اسے بھی یقین تھا کہ کوئی زندہ بچ
کر نہیں جا سکتا کیونکہ اس نے فرار کے تمام راستوں کی نشاندہی کر دی تھی۔
بنگلے کی چھوٹی سی اونچائی والی دیوار پھلانگ کر جب وہ اندر داخل ہوا تو ان لوگوں کی اس
قدر بے پروائی پر وہ متعجب ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ باہر کوئی ذی روح بھی تو موجود نہیں تھا۔
——— اور اس احساس نے کہ وہ اپنی بیوی اور معصوم بچی کے قاتل کے گھر میں آ گیا
ہے، اس کے تن بدن میں شعلے بھڑکا دیئے تھے۔ وہ کسی بھی لمحے خونخوار چیتے کی طرح چمن
زیب پر جھپٹ کر اسے چیر پھاڑ دینا چاہتا تھا۔ اس کا سارا وجود قہر میں جل رہا تھا اور وہ کسی
بھی لمحے اجل بن کر اس پر ٹوٹنے کے لیے پر تول رہا تھا۔
کسی بھی ممکنہ مدافعت کا بندوبست اس نے وہیں برآمدے کے ایک ستون کی آڑ میں
رک کر کر لیا تھا۔ وہ بلی کی طرح دبے قدموں اس کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ رہا
تھا۔ کمرے سے شراب کے نشے میں دھت آوازیں لب اتے بخوبی سنائی دے رہی تھیں۔
کبھی کبھی مردانہ قہقہوں کے ساتھ نسوانی چیخ نما ہنسی بھی ابھرتی تھی جس کا مطلب یہ تھا
کہ غدار اندر داد عیش دے رہا ہے۔
ایک لمحے کے لیے رک کر اس نے کچھ سوچا پھر خنجر کو جو اس نے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا
دوبارہ اپنی لمبی گرم جراب میں اڑس لیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ریوالور کو ہاتھوں میں تول رہا
تھا۔ اچانک آسمان پر بادل زور سے دھاڑے اور ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ جوش
انتقام سے اس کے سانسوں کی ترتیب بگڑنے لگی تھی۔ اس نے منہ کے ذریعے دو تین لمبے
لمبے سانس باہر پھینک کر خود کو نارمل کیا۔
دروازے پر اس نے اتنی زوردار لات مار کر اسے کھولا تھا کہ اس کی چٹخنی ٹوٹ گئی۔
اندر چمن زیب اور ایک فوجی صوفے کے سامنے میز پر ——— شراب کی بوتل رکھے بیٹھے تھے
جو "تقریباً" خالی ہو رہی تھی۔ ایک آبرو باختہ لڑکی ان دونوں کے درمیان بیٹھی تھی جس کی
آنکھیں شیرو کو دیکھتے ہی خوف سے پھٹ چلی تھیں اور چیخ اس کے گلے میں اٹک کر رہ گئی
تھی۔
چمن زیب کا نشہ شیرو پر نظر پڑتے ہی ہرن ہو گیا جس کے ہاتھ میں پکڑے ریوالور کی
نالی اس کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔
"تت........ تت........ تم۔" اس پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔
"کک........ کک........ کون ہو تم؟" فوجی افسر خوف سے منجمد ہو چکا تھا۔

کے جو وفادار تھے' آج بھی چھپ کر حامیوں کی وفاداری کے گن گا رہے تھے۔ شیرو سوچ رہا تھا' یہ سب بکواس ہے۔ کوئی انقلاب نہیں آنے کا یہاں۔ یہ لوگ محض چند ٹکڑوں کے لیے سارے کشمیر کی عزت سے یونہی کھیلتے رہیں گے۔ یہ سب چور ہیں' ڈاکو ہیں۔ انہوں نے کمات لگا کر خود اپنا شکار کھیلا ہے۔"

اچانک ہی زوردار دھماکوں نے اس کے قدم ڈگمگا دیئے۔ وہ سمجھ گیا کہ ---- دشمن اس کے ساتھیوں کے نرغے میں پھنس چکا ہے اور انہوں نے ہینڈ گرنیڈ پھینکنے شروع کر دیئے ہیں۔ ---- لیکن شیرو جانتا تھا کہ اب اس کے ساتھیوں کے بچ نکلنے کے امکانات بھی ختم ہو رہے تھے۔

☆○☆

اس نے فرار کے لیے طویل پہاڑی راستہ منتخب کیا تھا کیونکہ نزدیک کے دو تین راستے بھی فوج نے اپنے گھیرے میں لے رکھے تھے اور اپنا مشن ادھورا چھوڑ کر مرنا اسے گوارہ نہیں تھا۔ رات کے دوسرے پہر وہ سری نگر شہر میں داخل ہو چکا تھا۔ اپنے کسی اڈے کی بجائے اس کا رخ سری نگر کی اس ماڈرن آبادی کی طرف تھا جو حال ہی میں آباد ہوئی تھی جہاں چمن زیب کو جو سرکاری افسر ہونے کے علاوہ ان کا ساتھی بھی تھا' ایک خوبصورت بنگلہ الاٹ ہوا تھا۔

ان لوگوں نے چمن زیب کے متعلق کبھی غداری کا تصور بھی نہیں کیا تھا کیونکہ وہ بے نیاز اور ہر طرح سے مطمئن زندگی گزار رہا تھا اور یہاں بہرحال ایک بہتر مستقبل کے ساتھ قیام پذیر تھا' لیکن وہ انہیں "ڈبل کراس" کر گیا۔ محض چند ہزار روپوں کے لالچ میں کیونکہ سرکار نے نبی خان اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری کے لیے انعام مقرر کر رکھا تھا۔

شیرو کے لیے اسٹین گن کے ساتھ یہاں تک پہنچنا ناممکن نہیں تھا۔ اسے اپنی گن خود سے جدا کرتے ہوئے دکھ تو بہت ہوا تھا' لیکن اس کے سوا چارہ بھی کیا رہ گیا تھا۔

ماڈرن آبادی کا یہ بنگلہ کہرے اور اندھیرے کی چادر میں ڈوبا ہوا تھا۔ گیٹ کے اندر ایک سرکاری جیپ کھڑی تھی جس کے پیچھے لگی تختی چمن زیب کا عہدہ بڑھ جانے پر دلالت کرتی تھی۔ بنگلے کے وسط میں بنے کمرے سے نکلتی روشنی شیرو کو چوکنا کر رہی تھی کہ عمارت کے مکین ابھی جاگ رہے ہیں۔ شیرو بخوبی اس بات کو سمجھ رہا تھا کہ چمن زیب ان لوگوں کی طرف سے کسی انتقامی کارروائی کے خوف سے نہیں جاگ رہا کیونکہ اس کے "آقاؤں" نے

اسے یقین دلا دیا ہوگا کہ تمہیں غداری کے بدلے ... وہ اب بھی ... پہنچ نہیں پائیں گے ... اس نے فرار کے تمام راستوں ... بنگلے کی چھوٹی سی لوہے والی دیوار پھلانگ کر ... قدرے بے پروائی برتی ... جب ... ---- اور اس ... اس کے تن بدن میں شعلے بھڑک رہے تھے ... زیب پر جھپٹ کر اسے چیر پھاڑ دینا چاہتا تھا۔ ... بھی لیے اجل بن کر اس پر ٹوٹنے کے لیے پر تول رہا تھا۔ کسی بھی ممکنہ مزاحمت ... رک کر کر لیا تھا۔ وہ بلی کی طرح دبے قدموں اس کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کمرے سے شراب کے نشے میں مست آوازیں اب اسے بخوبی سنائی دینے لگی تھیں۔ کبھی کبھی مردانہ قہقہوں کے ساتھ نسوانی چیخ لڑکی بھی ابھر رہی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ غدار اندر داد عیش دے رہا ہے۔

ایک لمحے کے لیے رک کر اس نے کچھ سوچا پھر خنجر کو جو اس نے ہاتھ میں تیار رکھا تھا دوبارہ اپنی لمبی گرم جراب میں اڑس لیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ریوالور کو ہاتھوں میں تول رہا تھا۔ اچانک آسمان پر بادل زور سے دھاڑے اور ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ جوش انتقام سے اس کے سانسوں کی ترتیب بگڑنے لگی تھی۔ اس نے منہ کے ذریعے دو تین لمبے سانس باہر پھینک کر خود کو نارمل کیا۔

دروازے پر اس نے اتنی زوردار لات مار کر اسے کھولا تھا کہ اس کی چٹخنی ٹوٹ گئی۔ اندر چمن زیب اور ایک فوجی صوفے کے سامنے میز پر ---- شراب کی بوتل رکھے بیٹھے تھے جو تقریباً خالی ہو رہی تھی۔ ایک آہو چشم نوخیز لڑکی ان دونوں کے درمیان بیٹھی تھی جس کی آنکھیں شیرو کو دیکھتے ہی خوف سے پھٹ چلی تھیں اور چیخ اس کے گلے میں اٹک کر رہ گئی تھی۔

چمن زیب کا نشہ شیرو پر نظر پڑتے ہی ہرن ہو گیا جس کے ہاتھ میں پکڑے ریوالور کی نال اس کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

"تت........ تت........ تم۔" اس پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

"کک........ کک........ کون ہو تم؟" فوجی افسر خوف سے منجمد ہو چلا تھا۔

"کوئی آواز منہ سے نہ نکالنا۔" شیرو پھنکارا۔ اس کی لہو بھری آنکھیں چمن زیب کو اپنے سینے میں دھنستی محسوس ہو رہی تھیں۔

تینوں لرز کر رہ گئے۔

"تم۔" اس نے لڑکی کی طرف ریوالور کی نال سے اشارہ کیا۔ "اٹھو اور اپنے کپڑے پہن کر سامنے دیوار سے لگ کر کھڑی ہو جاؤ۔"

لڑکی ڈگمگاتے قدموں سے اپنے کپڑوں تک پہنچی۔ کپڑے پہنتے ہوئے یوں لگتا تھا جیسے کسی بھی لمحے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔ اس نے جیسے تیسے کپڑے پہنے اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اپنے حلق کو تر کرنے کے لیے اسے بار بار تھوک نگلنا پڑ تا تھا۔

"تم میجر نذن ہو؟" شیرو نے کمرے میں ایک کھونٹی سے لٹکی فوجی جرسی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے فوجی کو مخاطب کیا۔

"شیرو ـــــ دیکھو........" میجر کی بجائے چمن زیب نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔

"بکو مت۔" شیرو دھاڑا۔ وہ چمن زیب کو آواز نکالنے کی مہلت بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔

چمن زیب سہم کر خاموش ہو گیا۔

"بیوقوف مت بنو جوان۔" اس کا مخاطب بہرحال آرمی انٹیلی جنس کا میجر تھا۔ جلد ہی اس نے خود کو سنبھالا دے لیا۔ "تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔ خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دو۔ میں........"

"میں جہاں سے بچ کر آ گیا ہوں' وہاں تم نے اس غدار کی مخبری پر بہت فوج بھیجی تھی مجھے مارنے کے لیے۔" شیرو اس کی بات کاٹ کر غرایا۔ "میجر تم کو بہرحال مرنا تھا جلد یا بدیر۔ کیونکہ تمہارے ہاتھ بہت سے بے گناہوں کے خون سے رنگے ہیں۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو۔" میجر کو واقعی غصہ آ گیا۔

"ہاں اور میرے پاگل پن کا شکار تم چمن زیب سے بھی پہلے بنو گے۔ میں تم دونوں کو مار ڈالوں گا میجر نذن۔ صرف یہ فاحشہ تمہاری کہانی سنانے کے لیے زندہ رہے گی۔" وہ غصے سے بری طرح کھول رہا تھا۔

[illegible] اتنی زور سے دھاڑا کہ شیرو کے ریوالور سے نکلنے والی گولی کی آواز بھی اس میں [illegible] گئی۔ میجر نذن نے اپنے سامنے رکھی میز کو پاؤں مارنے کی کوشش کی تھی۔ وہ [illegible] دونوں آنکھوں کو نشانہ بنانا چاہتا تھا۔

[illegible] وسط میں دونوں آنکھوں کے بالکل درمیان لگی تھی۔ شیرو کے

نشانے کے متعلق چمن زیب کو کوئی غلط فہمی نہیں تھی۔ میجر نے شاید اسے کوئی عام سا بدمعاش ہی سمجھا تھا۔ اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ خون کی ایک لکیر اس کے ماتھے سے پھوٹی اور وہ آگے کو جھک کر میز پر گر پڑا۔ بالکل ایسے جیسے اس نے تھکے تھکے ستانے کے لیے اپنا سر میز پر ٹکا دیا ہو۔ ڈکراتے ہوئے کمرے کی طرف اس نے [illegible] سر اٹھانے کی کوشش کی تھی لیکن دوبارہ اسے اپنی گردن موڑنے کی مہلت بھی نہ ملی۔ اس مرتبہ شیرو نے اس کا بھیجا ہی باہر نکال دیا تھا۔ لڑکی کے لیے یہ منظر اتنا دہشت ناک تھا کہ وہ اپنی جگہ کھڑی کھڑی دھڑام سے گری اور بے ہوش ہو گئی۔ شیرو نے اس کی طرف مڑ کر دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا تھا۔ وہ اب براہ راست چمن زیب کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا جس کا چہرہ خوف سے زرد پڑ چکا تھا اور خون کی ایک رمق بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

"م........ مجھے........ مجھے معاف کر دو۔" وہ گھگھیانے لگا۔

"شٹ اپ!" شیرو اتنی زور سے دھاڑا کہ ہال کی گونج میں بھی اس کی آواز لرز رہی تھی۔ "تم ناقابل معافی ہو۔ تمہیں خدا بھی معاف نہیں کرے گا۔ ذلیل ـــــ غدار۔ میں تمہیں اذیت ناک موت ماروں گا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔" اس نے پستول اپنی جیکٹ کی جیب میں ڈال کر نبی خان کا دیا ہوا خنجر نکال لیا تھا۔ خنجر شیرو کے ہاتھ میں دیکھ کر خوف اور دہشت سے چمن زیب کی آنکھیں مزید پھیل گئیں۔

"اٹھو ـــــ اس طرف آؤ۔" اس نے چمن زیب کو کمرے کی خالی سمت اشارہ کیا اور وہ خوف سے تھرتھراتا اس کے حکم کی پابندی کرنے لگا۔ ابھی اس نے چند قدم ہی اٹھائے تھے جب اچانک شیرو اپنی جگہ سے اسپرنگ کی طرح اچھل کر اس کے پہلو میں آ گیا اور اس سے پہلے کہ چمن زیب کوئی مدافعت کرے' اس کے خنجر کے بھرپور وار نے چمن زیب کی انتڑیاں باہر نکال دیں۔ اس کے بعد تو جیسے اس پر جنون طاری ہو گیا۔ اسے یاد بھی نہ رہا کہ اس نے چمن زیب کو کتنے گھاؤ لگائے تھے۔ چمن زیب کی چیخوں نے آہستہ آہستہ دم توڑنا شروع کر دیا تھا۔ لڑکی کو ہوش آ چکا تھا' لیکن سامنے کا منظر دیکھنے کی تاب اس میں نہیں تھی۔ اس کے حلق سے بڑی بے ہنگم اور ڈراؤنی سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اس نے اپنی آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر منہ زانوں میں چھپا لیا تھا۔

شیرو جب چمن زیب سے الگ ہوا تو اس کی لاش ناقابل شناخت ہو چکی تھی۔ شیرو کے کپڑے خون سے رنگے ہوئے تھے۔ اس کی نفرت کا یہ عالم تھا کہ اس نے غصے سے ہانپتے ہوئے بھی چمن زیب کی لاش کو ٹھوکر ماری اور اس پر تھوک کر منہ دوسری طرف موڑ لیا۔

مجز ابھی تک مضبوطی سے اس کے ہاتھ میں تھا۔ شیرو نے ایک نظر مجز کے دستے پر بنے "شاہین" پر ڈالی۔ یہ "صاعقہ" کا امتیازی نشان تھا اور اسے چمن زیب کی لاش پر پھینک دیا۔

اب اسے آہستہ آہستہ قرار آنے لگا تھا۔ چمن زیب کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے اسے ایک عجیب سا روحانی سکون محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے اپنے اوپر پڑا منوں بوجھ اتار کر پھینک دیا ہو۔ وہ ایک آگ ہی جو شام سے اب تک اس کے اندر مسلسل دہک رہی تھی چمن زیب کے خون کے چھینٹوں نے اس پر شبنم کا کام کیا تھا۔

اچانک ہی آسیہ اور اس کی بچی کے خون میں نہائے ہوئے لاشے اس کے سامنے سوال بن کر آن کھڑے ہوئے اور اس کی دہکتی آنکھوں سے گرم آنسوؤں کے دھارے نکل کر اس کے چہرے پر پھیلنے لگے۔ جلد ہی وہ نارمل ہو گیا۔

اس نے لڑکی کو دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونے کو کہا اور باتھ روم کے کھلے دروازے میں داخل ہو گیا۔ اپنا پستول اور گولیاں ایک طرف رکھ کر اس نے اپنے کپڑے چند لمحوں میں اتار دیئے تھے۔ بمشکل دو منٹ بعد وہ اپنا منہ ہاتھ دھونے سے فارغ ہو گیا تھا۔ بظاہر اب اس کے جسم پر خون کا کوئی دھبہ نہیں رہا تھا۔ الماری سے کپڑوں کا ایک جوڑا نکال کر اس نے اپنے کپڑے تبدیل کیے اور باہر نکل آیا۔ لڑکی کو اس نے باتھ روم میں بند کر دیا تھا۔

کمرے میں رک کر اس نے کپڑوں کے اوپر میجر کا ویسٹ کوٹ پہنا۔ ٹوپی سر پر جمائی اور اس کے کپڑوں کی تلاشی لینے سے جو چابیوں کا گچھا برآمد ہوا تھا' اسے ہاتھ میں تولتا باہر نکل آیا۔ دوسرے ہی لمحے باہر کھڑی میجر ٹنڈن کی جیپ میں وہ اڑا چلا جا رہا تھا۔ ہری پربت اور بادام واری سے گزرتا وہ اس سڑک پر آ گیا تھا جو سری نگر کو سورہ سے ملاتی تھی۔ جھیل کے کنارے جیپ روک کر اس نے چند لمحے کچھ سوچا' پھر جیپ کو پہلے گیئر میں ڈال کر پہاڑی سلسلے پر لوہی ہی اوپر چڑھنے لگا۔ ایک جگہ رک جیپ روک کر وہ باہر نکل آیا۔

انجن اسٹارٹ تھا جب اس نے گیئر دبا دیا۔ جیپ کو جھٹکا لگا اور وہ لڑھکنیاں کھاتی سینکڑوں فٹ نیچے جا گری۔

... نے اپنا خونیں چہرہ چٹانوں کی اوٹ سے باہر نکالنا شروع کر دیا تھا جب وہ پہاڑوں ... میں بنے گھوں نیل مل کے ایک دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ دروازہ درمیانی ... نے کھولا۔ شیرو پر نظر پڑتے ہی وہ چونکا' پھر سنبھل گیا۔

"اندر آ جاؤ ---!" اس نے شیرو کو اشارہ کیا۔ یہ اس کا ساتھی جمال تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے دوبارہ کنڈی لگا کر دروازہ بند کر دیا۔ شیرو اس دوران ایک چارپائی پر ڈھیر ہو چکا تھا۔

جمال نے صرف ایک ہی نظر اس کی طرف دیکھا تھا اور آنکھیں جھکا لیں۔

"مجھے تمام حالات کا کل ہی علم ہو گیا تھا شیرو۔" اس نے اپنی حالت پر قدرے قابو پا لیا تھا۔ "افسوس ہم بالآخر اپنوں ہی کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچے۔ مجھے تمہارے دکھ کا احساس ہے شیرو۔ میں ہی جانتا ہوں یا پھر خدا کی ذات کہ جب اسی طرح ظالموں نے میرے جوان بیٹے اور اس کی ماں کو مار ڈالا تھا' لیکن میرے دوست آزادی کے لیے ---"

"چپ ہو جاؤ جمال۔" شیرو نے تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی۔ "کس آزادی کی بات کرتے ہو جو کبھی ہمارے مقدر میں نہیں تھی جمال۔ جب اپنے اپنوں کو کھانے لگیں' جب گھر کا بھیدی لنکا ڈھانے پر تلا ہو محض چند ٹکوں اور اقتدار کے لیے' جب ہم خود ہی اپنی غیرت کو بیچنے لگیں تو آزادی کیسی؟ یہاں کس کی حکومت ہے؟ کون حکمران ہے ہمارا؟ کس نے ہاتھ مضبوط کر رکھے ہیں برہمنوں کے؟ نہیں جمال نہیں۔ یہ سب فراڈ ہے --- سب لٹیرے ہیں۔"

"میں تمہارے لیے ناشتے کا بندوبست کروں۔" جمال کے پاس اس کی باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

قہوے کی پیالیاں دونوں کے آگے رکھی ہوئی تھیں' شیرو نے جمال کو اپنی ساری کہانی سنا دی تھی۔

"میں پاکستان جا رہا ہوں۔" اس نے سگریٹ کا کش لگا کر جمال کی آنکھوں میں جھانکا۔

"مجھے علم ہے اب تم یہاں ایک پل رکنا گوارہ نہیں کرو گے۔" جمال بولا۔ "شیرو! کوئی طاقت مجھے بار بار اس بات کا یقین دلاتی تھی کہ تم زندہ ہو' میں کل ہی چلا جاتا لیکن میں شاید لاشعوری طور پر تمہاری ہی آمد کا منتظر تھا۔ میں نے آج سے دو سال پہلے نبی خان کو کہہ دیا تھا کہ یہ زمین اب غیرت مندوں پر تنگ ہونے لگی ہے' لیکن میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ میرا نام بزدلوں یا بھاگ جانے والوں کی فہرست میں آئے۔ میرا اب یہاں ہے ہی کیا؟ بیٹا تھا' بیوی --- اب تو دونوں ہی نہ رہے ------" وہ ٹھنڈی سانس لے کر چپ ہو رہا۔

دونوں دوست کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ دونوں نے شام ڈھلنے پر یہاں سے نکلنے کا پروگرام بنایا تھا۔ منصوبے کے مطابق جمال کو بارہ مولا کے راستے سرحد عبور کرنی تھی اور

شیرو نے جموں کی طرف نکلنے کا پروگرام بنایا تھا۔ وہ آزاد کشمیر کے بجائے پنجاب کو اپنا مسکن بنانا چاہتا تھا۔ شام ڈھلے وہ دونوں اس گھر سے چھپتے چھپاتے باہر نکل آئے۔

"شیرو! تم سے بحث کرنا فضول ہے کیونکہ تم نے زندگی بھر کسی کو اپنے فیصلوں میں شریک نہیں کیا، لیکن بہتر ہوتا اگر ہم اکٹھے سفر کرتے۔" جمال نے ایک جگہ رکتے ہوئے کہا۔

"نہیں جمال!" شیرو نے کہا "یہ امر خطرے کا باعث ہو گا۔ وہ لوگ سورہ تک جیپ کے تعاقب میں آئیں گے اور یہاں کی سیکورٹی بھی جلدی ہوشیار ہو جائے گی۔ تم ابھی ان بھیڑیوں کی نظر میں نہیں آئے جب کہ میری بات اور ہے۔ میں ان کو اپنے پیچھے لگا کر سری نگر تک واپس لے جاؤں گا۔ اس کے بعد میں فرار کے لیے شاید کوئی اور بارڈر منتخب کروں گا۔"

گاؤں کے باہر ایک پہاڑی کے دامن میں جہاں سے دو راستے مختلف سمتوں کو پھوٹتے تھے، وہ رک گئے۔

"جمال! میری بڑی خواہش تھی کہ یہ جنگ کسی کے ہاتھوں میں منتقل کر کے یہاں سے رخت سفر باندھتا۔ میں جانتا تھا کہ میری زندگی میں ممکن ہے، کشمیر آزاد نہ ہو لیکن اگلی نسل کو ہم آزاد زندگی اور محفوظ مستقبل دے کر جائیں مگر......" شیرو اپنی بات مکمل نہ کر پایا۔ اس کا گلا رندھ گیا۔

"خدا حافظ میرے دوست! الوداع۔ میں خدا سے دعاگو ہوں کہ پاکستان میں تمہاری دوستی مجھے نصیب رہے۔" جمال کے لیے یہاں مزید ایک پل رکنا بھی ناممکن تھا۔

"فی امان اللہ!" شیرو کے ہونٹ کپکپائے اور وہ آگے بڑھ گیا۔

کافی دور جا کر اس نے پلٹ کر ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ اس کا دوست بارہ مولا کی طرف جا رہا تھا۔ "خدا تمہیں اپنی امان میں رکھے!" اس نے دل ہی دل میں دعا مانگی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنی منزل کی طرف ہو لیا۔

☆○☆

سری نگر چھوڑنے سے پہلے شیرو نے آسیہ کے بھائیوں سے ملاقات کر لی تھی۔ وہ لوگ اس کے دکھ درد بانٹنے کی آرزو رکھتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ شیرو بھارت کے کسی دوسرے صوبے میں رہائش اختیار کر لے۔ وہ اسے مکمل تحفظ کے ساتھ کاروبار کروانا چاہتے تھے، لیکن جب شیرو نے انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تو ایک لفظ بھی اس کی مخالفت میں

کسی کے منہ سے نہ نکل سکا۔ یہ ان لوگوں کی دلی خواہش تھی کہ آسیہ کی [illegible] والے نہیں کر سکے تھے ورنہ اب تک وہ زندہ درگور ہو چکے ہوتے۔

"شیرو بھائی!" آسیہ کے چھوٹے بھائی نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "ہم تمہارے فیصلے پر اس لیے تو خوش ہیں کہ تم کم از کم محفوظ رہو گے لیکن جب تمہاری جدائی کا تصور کرتے ہیں تو دل ڈوبنے لگتا ہے۔ ہمارے بس ایک تم ہی تو ہو۔ آسیہ اور ماسٹر کو تو ــــــ" وہ سسک پڑا۔

شیرو نے اسے گلے سے لگا کر تسلی دی۔

"شیرو!" جلد یا بدیر بالآخر ہمیں بھی پاکستان جانا پڑے گا۔ خدا کرے ہم وہاں اکٹھے ہو جائیں۔" اس نے دم رخصت شیرو سے کہا اور اس کے انکار کے باوجود زیورات کی ایک تھیلی اور رقم اس کے حوالے کر دی۔

"یہ آسیہ کا حصہ تھا۔ ہم پر حرام ہے۔" آسیہ کے بھائی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

سری نگر سے جموں تک کا سفر اس نے برہمن کے روپ میں کیا تھا۔ راستے میں وہ اپنے اکثر ساتھیوں سے ملتا آیا تھا۔ کسی نے اس کے فیصلے کو سراہا اور کسی نے خاموشی اختیار کی، لیکن اس کے فیصلے پر تنقید کسی نے بھی نہ کی۔ وہ سب شیرو کے دم سے واقف تھے۔ اب بھی ان میں زیادہ تعداد انہی افراد کی تھی جنہوں نے اپنی زندگیاں ملک و ملت کے لیے وقف کر رکھی تھیں اور وہ جیتے جی کشمیر سے نکلنا گوارا نہیں کرتے تھے۔

شیرو نے کسی سے بحث نہ کی، کسی کو اپنے حق میں دلائل نہ دیے۔ بس ایک دیرینہ رفیق کار کی حیثیت سے اس نے ان سب سے آخری مرتبہ ملنا مناسب سمجھا۔ اب جانے زندگی میں دوبارہ ان سربلندوں سے ملاقات ہو یا نہ ہو۔

☆○☆

اسے سری نگر سے چلے ایک ماہ ہونے کو آیا تھا اور آج وہ جموں کے ایک ہوٹل میں بیٹھا اس بات پر مغز کھپا رہا تھا کہ سرحد کہاں سے عبور کی جائے۔ یہ ہوٹل جموں شہر کے لاری اڈے کے نزدیک ہی بنا ہوا تھا اور زیادہ تر اس راستے پر سفر کرنے والے مسافر ہی یہاں قیام کیا کرتے تھے۔

ایک فیصلے پر پہنچنے کے بعد وہ کھانے کا بل ادا کر کے باہر نکل رہا تھا کہ ایک چہرے پر نظریں پڑتے ہی وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ سامنے سے آنے والے نے بھی یہی عمل دہرایا تھا۔ شیرو سے بمشکل پانچ سات قدم آگے نکل کر وہ رک گیا۔ دونوں نے ایک ساتھ ہی مڑ کر

[illegible]

اس [illegible] مہربان ساتھی انہیں رخصت کرنے سرحدی لکیر تک ان کے ساتھ آیا تھا۔ شاید یہ بھی اس "[illegible]" کا حصہ تھا کہ مہربان کو سرحدی لکیر تک مہمان کے ساتھ آنا پڑتا تھا۔ اس کے بعد وہ ان سے الگ ہو گیا۔ جانوروں کی رسیاں انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیں اور انہیں ہانکتے ہوئے وہ صبح دم ایک اور سرحدی گاؤں تک پہنچ گئے۔

[illegible] گاؤں قدرے مستقل طور شروع ہوتے ہی شیرو کے محسوسات بدلنے لگے تھے۔ وہ گھٹن سی جو اب تک اس پر طاری تھی رخصت ہو گئی اور وہ اپنے اندر ایک نئے شیرو کو جنم لیتے محسوس کرنے لگا تھا۔

[illegible]

گاؤں پہنچتے ہی وہ گہری نیند سو گیا اور سہ پہر کو اس کی آنکھ گاؤں کی مسجد سے بلند ہونے والی اذان کی آواز سے کھلی۔

دن ہفتوں، مہینوں اور سالوں میں بدلتے چلے گئے۔ وہ شیر محمد سدھن سے اب "شیرو ڈکیت" بن چکا تھا۔ دولت اس کے گھر کی باندی تھی۔ وہ ملک کے کونے کونے میں گھوما، لیکن کبھی اس نے جہلم کے پانیوں کی پرلی طرف نہ جھانکا۔ اس کے ساتھی حیران تھے کہ اس نے مقامی کمینوں والی کوئی بھی "بد عادت" نہیں اپنائی تھی۔

شوکت کئی مرتبہ بضد ہوا کہ وہ شادی کر لے، لیکن اس نے شادی نہ کی۔ پھر وہ دن بھی آگیا جب شوکت سرحدی پولیس کی گولی کا نشانہ بن گیا اور اب وہ اکیلا اس ڈیرے کا مالک تھا۔ شوکے کی موت نے اسے ایک مرتبہ پھر دکھی کر دیا، لیکن اب تو جیسے اسے جینے کا ڈھنگ آگیا تھا۔

اس کے معمول میں صرف ایک تبدیلی آئی تھی۔ اب وہ مہینے میں ایک آدھ مرتبہ ہی خود سرحد عبور کرتا تھا۔ اس کا سارا کام اس کے کارندوں نے سنبھال رکھا تھا۔

کئی مرتبہ اس کا جی چاہا کہ آزاد کشمیر جائے اور شرفو اور زہراں کو دیکھے، لیکن اس سوچ کے ساتھ ہی بے نام سے خوف کی پرچھائیاں اس کے ذہن پر لرزنے لگتیں۔ دو تین مرتبہ تو وہ منگلا تک جا کر واپس آیا تھا۔ اسے ایک ہی خدشہ وہاں جانے سے روکے ہوئے تھا۔ وہ سوچتا: "خدانخواستہ اس کی اچانک آمد کہیں دونوں کو پشیمانی میں مبتلا نہ کر دے؟" وہ نہیں چاہتا تھا کہ شرفو اور زہراں کی زندگیوں پر اس کی وجہ سے ایک لمحے کو بھی یاسیت طاری ہو۔

——اس دوران اسے دو تین واقف کاروں سے دونوں کی خیریت کی اطلاع ملتی رہی تھی۔ اس نے سن لیا تھا کہ شرفو پاکستانی فوج کا کیپٹن بن چکا ہے اور زہراں دو بیٹیوں کی ماں۔

☆○☆

ایف آئی یو کے کیپٹن اشرف خان کے سامنے شیرو کی تصویر رکھی تھی جس کے ساتھ مقامی صوبے دار کی رپورٹ موجود تھی کہ اس علاقے میں کام کا آدمی صرف شیرو ڈکیت ہے اور شرفو دیوانوں کی طرح ٹکٹکی لگائے تصویر کو گھور رہا تھا۔

"شیرو! تم زندہ تھے۔ تم نے کتنا ظلم کیا شیرو۔" آہستہ سے تصویر کو گھورتے ہوئے وہ بڑبڑایا۔

جب اس کا اردلی صاحب کے لیے چائے لے کر اندر داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ اس

[illegible] صاحب کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ وہ حیران رہ گیا [illegible] لیکن دوبارہ وہ اپنے صاحب کے چہرے کو دیکھنے کی جرأت نہ کر [illegible] آیا۔

اگلے روز شام تک اس کے پاس شیرو کی [illegible] گئے تک وہ کروٹیں بدلنے کے بعد ایک فیصلے پر پہنچ چکا تھا۔ [illegible] کروا دی تھی کہ وہ شیرو کو ضرور کام کے لیے آمادہ کر لے گا۔

"یہ ملک کے لیے بہت بڑی خدمت ہو گی کیپٹن۔" کرنل صاحب نے [illegible] ابھر کر روانگی کے وقت اسے کہا تھا۔

اور آج ۱۵ مئی ۱۹۶۵ء کو وہ یہی مشن لے کر اپنے دوست سے ملنے آیا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کو اپنی اپنی کہانی سنا رہے تھے اور —— کیپٹن اشرف خان وقت کی ستم ظریفی پر حیران تھا کہ وہ شخص جس نے اسے اور اس جیسے کتنے لوگوں کو آزادی کی راہ دکھائی تھی۔

——جس کا خاندان پچھلی تین نسلوں سے کشمیر کے لیے اپنا خون بہاتا چلا آ رہا تھا وہی شیر محمد سدھن اس کے سامنے شیرو ڈکیت بن کر بیٹھا ہوا ہے۔

اس کی کہانی میں کئی ایسے موڑ آئے تھے کہ شرفو کا دل بھر بھر آیا لیکن اس نے بطور فوجی شیرو کے سامنے آنسو بہانا بزدلی سمجھا۔ وہ جان چکا تھا کہ ایسے حالات جن سے گردش وقت نے اس کے دوست کو ٹکرایا تھا کسی کو بھی پاگل کر دینے کے لیے کافی تھے —— اس کا دوست مجاہد سے ڈاکو یونہی نہیں بن گیا تھا۔ وہ تو اپنے اندر [illegible] رہا تھا جو آگ اس کے سینے میں بھڑک رہی تھی، وہ اسی کو نہیں، سارے کشمیر کو جلا کر راکھ کر سکتی تھی۔

"مجھے کہنا تو نہیں چاہیے شیرو بھائی۔" کیپٹن اشرف نے [illegible] "میں تو کبھی تم سے بحث نہیں کیا کرتا تھا۔ یوں بھی تم نے زندگی میں اپنی ہر بات مجھ سے منوائی ہے، لیکن شیرو بھائی میں کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تم نے ہمارے ساتھ بہت ظلم کیا —— بہت ظلم کیا تم نے ہمارے ساتھ۔ میں کیا جواب دوں گا زہراں کو —— کیا بتاؤں گا اسے؟"

"شرفو! حالات نے موم کی گڑیا کی طرح میری ناک جس طرف چاہا موڑ دی۔ میں تو ہمیشہ سے وقت کی ٹھوکروں میں رہا ہوں اور آج بھی گردش حالات نے مجھے [illegible] تمہارے سامنے پھینک دیا ہے۔ میں واقعی تمہارا گنہگار ہوں لیکن خدا میرا [illegible]

HBC

[illegible]

[illegible]

اللہ کا سپاہی

جس تپش کو محسوس کرتے ہوئے چارسدہ (صوبہ سرحد) کے اس ملاوطن پٹھان ———
جنرل طارق نے ساحل کشمیر پر قدم رکھا تھا۔
——— اس حرارت کو برسراقتدار طبقہ سمجھنے سے یکسر قاصر تھا۔
وہ کوتاہ اندیش محض اقتدار کی جنگ لڑنا جانتے تھے ——— اپنی کرسی کی حفاظت کے لیے
تو وہ ہر قیمت ادا کرنے کو تیار تھے۔
جب سینڈ ہرسٹ ملٹری اکیڈمی (انگلستان) کے اس گریجویٹ نے مڑ کر دیکھا تو وہ تنہا
تھا ——— بالکل اکیلا!
اور ——— وقت اس کی تنہائیوں میں اضافہ ہی کرتا چلا گیا۔ اس کے ساتھی کٹتے
مرے ——— اور کسی نے اس کے ساتھ قدم ملانے کی کوشش بھی نہ کی۔
کشمیر ہمیشہ ایک سلگتا ہوا سوال بن کر برصغیر کے ماتھے پر دھکتا رہا۔ ۱۹۴۸ء کے بعد سے
دونوں ملکوں کی حکومتیں یہی سمجھنے لگی تھیں کہ اب کشمیر کا مسئلہ شاید ختم ہو گیا ہے، لیکن وہ
بھول رہے تھے کہ تاریخ اپنا عمل دہراتی ہے اور دبی چنگاریاں کبھی نہ کبھی بھڑک کر شعلوں کا
روپ ضرور اختیار کرتی ہیں۔ قائداعظمؒ نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ کہا تھا۔ اس میں
مبالغہ بھی نہیں کہ اگر یہ شہ رگ کٹ جاتی تو پاکستان کی شریانوں سے خون کا ایک ایک قطرہ
نچڑ جاتا۔ کشمیر کی پہاڑیوں سے اترنے والے دریاؤں کے سوتے اگر پاکستان کے لیے خشک کر
دیئے جاتے تو اس کی ہریالی کو موت آ جاتی۔
کشمیر پاکستان کے لیے ناگزیر تھا ———!
اس حقیقت کو پاکستانیوں سے زیادہ کشمیری عوام نے محسوس کیا ——— ان مظلوموں کو
ہمیشہ یہی امید رہی کہ پاکستانی کبھی نہ کبھی ان کی مدد کو ضرور آئیں گے، لیکن وہ دن شاید ان
کا مقدر نہ بن سکا اور کشمیر میں حالت تنگ آمد بجنگ آمد پر پہنچ گئی۔
جلد ہی خبریں ملنے لگیں کہ کشمیر میں کفن بردوش مجاہدین زیر زمین روبہ عمل ہیں۔

☆○☆

۱۹۶۴ کے آخری مہینوں میں یہ محسوس کیا جانے لگا کہ وہاں "زیر زمین" پہلے سے معروف عمل تحریکوں نے اب کھل کر سامنے آنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ خصوصاً "حضرت بل" کے جھگڑے نے ایسی خطرناک صورت اختیار کی کہ مقبوضہ کشمیر کے چپے چپے سے آزادی کے نعرے گونجنے لگے اور انہی نعروں کی گونج میں پاکستان میں ایک منصوبہ "آپریشن جبرالٹر" ترتیب دیا گیا۔

اس منصوبے کی بنیاد اس مفروضے پر رکھی گئی تھی کہ جیسے ہی پاکستانی کمانڈوز جنہیں مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو کر گوریلا نوعیت کی کارروائیاں پہلے سے معروف عمل مجاہدین کے ساتھ مل کر انجام دینی تھیں، کو چند کامیابیاں نصیب ہوں تو عام کشمیری بھی اس "بغاوت" میں عملاً شامل ہو جائیں گے۔

——اور اس سلسلے میں اس وقت کے وزیر خارجہ کی یہ یقین دہانی موجود تھی کہ امریکہ بہادر نے ضمانت دی ہے کہ اگر بین الاقوامی سرحدوں (سوائے حد متارکہ جنگ کشمیر) پر کوئی ہنگامہ پاکستان نہ کرے تو بھارت کبھی پاکستان پر حملہ نہیں کرے گا۔

——ابتدا ہی میں جب اس منصوبے کے لیے کارفرما نفری کا جائزہ لیا گیا تو دو نئے ڈویژن کھڑے کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، لیکن ایک سازش کے تحت وزارت خزانہ نے اس مد میں فنڈ فراہم کرنے سے معذرت کر دی۔

نامکمل اسباب کے باوجود بہرحال اس منصوبے پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کیا گیا اور ان تین مرحلوں میں آپریشن جبرالٹر ترتیب پایا۔

۱۔ Deep Peneteration Force. اس "فورس" کو یہ فرض سونپا گیا کہ کمانڈوز چوری چھپے "سویلین راہبروں" کی راہنمائی میں مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو جائیں۔ ہر ٹولی اپنے تین تین چار چار "آرمز" اور ایمونیشن بھی لے کر جائے گی جو سری نگر پہنچ کر انہوں نے میر واعظ کشمیر (جن کے دعوؤں پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ سارا منصوبہ ترتیب دیا گیا تھا۔) اور ان کے پہلے سے معروف عمل ساتھیوں کو پہنچانا تھا۔

اس "فورس" میں موجود کمانڈوز کو سری نگر میں موجود حریت پسند کشمیری مجاہدین کے ساتھ مل کر ان کے لیے "منصوبہ بندی کے مرکز" اور "راہنمائی کرنے والوں" کا کردار ادا کرنا تھا۔

۲۔ دوسری "فورس" کو Medium Penetration Force. کا نام دیا گیا۔ اس

"فورس" کو "پہلی فورس" اور اپنے درمیان رابطے اور بکھری کارروائیوں کے لیے [illegible] فرض ادا کرنا تھا۔ اس "فورس" نے بھی کشمیر کے کافی اندر گھس کر کام کرنا تھا۔

۳۔ "تیسری فورس" نے جنگ بندی لائن کے چند میل اندر داخل ہو کر دونوں دوسری عمل فورسز کے لیے ایک طرح سے "ہیڈکوارٹرز" کی حیثیت اختیار کرنا تھی۔

☆○☆

جنوری ۱۹۶۵ء میں آپریشن پر عمل شروع ہوا اور "پہلی فورس" کے یونٹ مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو گئے۔ اس سے پہلے "فورس نمبر۲" کے جانباز دوسرے مرحلے کے لیے منتخب مقبوضہ کشمیر میں کافی اندر تک گھس چکے تھے۔ ان کے ساتھ "معمولی گڑبڑ" یہ ہوا کہ ان میں سے کچھ ٹولیوں کا "بھاری جنگی سامان" نظروں میں آ گیا۔ یوں بھی اس سامان کا پوشیدہ رہنا ناممکن تھا۔

اس سامان کی اطلاع "مقامی مخبروں" نے انڈین انٹیلی جنس کو کر دی اور ان کی توقعات کے بالکل برعکس ابتداء ہی میں انہیں بھارتی فوج نے گھیرے میں لے لیا۔

آفرین ہے ان جیالوں پر کہ وہ کسی بھی مشکل کو خاطر میں نہ لائے اور لڑتے بھڑتے کسی نہ کسی طرح اپنی منزل یعنی سری نگر پہنچ گئے جہاں کشمیر کی تحریک کا سب سے سنگین مذاق ان کا مقدر بنا۔ جب انہوں نے میر واعظ کشمیر سے رابطہ پیدا کیا تو اس نے نہ صرف خود اسلحہ وصول کرنے اور پہنچانے سے انکار کر دیا بلکہ انہیں کسی بھی قسم کا تحفظ بہم پہنچانے سے بھی معذوری ظاہر کر دی۔

لیکن کچھ غیرت مند ابھی باقی تھے۔ انہوں نے بڑا جرات مندانہ قدم اٹھایا اور اپنی اور اپنے خاندانوں کی زندگی داؤ پر لگا کر پاکستانی کمانڈوز کی امداد پر تل گئے۔ اس سلسلے میں سری نگر کے "بٹ مالو ایریا" (Butmalo Area) کے مجاہدین کو تاریخ کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔

——انہوں نے ان کمانڈوز کو اپنے گھروں میں پناہ دی اور چھپا لیا۔

کچھ ایسی ہی صورت حال کا سامنا "دوسری فورس" کو بھی کرنا پڑا، لیکن وہ ہر طرح کا خطرہ مول لے کر "مقررہ علاقوں" تک بالآخر پہنچ گئے اور یوں مقبوضہ کشمیر کے اندر پاکستانی کمانڈوز اور بھارتی فوج میں باقاعدہ جنگ چھڑ گئی۔

بھارتی وزیر اعظم نے اس مرحلے پر بیان بازی کا ایک سلسلہ شروع کر دیا اور بآخر اسے

HBC

یہ دھمکی بھی دینا پڑی کہ اگر پاکستانی کمانڈوز مقبوضہ کشمیر سے باہر نہ نکلے تو وہ اپنی مرضی کا محاذ کھول دے گا ——— اس دھمکی کا واضح مطلب یہی تھا کہ ——— اب بھارت رن کچھ اور کشمیر کا بدلہ لینے کے لیے مغربی محاذ پر حملہ کرے گا ——— اور اس کے ساتھ ہی اس کی فوج نے بڑی تیزی سے مغربی سرحدوں کا رخ کر لیا۔

☆○☆

یہ مسئلہ پاکستانی کابینہ میں زیر بحث آیا تو ایک مرتبہ پھر وزیر خارجہ نے یقین دہانی کروائی کہ ——— اگر پاکستان مغربی سرحدوں پر بھارت کے لیے اشتعال پیدا نہ کرے تو امریکہ اس بات کی ضمانت دے رہا ہے کہ بھارت مغربی سرحدوں پر حملہ آور نہیں ہو گا اور امریکہ اسے کسی بھی صورت میں بین الاقوامی سرحد عبور نہیں کرنے دے گا۔

اب اس مسئلے پر "سیاسی سیانے" سر جوڑ کر بیٹھے کہ بھارت کو کس طرح یقین دلایا جائے کہ پاکستانی فوج "مغربی سرحدوں" پر اشتعال انگیزی نہیں کرے گی۔ پھر یہ "سیانے" خود ہی ایک فیصلے پر بھی پہنچ گئے اور مسلح افواج نے رن کچھ اور مقبوضہ کشمیر کی صورت حال کے پیش نظر جو دفاعی اقدامات مغربی محاذ پر کیے ہوئے تھے انہیں ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

حکم جاری ہوا کہ سرحدوں کے ساتھ ساتھ (خصوصاً لاہور فرنٹ پر) بنائی گئی تمام Forward Posts کو پیچھے ہٹا لیا جائے اور "متوقع حملے" کے علاقے میں جو بارودی سرنگیں (مائنز) دشمن کی پیش قدمی روکنے کے لیے دبائی گئی ہیں، انہیں صاف کر دیا جائے۔

"——— فارورڈ ایریا" کے کمانڈنگ آفیسر جو دشمن سے دو بدو جنگ کی آرزو نہ جانے کب سے اپنے سینوں میں پروان چڑھا رہے تھے اور جنہیں گردش حالات نے بہ مشکل دل کے ارمان نکالنے کا موقع بہم پہنچایا تھا، اس وقت سٹپٹا کر رہ گئے جب جنرل ہیڈکوارٹر سے انہیں اس قسم کے سگنل موصول ہونے لگے:

"خبردار! کوئی ایسی حرکت نہ ہو جسے "اشتعال انگیز" قرار دیا جا سکے۔"

وہ حیران ہوتے تھے کہ آخر اپنے ملک کی سرحدوں کے اندر کوئی دفاعی منصوبہ بندی کرنے سے دوسرے ملک کی فوجوں کو اشتعال کیسے آ سکتا ہے؟ بہرکیف ہائی کمان کی مہربانی سے بھارتی فوج کے لیے لاہور اور سیالکوٹ پر چڑھ آنے کے لیے میدان خود بخود

ہموار ہو گیا۔"

☆○☆

اگست کے اوائل ہی میں فورس نمبر ۲ نے جنرل اختر ملک کی کمانڈ میں "آپریشن" شروع کیا اور کشمیر پر پہلا بھرپور وار چھمب کے بائیں پہلو سے ہوا۔ ——— پاکستانی فوج نے بھارت کی "سب ایڈ کے" ۸ راجنٹز کو Sheru میں کچل ڈالا اور دشمن فوج کو رگیدتے ہوئے پاکستانی دستے دیوا، چھمب، کھوڑ، گموڑی اور باہمر اپنا حملہ مقصود Red Hill تک بغیر کسی قابل ذکر نقصان کے پہنچ گئے۔ یہ فورس دریائے توی کے کنارے کے ساتھ ساتھ پھیل گئی۔

۵ تا ۱۵ اگست کے درمیان یہ سارا علاقہ قبضے میں آ گیا۔ بھارت نے گورکھا بریگیڈ کے ساتھ جوابی حملہ کیا، لیکن منہ کی کھا کر اپنے زخم چاٹنے پر مجبور ہو گیا۔ پاکستانی فوج کی اچانک اور تیز یلغار نے بھارتی جوانوں کا مورال تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ ان کا مورال بلند کرنے کے لیے ہی بھارت کے مایہ ناز ماؤنٹین ڈویژن کو کشمیر کی سرحد پر ڈیپلائے کر دیا گیا ——— بھارتی سورما جانتے تھے کہ پاکستان کے پاس کوئی "ماؤنٹین بریگیڈ" نہیں ہے۔

۲۵ اگست کی رات بھارتی توپ خانہ حرکت میں آیا اور اس نے درہ حاجی پیر، بھارت گلی (ٹیٹوال سیکٹر) پر صرف بارہ گھنٹوں میں ۲۰ ہزار گولے داغ دیئے۔ اس اثناء میں پاکستانی فوج "قلیل نفری" کا شکار ہونے لگی تھی اور مفتوحہ علاقوں پر کنٹرول برقرار رکھنے کے لیے مزید نفری میسر نہیں آتی تھی۔ ٹیٹوال سیکٹر میں بھی صرف تین سو جوانوں کی ایک کمپنی باقی بچی جس کے پاس اس شدید اور تباہ کن گولہ باری کا کوئی "عملی جواب" نہیں تھا۔

۲۶ اگست کو دشمن نے پورے بریگیڈ کے ساتھ انفنٹری کا ایڈوانس کروایا۔ ہراول میں پیرا بٹالین تھی۔ دشمن اس رات بے پناہ جانی نقصان اٹھا کر تقریباً پچاس ساٹھ گز ایڈوانس کر گیا۔ ۲۷ اگست کی رات سکیم بدل کر دشمن نے رات ایک بجے حملہ کیا۔ اس مرتبہ دشمن کے بریگیڈ کو پورے ڈویژن کے توپ خانے کی مدد حاصل تھی۔

آٹھ دن تک دشمن آتش و آہن کی مسلسل اور موسلا دھار بارش کرنے کے بعد بالآخر درہ حاجی پیر اور بیڈوری کی چوکیوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ادھر حالت یہ تھی کہ پاکستانی پلاٹون میں سے جس کی نفری ۲۵ تھی، ۲۲ جوان شہید ہو چکے تھے۔

۳۰ اگست کی رات پونچھ کے شمالی پہاڑیوں سے دشمن کا توپ خانہ آگ برسانے لگا۔ اس نے "چاند ٹیکری" کو اپنی زد میں لے رکھا تھا۔ اس کا پلان پونچھ کے شمالی حصے سے

HBC

مگر کر تھا، پر قبضہ کرنا تو درکنار، دشمن تو اس سے بھی جو پلٹ اگلے روز لوا کرنی پڑی اس
کا تصور کیا اس نے کبھی نہیں کیا تھا
پاکستانی جوانوں کے قدموں تلے سسک رہی تھی۔ بھارتی
جو جنبری کی صبح جب ... پاکستانی ... نے دوبارہ وہیں پر قبضہ کر رکھا تھا
واقعہ کو بیورو نے ... پاکستانی کمانڈوز کی مسلسل کمیں گاہوں سے تنگ آکر بھارت نے اقوام
متحدہ سے کشمیر میں پاکستانی ... تھے —— پاکستانی ہائی کمان نے حملوں کا سلسلہ
تھا، کا ساتھ دیا اور سیل بیلٹ کا ... ہوتے ہی
روک دیا۔ پہلے سے مصروف پیکار جوانوں کو حکم ملا کہ اپنا قبضہ مستحکم کریں اور ایڈوانس
روک دیں۔ اس کے فوراً بعد تو حکم جاری ہوا کہ مقبوضہ علاقہ اسی طرح خاموشی سے خالی
کر دیا جائے جس طرح خاموشی سے اس پر قبضہ کیا گیا تھا۔ بادل نخواستہ اس عجیب و غریب
حکم کی پابندی میں تمام یونٹ ۲۸ اگست تک واپس اپنی سرحد پر پہنچ گئے۔

ابھی دو تین روز ہی گزرے تھے کہ ایک مرتبہ پھر ہائی کمان میں ابال آیا اور یکم ستمبر کو
حکم جاری ہوا کہ پہلے سے خالی کیے گئے علاقوں پر دوبارہ قبضہ کر لیا جائے۔ اس مرتبہ "مکمل
کارروائی" کرنے کی آزادی بھی میسر تھی۔

اس عجیب و غریب صورت حال نے جوانوں کو پریشان کر دیا۔ چوہے بلی کا جو کھیل ہائی
کمان ان کے ساتھ کھیل رہی تھی، اس نے فیلڈ ایریا میں موجود افسران کو چکرا کر رکھ دیا۔
انہوں نے دوبارہ حملہ گومگو کے عالم میں کیا، لیکن دشمن بھی اب لنگوٹ کس کر میدان
میں آ چکا تھا۔ اس نے بڑی تیزی سے اپنی مورچہ بندیاں نئے سرے سے بہت مضبوطی کے
ساتھ ترتیب دی تھیں۔

پہلے سے خالی کردہ علاقوں پر دوبارہ قبضہ کرنے میں کیا حکمت عملی کارفرما تھی؟
——اس کی سمجھ کسی کو نہیں آ رہی تھی۔
——اگر دشمن کو لمبا رکھنا مقصود تھا تو قابض ہونے کی صورت میں اس نے طیش
میں آکر کب مغربی سرحدوں پر حملہ کر دیا تھا؟ اور پھر —— اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ وہ
پاکستانی فوج کے پیچھے ہٹ جانے کے بعد اب اس کی مغربی سرحدوں پر حملہ نہیں کرے گا؟
ان سوالات کا جواب نہ تب کسی کے پاس تھا نہ اب ہے۔ ہوشیار اور تازہ دم دشمن پر
چڑھ دوڑنا بچوں کا کھیل نہیں ہوتا، لیکن آفرین ہے ان جانبازوں پر کہ جو جان توڑ کر لڑے۔
دشمن کے چوکنا ہونے کے باوجود اس کی مورچہ بندیوں کے زعم کو اپنے قدموں تلے روندتے

... فوج کی لائن پر آگے بڑھتے چلے گئے اور ... دشمن کے علاقے ... تک جا پہنچے۔

اس دوران ایک اور قیامت ان پر ٹوٹ پڑی جب ہائی کمان کے ... نے
ایڈوانس کرتے ہوئے چوبیس گھنٹوں کے لیے روک لیا ... اور ... بعد ...
لیتے رہے کہ اس علاقے میں کیا ٹینک کا استعمال ہو سکے گا؟
—— اور بھاگتا ہوا دشمن اس مہلت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے ... اپنی
مورچہ بندیاں مضبوط کرنے لگا۔

ان حالات میں کہ حملہ ہو چکا ہے اور کمانڈر کسی ایک ... کے ... گھنٹے
ضائع کر دیں (جبکہ ایک ایک لمحہ قیمتی ہو) ایسی کامیابی نصیب ہو جانا کہ ... نہ ہو
نہیں تو اور کیا تھا؟

چوبیس گھنٹوں کے بعد ہائی کمان اس نتیجے پر پہنچا کہ ٹینک یہاں استعمال ہو سکتے ہیں،
حالانکہ مقامی کمانڈروں نے پہلے ہی روز اس بات کی تصدیق کر دی تھی۔
—— چنانچہ ٹینک میدان کارزار میں لائے گئے، لیکن اب حملے سے ... حاصل کرنا قریب
ناممکن ہو گیا تھا کیونکہ ۲۴ گھنٹوں میں جو نقصان ہم نے اٹھایا تھا وہ اب ... بدلے سے
رہا۔

اور یہ سب کچھ کون اور کیوں سرانجام دے رہا تھا —— ؟ شاید تاریخ کے اوراق کبھی
اس راز کو اگل سکیں۔ فی الحال ہر کوئی خاموشی اختیار کیے ہوئے ہے۔ البتہ یہ بات ہم ضرور
بتانا چاہیں گے کہ اس پر ہی بس نہ کیا گیا بلکہ برسرپیکار افواج کا مورال تباہ کرنے کی ایک اور
سازش بھی کی گئی، وہ یہ کہ —— آپریشن کمانڈر جنرل اختر حسین ملک سے کمان واپس لے
لی گئی اور جنرل یحییٰ اس کی بجائے نئے کمانڈر بن گئے۔

موصوف نے آتے ہی مزید ایک دن "محاذ کی صورت حال" کو سمجھنے میں ضائع کر دیا اور
ان کے اس فیصلے نے میدان کارزار میں ترقی افواج پر نہایت منفی اثرات مرتب کیے اور
حملے میں سست روی آ گئی۔

لیکن اس سب کچھ کے باوجود کچھ مقامی کمانڈروں کی انفرادی ہمت اور جرأت کا مظاہرہ
حیرت رنگ لائے بغیر نہ رہا۔ وہ دشمن کو کاٹتے ہوئے ۵ ستمبر کو اکھنور کے بہت قریب تک
جا پہنچے اور پھر ۶ ستمبر کا دن اکھنور پر حملے کے لیے مقرر ہوا۔

HBC

پلان یہ تھا کہ اکھنور کی سڑک پر قبضہ کر کے دشمن کی سپلائی منقطع کر دی جائے اور اس کا رابطہ جموں کشمیر (مقبوضہ) سے بالکل کٹ دیا جائے۔

لیکن یہ خواب ادھورا ہی رہا۔

بھارت کے لیے سوائے اس کے اب کوئی اور چارہ نہ رہا تھا کہ وہ مقبوضہ کشمیر پر پاکستانی فوج کی یلغار روکنے کے لیے مغربی محاذ پر حملہ آور ہو جائے۔۔۔۔ اور اس نے ایسا ہی کیا۔

۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی علی الصبح بھارت نے لاہور پر ۳ ڈویژن فوج سے سہ طرفی حملہ کر دیا۔ برکی پر بھارت کے نمبر ۱۷ انفنٹری ڈویژن نے اور بھینی اور باٹا پور پر نمبر ۵ انفنٹری ڈویژن نے حملہ کیا۔ اس سہ طرفی حملے کو کمک دینے کے لیے نمبر ۲۳ ماؤنٹین ڈویژن ان کے ساتھ تھا اور امرتسر کے باہر ایک اور تازہ دم ڈویژن ریزرو میں تیار کھڑا تھا۔

ان سب ڈویژنوں کے ساتھ ایک ایک اضافی ٹینک رجمنٹ اور عقب میں کور کا توپ خانہ تیار کھڑا تھا۔

۶ ستمبر ہی کی صبح بیدیاں بیذورکس کی طرف سے قصور کے راستے لاہور تک پہنچنے کے لیے بھارت کے نمبر ۴ ماؤنٹین ڈویژن' نمبر ۴۱ ماؤنٹین بریگیڈ اور نمبر ۲ انڈی پنڈنٹ آرمرڈ بریگیڈ گروپ نے حملہ کر دیا۔

اس حملے کا نتیجہ یہ نکلا کہ مقبوضہ کشمیر میں پاکستانی دستوں کی پیش قدمی روک کر دفاعی پوزیشنیں اختیار کر لی گئیں اور وہاں سے فوراً بریگیڈ نکال کر لاہور کی طرف روانہ کیے گئے جہاں بلوچ رجمنٹ کی چند کمپنیاں دشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر اس کے حملے کا ڈٹ کا مقابلہ کر رہی تھیں۔

اس حملے کے بمشکل ۴۸ گھنٹے بعد انڈین ہائی کمان نے اپنے پلان کے مطابق ۸ ستمبر کی صبح سیالکوٹ سیکٹر میں زبردست حملہ کر دیا۔ اس حملے میں بھارت کے نمبر ۱ بکتر بند ٹینک ڈویژن (جس میں دو ٹینک رجمنٹیں' ۶۲ کیولری اور ۲ رائل لانسرز اضافی تھیں) نمبر ۲۶ انفنٹری ڈویژن اور نمبر ۶ ماؤنٹین ڈویژن نے ایک لڑاکا موٹرائزڈ بریگیڈ اور توپ خانے کی کم و بیش پانچ سو توپوں کی مدد سے جنرل ڈن کی کمانڈ میں حصہ لیا تھا۔

بلاشبہ یہ دنیائے حرب کی تاریخ کا بہت بڑا بکتر بند حملہ تھا۔ اس حملے نے کشمیر محاذ پر آگے بڑھنے کے امکانات بالکل ہی ختم کر کے رکھ دیئے تھے اور پاکستانی ہائی کمان نے اپنی ساری توجہ لاہور اور سیالکوٹ کو دشمن سے بچائے رکھنے پر مرکوز کر دی۔

جب دشمن نے للکارا

اور آخر۔۔۔ وہ ساعت بھی آ گئی جس کا ایک مدت سے شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا۔

۔۔۔بھارت نے پاکستان کے خلاف اپنی مرضی کا محاذ کھول دیا۔ برصغیر میں کفر اور اسلام کی جنگ شروع ہو گئی۔۔۔ ایک طرف سے لات و ہبل کے بے شمار پجاری جانے لگے تو دوسری طرف سے اللہ اکبر کے نعرے فضاؤں میں گونجنے لگے۔

۔۔۔اور انہی نعروں کی گونج میں اللہ کے سپاہی اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر چودہ سو برس پیچھے مڑ کر دیکھنے لگے۔ ان کی نظریں اس مقام پر آ کر ٹھہر گئی تھیں جہاں بدر کے مقام پر اللہ کے آخری رسول ﷺ اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنے جھنڈے سے کم کے نتیجہ کی دعا مانگ رہے تھے۔

"اے خدا! اپنی امداد کے وعدے کو نہ بھولنا۔ اے خدا! اگر۔۔۔ یہ مٹھی بھر سا گروہ فنا ہو گیا تو تیری حقیقی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔"

۔۔۔سر سے پاؤں تک اسلحے میں لیس کفار کہ مسلمانوں کو اپنے تیز رفتار گھوڑوں تلے کچلنے پر تلے ہوئے تھے اور آج بھی وہی کفار اپنے ٹینکوں پر سوار ہو کر انہی سرکار مدینہ کے غلاموں کو نیست و نابود کرنے کے لیے پاکستان کی سرحدیں عبور کر رہے تھے۔

دراصل شمع اسلام کی وہ ننھی کرنیں جو قرون اولیٰ کے مسلمان اس برصغیر پر روشن کر گئے تھے۔۔۔۔ وہ ہمیشہ ان کی آنکھوں میں کھٹکتی رہتی تھیں۔

۔۔۔اور آج وہ اسی روشنی کو معدوم کرنے کے لیے پاکستان کے در و دیوار کو مسمار کر دینا چاہتے تھے۔

کتنی مشابہت تھی اس وقت اور۔۔۔ اس دور میں! اس وقت بھی مسلمانوں کو اللہ پر بھروسہ تھا اور آج بھی ان کی آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

لاہور پر دشمن کے بے پناہ لشکر کو روکنے کی سعادت جنرل سرفراز خان کے حصہ میں آئی جن کے پاس صرف ایک ڈویژن فوج تھی۔ اس کا تناسب کچھ اس طرح بنتا تھا۔۔۔

HBC

ایک جنرل کا مقابلہ بھارت کے تین جنرلوں سے تھا۔ دشمن کے ۹ بریگیڈیئر ہمارے تین اور اس کی قریباً چار سو توپوں کے مقابلے میں صرف سو توپیں تھیں۔

جنگ کے دوسرے روز بعد دشمن نے اپنا پیرانڈو بریگیڈ نمبر ۵۰ بھی واہگہ کے میدان میں اتار دیا۔ اب اس کی نفری ۳۵ ہزار تک پہنچ گئی تھی جس کا مقابلہ ہمارے پانچ ہزار سرفروشوں نے کرنا تھا۔

۶ ستمبر ۶۵ء کو لاہور بارڈر کے ایریا کمانڈر نے "آرڈر آف دی ڈے" جاری کیا۔

"پاکستانی فوج کے جوانو! آخری سپاہی ــــ آخری گولی تک لڑو، سنگینوں سے، خالی ہاتھوں سے، ناخنوں سے لڑو اور دشمن کو نیست و نابود کر ڈالو۔ اپنے وطن کی زمین کا ایک انچ بھی دشمن کے ناپاک قدموں تلے نہ جانے دینا۔"

اس حکم نے جوانوں کے خون میں انگارے دوڑا دیئے۔ وہ جنونی کیفیت میں دشمن پر ٹوٹ پڑے اور واقعی تاریخ حریت کا وہ باب اپنے خون سے لکھ گئے جس کی سرخی اور عظمت ہمیشہ بڑھتی رہے گی۔

جنرل چوہدری نے اپنی نفری اور اسلحے کے زعم میں کہہ دیا تھا کہ وہ ۶ ستمبر کی صبح ۹ بجے لاہور جم خانہ میں شراب کی پارٹی اڑائے گا، لیکن وہ بھول گیا تھا کہ اس کا مقابلہ کس قوم سے ہے۔

بھارتی ٹڈی دل کا پہلا ٹکراؤ سرحدی محافظوں سے ہوا جو اپنی تھری ناٹ تھری گنوں کے ساتھ دشمن کے آرمرڈ ڈویژنوں کے سامنے ڈٹ گئے اور اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہلے جب تک کہ آہن پوش لشکری ان کے جسموں کو روندتے ہوئے نہ گزر گئے۔

اس دوران جنرل نے کچھ کمپنیاں نہر کے پار پہنچا دی تھیں جو سیسہ پلائی دیوار کی طرح غنیم کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئیں۔ ان خدا کے پراسرار بندوں نے دشمن کو پہلے ہی باقاعدہ معرکے میں احساس دلا دیا کہ وہ ناقابل تسخیر ہیں۔ ایک ایک کر کے وہ کٹتے گئے۔ اپنے خون سے عظمت کردار کی گواہی دیتے ہوئے یہ شیر دل صف شکن جیالے دشمن کے حملے کا زور توڑ کر ڈوگرائی تک آ گئے۔

جنرل جانتا تھا کہ یہ لوگ مر جائیں گے لیکن اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے۔ اس نے حکمت سے جوانوں کو ڈوگرائی تک پسپائی اختیار کروائی۔ اس کے ساتھ ہی پاکستانی توپ خانہ حرکت میں آ گیا۔ کرنل امداد علی کا نعرۂ مستانہ گونجا اور توپچیوں کے "اللہ اکبر" کے فلک شگاف نعروں نے فضاؤں کا کلیجہ چھلنی کر دیا ــــ ان کا سارا غضب ان کے گولوں میں سمٹ

آیا اور ایڈوانس کرتے دشمن کے پیادہ دستے گاجر مولی کی طرح کٹ کٹ کر گرتے گئے۔ سورج ڈھلتے ہی فضائیہ کی امداد آ گئی۔ شاہینوں کی پہلی "فارمیشن" خدا کا عذاب بن کر ٹڈی دل پر ٹوٹنے کو فضا میں بلند ہو چکی تھی۔ ان لوگوں کو سورۂ انفال کی یہ آیات لکھ کر پہنچا دی گئی تھیں۔

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مومنین کو جہاد کی ترغیب دو۔ اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کفار پر غالب آئیں گے۔ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (دین کو) کچھ نہیں سمجھتے۔

اب اللہ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے۔ سو اگر تم میں سے سو آدمی ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اللہ صابرین کے ساتھ ہے" (انفال ۶۶/۶۵)

لاہور کی فضاؤں میں پہنچتے ہی اس فارمیشن نے اپنے لیڈر کی کمان میں "سٹریٹ ہیئر" کراس کیا اور لاہور کی مقدس فضاؤں کو سلامتی کا مژدہ سناتے آگے نکل گئے۔

غیظ و غضب کے عالم میں فضائیہ کے یہ شاہین آہن پوش لشکریوں سے ٹکرا گئے۔ وہ زمین سے بمشکل سو ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی پر رہ کر دیوانگی کی سی کیفیت میں دشمن پر اپنی گنوں سے آگ اگل رہے تھے۔

ڈوگرائی سے اٹاری اور راوی سائفن سے ہڈیارہ تک انہوں نے جی بھر کے شکار کھیلا اور دشمن کو سمجھا دیا کہ لاہور اس کا مرگھٹ تو بن سکتا ہے ــــ مسکن نہیں۔ سرحدی شہروں کے وہ لٹیرے جو بسیں بھر بھر کر لاہور کی طرف اڑے چلے آ رہے تھے کہ یہاں ۴۷ء والے قتل عام اور لوٹ مار کی تاریخ دہرائیں گے، اب ان کی لاشوں کے گرد گدھ منڈلانے لگے تھے۔

پاکستان کی آرٹلری، انفنٹری اور فضائیہ نے دشمن کو احساس دلا دیا تھا کہ اسے لاہور تک پہنچنے کے لیے یہ تین ڈویژن کتے کی موت مروانے پڑیں گے۔

باٹا پور کا پل دشمن کے لیے پل صراط بن گیا تھا ــــ!

۷ ستمبر کی صبح اس پل کو اڑا کر پاکستانی جیالوں نے بھارتی ہرلول کی بدبختی پر آخری مہر ثبت کر دی اور ۶ ستمبر کی صبح نو بجے لاہور جم خانہ میں جشن فتح منانے والوں کے لیے ۸ ستمبر کی صبح اپنی لاشیں سمیٹنا ایک مسئلہ بن چکا تھا۔ دشمن کے بڑے حملے کا زور ٹوٹ چکا تھا

محض کمیانی بلی کمبا لوسپے کے مصداق تن نظری مروانے کے لیے میدان میں اتار رہا تھا۔

☆○☆

عین ان لمحات میں جنرل سرفراز نے تاریخ حرب کا انتہائی خطرناک فیصلہ کیا اور بریگیڈیئر قیوم شیر کی کمان میں Stick Force (ریزرو فوج) کو دشمن پر جوابی حملے کا حکم دے دیا۔ یہ بڑا عجیب فیصلہ تھا کیونکہ محفوظ فوج کی نفری خطرناک حد تک کم تھی۔

۸ ستمبر کی صبح حملہ آور فوج کے جیالے نہر پار کر گئے۔ انجینئرز نے ہنگامی پل بنا کر کچھ ٹینک بھی پار اتار دیئے تھے۔ بریگیڈیئر قیوم شیر نے بھینی کی طرف سے واہگہ پر اور بریگیڈیئر آفتاب نے شمال سے طوطی، رانی اور شمشیر پوستوں پر سرفروشانہ یلغار کی۔

یہ یلغار اتنی تیز اور زوردار تھی کہ دشمن کے پندرھویں ڈویژن کا کمانڈر جنرل نرنجن پرشاد اپنے ہیڈکوارٹرز کی چار جیپیں جن میں اس کی ذاتی جیپ بھی شامل تھی مع جنگی دستاویزات ․ بسین کے قریب چھوڑ کر بھاگ گیا اور ہماری محفوظ فوج نے بی آر بی کے پار مورچے قائم کر لیے۔ ڈوگرائی پر قبضہ کر کے ڈیڑھ میل آگے اپنا مورچہ بنا لیا۔ فائر بندی تک دشمن نے اس مورچے پر چھبیس حملے کیے اور اپنی کئی پلٹنیں اور ٹینک اس ناقابل تسخیر مورچے کی فتح کے لیے واصل جہنم کروا لیے، لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔

ہڈیارہ میں بھارتی سورمے گھوڑی اور ہڈیارہ کے دیہاتوں کا قتل عام کر کے اپنی بدبختی کا رونا رو رہے تھے۔ جب بریگیڈیئر اصغر نے دو بٹالین فوج کے ساتھ دشمن کے پورے ڈویژن کو للکارا۔

میجر شفقت بلوچ نے ہڈیارہ نالے پر دشمن کو روک لیا اور کرنل نواز کا توپخانہ دشمن پر آگ برسانے لگا۔ ہمارے او۔پی نے دشمن کے عین درمیان گھس کر ایمونیشن سے بھرے ٹرکوں کو نشانہ بنوا دیا۔ یہ ٹرک ہڈیارہ نالے کے پل پر سے گزر رہے تھے جب ان پر قیامت ٹوٹی جس سے پل بند ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی بچ جانے والے پلوں کی حفاظت کے لیے فرنٹیئر فورس کی آر آر جیپیں اور مشین گنیں پوزیشن میں چلی گئیں —— اور میجر شفقت بلوچ کو نہر پار کر آنے کا حکم مل گیا۔ دشمن کے سامنے ہڈیارہ سے برکی تک کا سارا علاقہ پڑا تھا، لیکن جہاں کہیں اس نے سر اٹھانے کی کوشش کی، مستعد اور بیدار او۔پی پوسٹوں نے اسے توپ خانے کی مدد سے کچل کر رکھ دیا۔

۱۰ ستمبر کو برکی پر دشمن کا حملہ اب تک کے بھرپور حملوں میں سے ایک تھا۔ دشمن کے

ٹینک اور انفنٹری برکی کے اندر گھس آئی۔ توپ خانے کے ... نے ایک چوبارے پر آبزرویشن پوسٹ قائم کر کے اتنی ... ٹینک رجمنٹ کا کمانڈنگ افسر بھی مارا گیا اور برکی کی گلیاں ان کے ... ان گنت بے شمار جلتے ہوئے ٹینکوں اور ٹرکوں سے بٹ ... میں جنگ ستمبر کا پہلا نشان حیدر میجر عزیز بھٹی کا مقدر بنا ... پاکستانی فوج کے صف شکنوں کا جنون تھا کہ ... انہیں نہیں ہلا سکی۔ وہ رات اپنے دامن میں انمٹ عظمت و کردار اور جان نثاری کی ... داستانیں لیے وقت کی گرد میں کھو گئی۔

اس معرکے کے بعد دشمن نے لاشعوری طور پر ... کے بعد وہ بزدلوں کی طرح مورچوں میں بیٹھ کر گولہ باری تو ... ایڈوانس کی جرات نہ کر سکا۔

اپریشن نیپال

بھارتی سورما اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ وہ ۷۲ گھنٹے کے اندر پاکستانی فوج کو مکمل مفلوج کر کے رکھ دیں گے۔ اس لیے سیالکوٹ پر حملہ اڑتالیس گھنٹے بعد کیا گیا۔ جو آپریشن آرڈر انہیں جاری ہوئے تھے ان کی رو سے حملہ آور فوج کو سیالکوٹ کا دفاع کچل کر گوجرانوالہ اور وزیر آباد کے درمیان جی ٹی روڈ کو کاٹ کر چناب تک کے علاقے پر قابض ہونا تھا۔

جنرل چوہدری اسی خوش فہمی کا شکار تھا کہ اول تو دو دن میں لاہور فرنٹ پر وہ پاکستانی فوج کی مدافعت مکمل ختم کر چکا ہو گا۔ اگر ایسا نہ بھی ہوا تو سیالکوٹ کا حملہ آور ڈویژن ایک انفنٹری اور ماونٹین ڈویژن کی مدد سے لاہور کے دفاع پر عقب سے حملہ آور ہو گا۔

بھارتی کمانڈر انچیف جنگی نقطہ نگاہ سے ایسی سوچ میں حق بجانب تھا۔ دنیا کا کوئی جنگی مبصر بھی اس کی جگہ یہی رائے قائم کرتا' لیکن وہ یہ بھول رہا تھا کہ اس کا مقابلہ گوشت پوست کے انسانوں سے نہیں' آہنی ارادوں کے مالک ان صف شکنوں سے ہے جو سرحدوں پر زندہ رہنے کی تمنا لے کر نہیں آئے تھے---- ورنہ اتنا زبردست حملہ اتنی قلیل تعداد اور نامکمل اسلحے کے ساتھ روک لینا کسی انسانی گروہ کے بس کی بات نہیں تھی۔

جنرل چوہدری نے سیالکوٹ پر تاخیر سے حملہ اس لیے کیا تھا کہ اپنی دانست میں وہ اس دوران پاکستانی ٹینک سکواڈرنوں کو لاہور' بیدیاں اور قصور کے دفاع پر بکھیر چکا ہو گا اور اس کے "آہنی ہاتھیوں" [illegible] مقابلے میں پاکستان کی ایک آدھ ٹینک رجمنٹ کیا کرے گی؟ اس نے دوسری چال یہ چلی [illegible] کے میدان کو پھیلاتا چلا گیا اور سیالکوٹ کے شمال سے جسڑ تک لڑائی کو پھیلا دیا۔ [illegible] میدانی علاقہ یوں بھی ٹینکوں کی جنگ کے لیے بڑا موزوں تھا۔

سیالکوٹ کے محاذ [illegible] پیٹھ میں خنجر گھونپنے کی سعادت جنرل ابرار حسین کے حصے میں آئی جن کی ماتحتی میں [illegible] بریگیڈیئر عبدالعلی' بریگیڈیئر نیازی' بریگیڈیئر مظفر الدین اور نامکمل بریگیڈیئروں کے ساتھ انٹیلی جنس کی اطلاعات پر دشمن کے استقبال کو موجود تھے۔

ہونے شروع ہو گیا۔

"دشمن کا حملہ چاوا کی طرف سے آ رہا ہے۔ [illegible]

دشمن کو برباد کر دو۔"

اس ڈویژن رینجرز اور فرنٹیئر فورس کے جوان [illegible] کھڑے ہو چکے تھے۔ لیکن آہنی قلعوں کی [illegible] آ رہا تھا۔

عبدالعلی نے انٹیلی جنس سے [illegible] دوسرا حکم کرنل [illegible] کو دیا کہ وہ اپنی ٹینک رجمنٹ کے ساتھ [illegible] لیں۔

یہ خودکشی کی حد تک دلیرانہ حکم تھا لیکن سوا اس کے کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

۸ ستمبر کی صبح طلوع ہونے تک دشمن کے سیاہ ہاتھ [illegible] حشرات الارض کی طرح پھیل چکے تھے۔ اس نازک گھڑی میں [illegible] عبدالعلی نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا اور دنیائے حرب کا دلیرانہ حکم جاری کیا۔ [illegible] ساتھ انفنٹری کو بھی حکم جاری ہو گیا۔

"آگے بڑھو اور دشمن کو نیست و نابود کر دو۔"

۲۵ کیولری کے تین سکواڈرن بھارتی آرمرڈ ڈویژن کا سر کچلنے کے لیے اپنی کمین گاہوں سے نکلے۔ اس کے ساتھ ہی ۲۴ بلوچ رجمنٹ کرنل شنواری کی کمان میں کفن بدوش میدان کارزار کی طرف روانہ ہو گئی۔

میجر محمد احمد کے سکواڈرن کو پھلوار کے قریب دشمن کے مست ہاتھیوں کی آنکھیں پھوڑنے کا حکم ملا اور جوش غضب میں وہ جنگی ترتیب کو بالائے طاق رکھ کر دشمن کے عین سامنے اس سے ٹکرا گیا۔ اس کے جان نثاروں نے اپنے سردار کے جذبہ شجاعت کی لاج رکھی اور دشمن کے سامنے آگ، لوہے اور خون کی دیوار تان کر کھڑے ہو گئے۔

اس کے ساتھ ہی شاہبازوں کی دھاڑیں گونجیں اور [illegible] طیاروں کی [illegible] گنوں سے دشمن کے ٹینکوں پر راکٹ پھٹنے لگے۔

چونڈہ کے میدان کے سینے پر سرفروشوں کے خون سے دنیائے حرب و ضرب کی انمٹ داستان رقم ہونے لگی۔ میجر احمد کا ٹینک ہٹ ہوا۔ وہ دوسرے میں پہنچ گئے ——— پھر تیسرے میں!

۷ ستمبر کو اطلاع ملی کہ دشمن سابیا کے علاقے میں اپنا بکتر بند ڈویژن جمع کر رہا ہے۔ بریگیڈیئر عبدالعلی نے "ریکی پٹرول" رات کو اس طرف روانہ کر دی جس نے اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر دشمن مورچوں سے گزرنے کے بعد واپس آ کر اس بات کی تصدیق کر دی کہ انٹیلی جنس کی اطلاعات صحیح ہیں۔

فوراً پاک فضائیہ حرکت میں آئی اور دشمن کے سابیا میں جمع ہونے والے بکتر بند ڈویژن کو وہیں دانوں کی طرح بھون کر رکھ دیا۔ یہ حملہ اتنا جارحانہ اور تیز تھا کہ دشمن بھونچکا رہ گیا اور شاہین اپنا کام کر کے واپس چلے آئے۔

اس دوران دشمن ظفروال کے علاقے میں "حملے کا دھوکہ" دیتا رہا، لیکن جنرل نیازی اس کی چال میں آنے کو تیار نہ ہوئے۔

دشمن کو اس کی اصلیت کا احساس دلانے کے لیے بریگیڈیئر مظفرالدین کے سربلند کمین گاہوں سے نکلے اور اس کی قلعہ بندیاں روندتے ہوئے جسڑ پر حملہ آور ہوئے۔ انہوں نے جسڑ کا پل اڑا کر چوہدری کے سورماؤں کی "دھوکے کی چال" کو بھارتی علاقے میں ہی دفن کر دیا۔

اس بکتر بند ڈویژن کو اپنے ارادوں سمیت وہیں موت کی نیند سلا کر بریگیڈیئر مظفر نے سیالکوٹ اور لاہور سیکٹر کو "دھوکے" کی زد سے محفوظ کر لیا۔ اس دوران ستمبر کی قلعہ بندیاں زمین بوس کرنے والے توپ خانے کا بڑا حصہ بریگیڈیئر امجد علی چوہدری کی کمان میں سیالکوٹ کی حفاظت کے لیے واپس آ گیا۔

چھ سو ٹینکوں کے ساتھ جنرل راجندر سنگھ کو سیالکوٹ پر بھیجا گیا جس نے صحرائے العالمین (دوسری جنگ عظیم) میں جنرل رومیل کی جنگی چالوں کا گہرا مشاہدہ کیا تھا اور خود کو ٹینکوں کی لڑائی کا چیمپئن سمجھتا تھا۔

یہ بے وقوف جنرل بھول رہا تھا کہ اس کا مقابلہ جنرل ابرار حسین سے ہے جس کا ہیرو سعد بن ابی وقاصؓ ایسا جرنیل تھا جس نے قادسیہ کے میدان میں ایسے ہی "اصحاب فیل کے لشکر" روندتے ہوئے تاریخ حریت کا وہ باب لکھا تھا جو آج حربی تاریخ میں سنہرا باب ہے۔

دشمن کا پہلا ٹکراؤ بریگیڈیئر عبدالعلی سے ہوا جنہیں انٹیلی جنس رپورٹ ملی تھی کہ دشمن نمبر ایک پر چڑھ آیا ہے۔ بریگیڈیئر پچھلے تیس گھنٹوں سے مسلسل بیداری کی حالت میں تھے اور پچھلی ہی رات زبردست لڑائی سے ان کے اعصاب کھنچے ہوئے تھے۔ بریگیڈیئر [illegible] نے وائرلیس پر اپنے ٹینک کمانڈر کو چائے کی پیالی کا لمبا گھونٹ حلق میں انڈیلتے

ان کا جسم زخموں سے چور چور اور وردی خون میں رنگین ہو رہی تھی' لیکن پیچھے ہی سکواڈرن کمانڈر پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔ میجر احمد کو بیہوشی کی حالت میں زبردستی پیچھے لے جایا گیا اور کیپٹن فرخ خان نے ان کی جگہ سنبھالی۔

میجر آفندی کے ٹینک ڈگری اور تمغہ سے دشمن پر نعرۂ مستانہ بلند کرتے ہوئے یلغار کرتے رہے تھے۔ انہوں نے دشمن کی ساری پیش قدمی کو وہ سبق سکھایا کہ انہیں اپنی زرہ بکتر بدلنے پر مجبور کر دیا اور اس جنگ کے بعد سے دشمن نے اپنے ٹینک رسالوں کے ترتیبی نظام کا از سر نو جائزہ لے کر اس کی اصلاح کی تھی۔

تیسرا سکواڈرن میجر رضا خان کی کمان میں نعرۂ تکبیر بلند کرتا دونوں پہلوؤں سے مصروف جنگ سکواڈرن کی مدد کو پہنچ گیا۔

اس کے ساتھ ہی مورچہ بند ۲ پنجاب رجمنٹ کے میجر محمد حسین نے جن کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا' اپنے گوشت پوست کے جوانوں کو حکم دیا کہ وہ دشمن کی آہنی دیواروں میں راستے بناتے ہوئے نکلیں اور اس کو بتا دیں کہ ہم بدر کے سپاہی ہیں اور تیرہ سو سال پرانی تاریخ دہراتے ہیں۔

اس حکم کو پاگل پن کی انتہا کہا گیا' لیکن خدائے وحدہ لاشریک کی قسم! اگر چونڈہ کے میدان میں ایسے پاگل موجود نہ ہوتے تو دشمن کے بھیڑیے معصوم پاکستانیوں کی رگوں سے خون نچوڑ لیتے۔

سیکنڈ پنجاب رجمنٹ کے جیالے جتھوں میں آر آر گنیں لگا کر دشمن کے ٹینکوں کے سامنے ڈٹ گئے۔ راکٹ لانچر کندھوں پر اٹھائے سربلند غازی میدان کارزار میں دشمن کے سامنے لیٹ گئے اور اسے للکارا کہ آؤ ہمارے جسموں کو روند کر آگے بڑھو۔

یہیں سے اس روایت نے جنم لیا کہ پاکستانی جوان ٹینکوں کے سامنے جسم سے بم باندھ کر لیٹ گئے تھے۔

اس حملے نے دشمن پر دہشت طاری کر دی۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس کا مقابلہ انسانوں سے نہیں' یہ تو کسی اور ہی عالم کی کوئی مخلوق ہیں۔ ملک و ملت کے لیے قربانی کا یہ عظیم الشان مظاہرہ انسانی فہم و ادراک سے بالاتر تھا۔

غنیم کے لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ اس کے آہنی قلعے زمین بوس ہونے لگے۔ گوشت پوست کے انسان ہاتھوں میں گرنیڈ پکڑے' دشمن کے انتہائی نزدیک پہنچ کر اس کے ٹینکوں پر جھپٹے اور خود بھی واصل حق ہو جاتے۔

میجر حسین نے اس پر بس نہیں کیا [illegible]

مشاورت کی اور بریگیڈیئر عبدالعلی ملک کی اجازت [illegible]

ایڈوانس کر رہی تھی اور میجر رضا کے ٹینک [illegible]

تھے۔

[illegible] معرکہ ہرگز اتفاقی نہیں تھا اس لیے ان تیاریوں میں [illegible]

دشمن اٹھارہ سال تیاری کرنے کے بعد اپنے [illegible]

وہ بھول رہا تھا کہ اس کا مقابلہ ہم فضاؤں سے نہیں [illegible]

ایڈوانس کرتے تمغۂ جرأت کے حوالدار نے کہا [illegible]

آج بے غیرت نہ ہو جانا۔"

ایک اور مورچے سے کوئی خدا کا شیر گرجا۔

"مسلمانو! جس نے آج پیٹھ دکھائی اس پر خدا کا غضب ہو کہ خدا وہ اپنے باپ کا بچہ نہیں۔"

اس للکار نے سربلندوں کے دلوں میں آگ لگا دی۔ وہ بے جگر جیالے کون تھے؟ کہاں سے آئے تھے جنہوں نے بدر و حنین کے مجاہدوں کا لہو گرما دیا تھا۔ ہم نہیں جانتے —— لیکن وہ ہماری تاریخ کا مان ہیں۔ ایک عالم نے ان کی سرفروشیوں کو نذر عقیدت کی۔

چونڈہ کے چپے چپے پر بکھرے خون کی ایک ایک بوند اپنے دامن میں ہزاروں شجاعت و حریت کی کہانیاں سمیٹے ہوئے ہے۔ سیالکوٹ کے میدانوں کی بوٹی بوٹی کو ان خدا کے پراسرار بندوں نے اپنے خون سے سیرابی بخشی تھی۔

نعرۂ تکبیر بلند کرتے یہ دیوانے معرکے میں اپنے خون سے طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک وہ کہانی لکھ گئے جو تاریخ کے سینے پر ہمیشہ جگمگ جگمگ کرتی رہے گی۔ انہوں نے ابتدا ہی میں دشمن کی کمر توڑ دی اور دنیا بھر کے ماہرین حرب و ضرب نے انگلی زبان دانتوں تلے دبالی کیونکہ وہ اس "معجزے" پر یقین نہیں کر سکتے تھے۔

جنگ کے آخری لمحات تک غازیان صف شکن شجاعت و ہمت کی انمٹ داستانیں رقم کرتے رہے اور انہوں نے "آپریشن نیپال" کو دہلی کے جی-ایچ-کیو کی فائلوں تک میں موت کی نیند سلا دیا۔

☆○☆

HBC

محاذوں پر بھی دشمن کا یہی حشر ہوا۔ کھیم کرن، راجستان کا ہزاروں مربع میل علاقہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور عین اس لمحے میں جب یہ جیالے دشمن کی کمر توڑنے کے بعد اس پر کاری ضرب لگانے کے لیے آگے بڑھنے والے تھے، پاکستانی سٹرائیک فورسز تیار کھڑی تھیں، سیاسی بازی گر میدان میں اتر آئے۔

ان سیاسی بندروں نے میدان کارزار میں جیتا ہوا معرکہ تاشقند کی میز پر ہار دیا اور وہ قربانیاں اپنا مول چکانے سے محروم رہیں جو شہیدوں نے اپنی ملت، مذہب اور ملک کے لیے دی تھیں۔

آخری حصار

سری نگر کے چپے چپے سے شیرو کی پرانی آشنائی تھی۔

۔۔۔۔۔ یہ تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ زندگی میں دوبارہ اس جگہ آئے گا۔ کبھی کشمیر کی جنگ آزادی میں حصہ بھی لے سکے گا۔ اس نے اپنی دانست میں اپنے اندر سوئے شیرو کو مار ڈالا تھا، لیکن آج جس طرح انگڑائی لے کر وہ دوبارہ بیدار ہوا ۔۔۔۔۔ یہ اس کے گمان میں نہیں آ سکتا تھا۔

کیپٹن اشرف خان اور اس کے پانچ ساتھیوں کی راہنمائی کے فرائض اسے سونپے گئے تھے۔

ان لوگوں نے بارہ مولا کے راستے سرحد عبور کی تھی اور سری نگر تک وہ بخیریت کیوبل تاتر کے پہنچ چکے تھے۔ کیپٹن اشرف خان کو جس ٹھکانے پر پہنچنے کی ہدایت دی گئی تھی، وہ ٹھکانہ ان لوگوں کی آمد سے پہلے ہی دشمن کے ہتھے چڑھ چکا تھا اور اب اسے تمام اقدامات اپنی فراست کے ساتھ انجام دینے تھے۔ وہ لوگ یہاں سبوتاژ کارروائیوں کے لیے آئے تھے۔ سری نگر کا محلہ "بٹ مار" ان کی پناہ گاہ بن چکا تھا۔

یہاں آ کر شیرو کے زخم پھر ہرے ہو گئے تھے۔ اسے علم ہوا تھا کہ نبی خان اور اس کے بہت سے پیارے اس معرکے میں جام شہادت نوش کر گئے تھے۔ آسیہ کے بھائی سری نگر چھوڑ کر مہاراشٹر کی طرف نکل گئے تھے۔

وہ ان مقامات پر دیوانہ وار گھومتا رہا جو کبھی اس کی آماجگاہ رہے تھے۔ اس کی بے تاب نگاہوں نے اس زمین کے چپے چپے کو بوسہ دیا جہاں اس کی معصوم بچی اور بے گناہ بیوی کا خون بہایا گیا تھا۔

یہاں کی ہواؤں سے اسے اپنی بچی اور بیوی کے خون کی مہک آ رہی تھی، لیکن آج وہ مجبور اور بے بس نہ تھا۔ اس نے سوچا: "آج وہ اکیلا نہیں۔ وہ آج پاکستانی فوج کے ایک سپاہی کی حیثیت سے یہاں آیا ہے۔ اب وہ گن گن کر اپنے پیاروں کی موت کا بدلہ لے

HBC

کہ---- اس نے سوچا: "آسیہ' مالکہ اور اس کی ماں اور دوسرے شہید ساتھیوں کی روحیں
کتنی خوش ہوں گی آج۔"

ہر روز شیرو کی رہنمائی میں پاکستانی کمانڈوز کی ٹولیاں رات ڈھلتے ہی اپنے مشن پر نکلتیں
اور صبح ہونے سے پہلے کوئی نہ کوئی کارنامہ انجام دے کر واپس آ جاتیں۔ یہ کام وہ اکیلے ہی
نہیں' وہاں موجود حریت پسندوں کے بہت سے گروپ کر رہے تھے۔ ان کے کارناموں سے
ایک عالم باخبر تھا۔ پاکستان کے جی-ایچ-کیو میں ان کی جاں نثاریوں کی رپورٹیں مرتب ہو رہی
تھیں۔ ۵ ستمبر سے ۲۳ ستمبر تک انہوں نے دنیائے حریت کے وہ انمٹ باب نقش کر دیئے
کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔

اسی رات فائر بندی ہو گئی اور جیالوں کو جنہوں نے نتائج سے بے پروا ہو کر ہر قسم کی
مدد سے بے نیاز انتہائی سنگین حالات اور منافقانہ ماحول میں جنگ جاری رکھی ہوئی تھی اور
جنہوں نے اب اپنے قدم خاصے مضبوط کر لیے تھے' اچانک حکم ملا کہ اپنے مستقر پر واپس آ
جائیں۔ انہوں نے یہ کامیابیاں یونہی حاصل نہیں کی تھیں۔ بمشکل گنتی کے چند خوش
قسمت ہی زندہ لوٹے تھے۔ ان کے تین چوتھائی ساتھی شہید ہو چکے تھے۔ خود شیرو اور اس
کے ساتھیوں کا یہ عالم تھا کہ کیپٹن اشرف خان اور ایک نائیک زندہ بچے تھے۔ یہ نائیک بھی
زخمی تھا۔ گولی اس کے بازو سے گزر گئی تھی۔ باقی تمام ساتھی مختلف مہموں میں اپنی جانوں کا
نذرانہ کشمیر کی آزادی کو پیش کر چکے تھے۔

مقبوضہ کشمیر سے جو لوگ اس جہاد آزادی میں حصہ لے رہے تھے' ان کے متعلق سب
کو علم تھا کہ وہ تو زندہ درگور ہو کر رہ گئے تھے---- پاکستانی انہیں دشمن کے رحم و کرم پر
چھوڑ کر جا رہے تھے اور دشمن ان کے ساتھ جو سلوک کرنے والا تھا' اس کے تصور ہی سے
رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

☆○☆

جنگ بندی کے ساتھ ہی دشمن نے اپنی انتقامی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ سری نگر میں
پاکستانی کمانڈوز کی جائے پناہ "بٹ مالو" شروع ہی سے ان کی نظروں میں کھٹک رہی تھی۔ ۲۲
ستمبر کی رات کو بھارت کی ۲ بٹالین فوج نے اس سارے علاقے کو اپنے گھیرے میں لے کر
بستی والوں کو وارننگ دی کہ وہ ایک گھنٹے کے اندر اندر یہاں چھپے ہوئے تمام پاکستانی کمانڈوز
اور ان کے حامیوں کو بھارتی فوج کے سامنے پیش کر دیں ورنہ اس سارے علاقے کو تہس
نہس کر دیا جائے گا

آفرین ہے خدا کے ان پراسرار بندوں پر کہ انہوں نے کسی بھی پاکستانی کمانڈو کو پیش
کرنے سے انکار کر دیا اور پاکستانی کمانڈوز کی مدد سے جگہ جگہ مورچے قائم کر لیے۔ مقررہ
مدت گزرنے پر بھارتی فوج حرکت میں آ گئی۔ اس نے اس علاقے پر گولہ باری شروع کر
دی۔

محصور سرفروش بھی جان سے لڑے' لیکن یہاں مقابلہ [illegible]
تھا۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے اندر بھارتی سورماؤں نے بٹ مالو کو اس کے ہزاروں مکینوں سمیت'
جن میں زیادہ تعداد عورتوں اور بچوں کی تھی' راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ انہوں نے کسی ایک شہری
کو بھی زندہ بچ کر نکل جانے کا موقع نہ دیا اور جی بھر کے خون کی ہولی کھیلنے کے بعد اس
علاقے پر بلڈوزر چلا کر زمین بوس کر دیا۔

بربریت کا یہ مظاہرہ دنیا بھر کے پریس نے دیکھا اور اسے تصویروں سمیت شائع کیا' لیکن
عالمی ضمیر نہ جاگا۔ سوائے اکا دکا بے بس آوازوں کے اور کوئی آواز ان کے حق میں بلند نہ
ہوئی۔

شیرو اور اس کے ساتھیوں کی خوش قسمتی تھی کہ وہ اس رات "بٹ مالو" میں موجود
نہیں تھے۔

☆○☆

شیرو کو سنبھالنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ وہ پچھلے ڈیڑھ دو ماہ سے ہر معرکے میں ان کا
ساتھی رہا تھا۔ اس مرتبہ جس تیزی کے ساتھ سارے کشمیر میں جنگ کا شعلہ بھڑکا تھا' اسے
یقین ہونے لگا تھا کہ اب دنیا کی کوئی طاقت اس کے کشمیر کو غلام نہیں رکھ سکتی' لیکن اس
مرتبہ اس کے خواب کی تعبیر اتنی بھیانک تھی کہ اس کے اوسان خطا ہونے لگے۔ وحشیوں
اور دیوانوں کی طرح وہ اپنی بوٹیاں نوچ کر رہ گیا۔

----اس نے کئی بار شرفو کا گریبان پکڑ کر اس سے پوچھا تھا کہ وہ کیوں اسے دوبارہ
کشمیر لے کر آیا تھا؟

شرفو کے پاس اس کے ان جلتے ہوئے اور جلا دینے والے سوالوں کا کوئی جواب نہیں
تھا۔ خود وہ دیوانوں کی طرح فضاؤں میں بے مقصد گھورتا رہتا اور شیرو کے بضد ہونے پر
صرف ایک ہی بات کہہ دیتا۔ "شیرو! ہم سپاہی ہیں۔ ہمارا کام سوچنا نہیں' عمل کرنا ہے۔ جیسا
حکم ہمیں ملے گا ویسی ہی تعمیل ہم کریں گے۔"

"لیکن میں تو انسان ہوں۔ میرے احساسات تو زندہ ہیں۔ پتھر کا بت نہیں ہوں میں۔"

وہ اب بھی شیرو اپنی لال ... [illegible]
[illegible] اور جلد ہاروں [illegible] ... کمزور کر دیا۔
وہ لوگ ان کو لیں ... [illegible]
انسان ان چلے تھے۔ ان کا تیسرا ساتھی ... [illegible] تھا۔ شیرو ... [illegible] اس کی جان ... [illegible] ان تینوں میں عادل ... [illegible] اگر تھا تو کیپٹن اشرف خان۔

شیرو کے لاکھ منع کرنے پر بھی وہ ... [illegible] سے پہلے وہ زہراں ... [illegible] تھا۔ اس نے یہ کام واپسی کے لیے رکھا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ زہراں کے سامنے کیا منہ لے کر جائے گا اور کیپٹن اشرف خان یہ کہنے سے قاصر تھا کہ اگر شیرو اس کی بیوی سے ملنا کیوں نہیں چاہتا؟

وہ شیرو کی توجہ ہٹانے کے لیے بظاہر اس سے اپنے دونوں بیٹوں خالد اور طارق کی باتیں کرنے لگا۔ اس نے شیرو کو پوچھ سے بچھڑنے سے اب تک کے ایک ایک لمحے کی کہانی سنا دی تھی۔ اپنے اور زہراں کے متعلق ایک ایک بات اس نے شیرو کو بتا دی تھی۔ صرف شیرو کے زندہ ہونے کی اطلاع پر زہراں کے ردعمل سے اس نے شیرو کو آگاہ نہیں کیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ یہ سب کچھ شیرو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

☆○☆

بارہ مولا تک کا سفر عافیت سے طے ہو گیا۔ اب انہیں "پل سرالہ" عبور کرنا تھا۔

بھارتی سورما جانتے تھے کہ پاکستانی کمانڈوز کو اب واپس جانا ہے۔ انہوں نے تمام سرحدی علاقے پر پھیل کر ان کے "استقبال" کی تیاریاں مکمل کر رکھی تھیں۔

سدھائے ہوئے کتوں کی زنجیریں ہاتھوں میں تھامے وہ ان "گمشدہ بیٹوں" (کمانڈوز) کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ وہ حشرات الارض کی طرح پہاڑی ناہمواروں کے چپے چپے پر رینگ رہے تھے۔ خون آشام بھیڑیوں کی طرح اپنی سرخ اور لمبی زبانیں باہر لٹکائے ان "بدقسمت غازیوں" کے منتظر تھے جو لاکھ خواہش کے باوجود "مرتبہ شہادت" سے سرفراز نہ ہو سکے تھے۔

انہیں مسلسل سفر کرتے آج تیسرا دن تھا۔ شام کے وقت ایک سرحدی علاقے میں ایک پہاڑی کی کھوہ میں چھپے ہوئے تھے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] "... [illegible]"

[illegible] اشرف خان کو مخاطب کیا۔
"ہوں؟"

"میرا ادھر سری نگر میں اپنے ماتحتوں کے تمام ہونے ... [illegible] ... [illegible] واپس جانا۔ ہم اپنی ٹولی کے ... [illegible] ... [illegible] زندہ"

"جوان! حوصلہ کرو" وہ بہرحال اس کا کیپٹن تھا۔ "سب اللہ کی مرضی سے ملاقات ہوا۔ جان ہے قدرت نے ہمیں کسی اگلے معرکے کے لیے زندہ بچا رکھا ہے۔ ہم پھر آئیں گے۔ خدائے وحدہ لاشریک کی قسم! اگر ہماری مائیں غیرت مند تھیں اور ہم نے حلالوں کے گھروں میں جنم لیا ہے تو ہم "بٹ مالو کے شہداء" کا انتقام ضرور لیں گے۔ ہم کشمیر کو درندوں سے پاک کر کے دم لیں گے۔"

اور اس کے جوان نے سر جھکا کر اس کی بات پر صاد کر دیا۔

شیرو ان دونوں سے ---- ماحول سے حالات سے بالکل لاتعلق ان کی طرف پیٹھ موڑے خلاؤں میں ٹکٹکی باندھے اپنا کھویا ہوا نشیمن تلاش کر رہا تھا۔

----اس کے عقب میں سورج کے لہو میں لتھڑی ہوئی شام کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ ایک پراسرار سی ہوا پورب کی سمت سے سیٹیاں بجاتی درختوں اور ماحول کا سینہ چھیدتی آہستہ آہستہ پچھم کی سمت بہنے لگی تھی۔ ان کے چاروں اطراف پھیلے چیڑ اور دیودار کے درخت زور زور سے ان کی بربادی اور الم ناک ... [illegible] کا ماتم کرنے لگے تھے۔ انسانیت کی بے حسی اور کشمیر کی بدنصیبی پر بوڑھا آسمان آنسو بہانے لگا تھا اور بادلوں کے وہ سیاہ ٹکڑے جو ان کا مقدر بن کر تینوں کے سروں پر سایہ فگن ہو گئے تھے اب بوند بوند ٹپکانے لگے۔ پھر آسمان کا کلیجہ شق ہوا اور ایک کوندا لپکا۔ اس کے ساتھ ہی موسلادھار بارش

شروع ہو گئی۔ انہوں نے اپنے لبے کوٹ پہن لیے اور کموہ کے منہ پر آن کھڑے ہوئے تھے۔

"چلنا چاہیے۔" شیرو نے زور دے کر یہ لفظ ادا کیے تھے۔ اس کے حلق میں کوئی پھانس سی اٹک گئی تھی اور اسے کئی مرتبہ اپنا دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔

"جوانو! اگر دشمن سے مقابلہ ہوا تو میں تمہیں کور دوں گا۔ تم لوگ پیچھے نکلو گے۔ میرا انتظار پندرہ منٹ کرنا ہے۔ اس کے بعد خود سرحد پار کرنے کی کوشش کرنا۔ گرفتار ہو جاؤ تو دشمن کو اپنے نام اور رینک کے سوا اور کچھ نہ بتانا۔" کیپٹن اشرف فارمیشن میں آ گیا۔

شیرو اسٹین گن تھامے ان دونوں کے آگے چل رہا تھا۔ درمیان میں انہوں نے زخمی نائیک کو کور دیا ہوا تھا جس نے اپنا زخمی بازو گلے میں بندھے گن سلنگ میں لٹکا رکھا تھا اور دوسرا ہاتھ اپنے پوچ کے بالکل اوپر رکھا ہوا تھا تاکہ کسی بھی لمحے وہ ہینڈ گرنیڈ نکال کر پھینک سکے۔

اپنی دانست میں شیرو انہیں بہت محفوظ راستے پر لے جا رہا تھا۔ رات گہری ہونے لگی تھی۔ بارش کا سلسلہ اب ختم چکا تھا۔ آسمان کی سیاہیوں میں سے ڈرتے ڈرتے کبھی کبھی چاند ان کی طرف جھانک لیتا' لیکن پھر اپنا منہ اندھیروں میں چھپا کر روپوش ہو جاتا۔ اچانک ہی جیسے اس اندھیرے میں سورج نکل آیا۔ یکدم آٹھ دس زبردست دھماکے ہوئے اور فضاؤں میں آگ لگ گئی——— دشمن نے اچانک روشنی راؤنڈ فائر کر کے ماحول کو ننگا کر دیا تھا۔

"کم آن——— دس وے۔" کیپٹن اشرف خان نے دونوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں گن تھامے ہوئے بائیں ہاتھ سے ایک ٹیکری کی طرف اشارہ کیا۔

وہ بندر کی سی پھرتی سے ایک دوسرے کے تعاقب میں اس کے پیچھے ہو گئے۔ "تم دونوں آہستہ آہستہ پیچھے نکلو۔" شرفو نے سرگوشی کی۔

"سر!" اس کے نائیک نے سسکاری لی۔

"مودو!" اشرف خان کی سرگوشی میں تنبیہہ بھی موجود تھی۔

"شیرو!!" شیرو نے کچھ کہنا چاہا۔

"شیرو خدا کے لیے! وقت کم ہے....... بحث نہ کرنا۔"

"ہینڈز اپ! تم لوگ ہر طرف سے گھیرے میں آ چکے ہو۔" کسی نے ماؤتھ ا- یملی فائر

سے کہا۔

"ظالم" شرفو کے منہ سے بمشکل نکلا۔

دونوں پہلی [illegible] اس کی آڑ میں پہنچ ہوئے پیچھے [illegible] گئے۔ اس سے [illegible] گن چلنے کی آواز سنائی دی۔ گولیاں اس ٹیکری سے [illegible] [illegible] رہی تھیں۔

دونوں [illegible] بھاگتے چلے آ رہے تھے۔ ایک قدرے [illegible] ٹیکری کے پیچھے وہ رک گئے کیونکہ اب فائرنگ کی آوازوں میں شرفو کی [illegible] بھی سنائی دینے لگی تھی۔ پھر کچھ [illegible] زوردار دھماکے ہوئے [illegible] شرفو نے ہینڈ گرنیڈ پھینکے تھے۔

دونوں بے چینی سے اس کے منتظر تھے۔ [illegible] ——— دس منٹ کے جان لیوا انتظار کے بعد انہیں ایک سایہ اپنی طرف زمین سے [illegible] رینگ کر آتا دکھائی دیا۔ شیرو نے دیوانہ وار اپنی جگہ سے [illegible] قریب جا گرا۔

"شرفو....... خیریت تو ہے.......؟" اس کے منہ سے بمشکل نکلا۔

"کچھ نہیں....... کچھ نہیں۔" کہتے ہوئے شرفو نے اٹھ کر کھڑے ہونا چاہا لیکن چند انچ اوپر اٹھنے کے بعد ہی وہ منہ کے بل آگے کو جا گرا۔ شیرو نے بجلی کی سی پھرتی سے جھک کر اسے اٹھایا اور قریباً گھسیٹتا ہوا اسے اسی ٹیکری کے پیچھے لے آیا۔

نائیک اپنے کیپٹن صاحب کی حالت پر تڑپ اٹھا۔ شرفو کو کوئی کاری زخم لگا تھا۔ اس کے ساتھ ہی دوبارہ فائرنگ شروع ہو گئی۔

"آؤ نکلیں یہاں سے۔" شیرو نے نائیک کو مخاطب کیا اور شرفو کے "نہ نہ" کرنے کے باوجود اسے اپنے کندھے پر ڈال کر جھاڑیوں اور جنگلی گھاس کے اس سلسلے میں جا گھسا جس کا اختتام سرحد پر ہوتا تھا۔

ایک قدرے محفوظ جگہ پہنچ کر اس نے شرفو کو زمین پر لٹا دیا۔ اس کے کوٹ کے بٹن کھولے تو سینے پر لہو کا دریا تیرتا دکھائی دیا۔

"سر——— ! سر———!" اس کا نائیک سسک پڑا۔

"فیلڈ پٹی نکالو۔" شیرو نے انتہائی ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے نائیک سے کہا۔

اس نے شرفو کی قمیص سامنے سے پھاڑ ڈالی۔ اس کے سینے پر ایک گہرا گھاؤ شیرو کا منہ چڑا رہا تھا۔ بڑے حوصلے سے کام لے کر اس نے شرفو اور نائیک دونوں کی فیلڈ پٹیاں اس کے

HBC

زخم پر رکھ کر باندھ دی۔ نائیک بے بسی، جوش، غصے اور دکھ کے عالم میں اپنا سر اب تک کئی مرتبہ جھٹک چکا تھا۔

شرفو نے ابھی تک منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا تھا۔ وہ چپ چاپ اپنے جگری یار کی طرف دیکھتا رہا تھا اور پھر آہستہ آہستہ بولا۔ "شیرو بھائی! اس مرتبہ میں تمہیں نہیں جیتنے دوں گا۔" اس نے رک رک کر کہا اور تھوڑا سا کھانسا ــــ "پانی......!" اس کے منہ سے نکلا۔

نائیک نے اپنی بوتل اس کے منہ سے لگا دی۔ شرفو نے دو تین گھونٹ پی کر بوتل پرے ہٹانے کا اشارہ کر دیا۔ گولیاں ان کے گرداگرد انگاروں کی طرح تڑپ رہی تھیں۔ شیرو نے دوبارہ اسے اپنے کندھے پر ڈال لیا۔ بمشکل چند گز چلنے کے بعد ہی اس نے شرفو کی کراہ سنی۔

"مجھے ذرا لٹا دو۔" اس نے بڑی مشکل سے شیرو تک اپنی آواز پہنچائی۔

شیرو نے اسے ایک قدرے ہموار جگہ پر لٹا دیا۔ شیرو نے محسوس کیا کہ اس کا نائیک رونے لگا تھا۔ وہ ان سے ذرا پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

"شیرو! میرے بھائی! تم نے......... ایک روز......... تین امانتیں مجھے سونپی تھیں......... افسوس میں تمہاری ماں اور چاچا کو نہ بچا سکا مگر......... آج میں......... تین امانتیں تمہیں سونپتا ہوں......... شیرو! پانی۔"

پتھر کے انسان نے بوتل کھول کر اس کے منہ میں دو گھونٹ ٹپکا دیئے۔

"شیرو ـــ!" شرفو نے درد سے کراہتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ "میں نے تم سے بہت باتیں کرنی تھیں۔ شاید ہماری قسمت میں اتنا ہی ملاپ لکھا تھا......... شیرو......... ۱۹۴۷ء میں ہم اکیلے تھے، منتشر ہو کر لڑ رہے تھے۔ تب ہماری کوئی پہچان نہیں تھی ــــ مگر آج ہماری ایک پہچان ہے۔ ہم پاکستانی فوج کے سپاہی ہیں ــــ ہمارا گھر پاکستان ہے ــــ یہی ہے وہ گھر جہاں ہمیں امن میسر آ سکتی ہے۔ شیرو میرے بھائی! کشمیر کی پہاڑیوں سے نکلنے والے تمام دریاؤں اور ندی نالوں نے بالآخر یہیں اکٹھے ہونا ہے ــــ میری سانسیں ٹوٹ رہی ہیں شیرو......... وقت مختصر ہوتا جا رہا ہے......... خدا کے لیے یہ کبھی نہ بھولنا۔ اگر یہ آخری حصار بھی ٹوٹ گیا تو روئے زمین پر ہمیں کوئی پناہ گاہ میسر نہیں آئے گی۔

شیرو! میری لاش کو اسی مقدس سرزمین پر پہنچانا جس کے لئے ہمارے اجداد اور ہم خون

بہاتے آئے ہیں ــــ مجھے......... مجھے......... پاکستان پہنچا دو، پاکستان ــــ شیرو ــــ اللہ......... پاکستان کو اپنی امان میں رکھنا ــــ!"

اور اس کی گردن ڈھلک گئی۔

اس کے بعد اس کے لب تو ہلتے رہے، مگر منہ سے آواز نہ ابھری۔ شاید وہ قرآنی آیات پڑھ رہا تھا، پھر اس کے لب ساکت ہو گئے۔

نائیک بچوں کی طرح سسکیاں لیتا ہوا اس پر جھک گیا۔ شیرو نے ایک لمحے کے لیے اس کی ویران آنکھوں میں جھانکا، پھر کانپتی انگلیوں سے اس کے پپوٹے بند کر دیئے۔ شدت ضبط سے اس نے اپنے ہونٹ کاٹ لیے۔

فائرنگ اب اور تیز ہونے لگی تھی۔ اس نے سسکیاں لیتے نائیک کو کچھ کہنا چاہا، لیکن اس کا گلا رندھ گیا۔ اپنی ساری توانائیاں سمیٹ کر اس نے شرفو کو دوبارہ اپنے کندھے پر لادا اور چل دیا۔

اسے اپنے گرداگرد والی فائرنگ کی آوازیں سنائی ہی نہیں دے رہی تھیں۔ بس وہ چپ چاپ چلتا رہا ــــ چلتا رہا۔ اس کے پیچھے ابھی تک نائیک کی کوئی نہ کوئی ہچکی ضرور سنائی دیتی تھی لیکن وہ ماحول سے بالکل بے نیاز چلتا رہا۔ کئی مرتبہ چلتے چلتے نائیک اس کے سامنے آ کر رک جاتا۔ "ہم کو بتاؤ جوان ہم ادھر کیا بولے گا۔ ہمارا صاحب بھی نہیں رہا۔ ہمارا کپتان صاحب بھی ہم سے روٹھ گیا۔ سب اپنا ڈیوٹی پورا کر گیا۔ ہم کو بولو جوان۔ ہمارا ڈیوٹی کب پورا ہو گا۔ ادھر اپنا کمپنی والوں کو کیا بولے گا ــــ کیا بتائے گا۔ ہم کو بتاؤ جوان۔ "بٹ ماڈ" کے شہیدوں کی روحیں ہمیں کب چین کا نیند سونے دیں گے۔ ہم کو بتاؤ جوان ــــ ہم کو بولو!"

اور ــــ جانے وہ کیا کیا کہتا رہا۔

شیرو ایک لمحے کے لیے رک کر اس کی آنکھوں میں جھانکتا، پھر کسی سحر زدہ معمول کی طرح چلنے لگتا۔ فائرنگ کی آوازیں اب کم ہوتے ہوتے دم توڑنے لگی تھیں، شاید انہوں نے "حساس علاقہ" پار کر لیا تھا۔

نائیک اب اس کی منتیں کر رہا تھا کہ وہ اپنا "کپتان صاحب" کی لاش خود اٹھا کر لے جائے گا، لیکن شیرو تو جیسے بہرہ ہو چکا تھا۔

سرحد سے بمشکل چند گز دور فائرنگ پھر اچانک تیز ہو گئی تھی۔ ایک مرتبہ پھر ان کے

آنکھیں پتھرا چکی ہوئی تھیں۔ "ہائے ---- ہائے!" کی پکاریں گونجیں' لیکن ---- وہ چلتا رہا
کسی سحر زدہ معمول کی طرح ---- اپنی پناہ گاہ کی طرف بڑھتا رہا۔
اسے اپنے گرد اگرد شائیں شائیں کرتی گولیوں کی آوازیں بھی سنائی نہیں دے رہی
تھیں۔ اس کے محسوسات کو تو شرفو کی موت کے ساتھ ہی موت آ گئی تھی۔ بس اچانک ہی
اسے محسوس ہوا جیسے اس کی ٹانگ میں انگارہ سا دھنس گیا ہو۔
لیکن ---- وہ رکنے کو تیار نہ تھا۔
اس کے پیچھے چلنے والا نائیک پاگلوں کی طرح اپنے پوچ سے ہینڈ گرنیڈ نکال نکال کر
پھینک رہا تھا۔ گرنیڈ پھٹنے سے زیادہ اونچی آواز میں اس کی دھاڑیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ
دشمن کو کبھی جنونیوں کی طرح گالیاں دینے لگتا' کبھی زور زور سے نعرے مارنے لگتا۔
شیرو کے لیے اب قدم اٹھانا دوبھر ہو رہا تھا۔ اس کی ٹانگ میں گھس آنے والی آگ اب
اس کے خون کی گردش کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہوئی سارے جسم میں گھوم رہی تھی' پھر
اچانک اس کے سامنے سے فائرنگ ہونے لگی۔ شاید کسی پاکستانی او۔پی نے اسے گھیرے میں
دیکھ لیا تھا اور اب پاکستانی جوان اپنے ساتھیوں کو بچانے کے لیے کورنگ فائر دے رہے تھے۔
---- وہ اچانک ہی لڑکھڑایا اور پہلو کے بل گر پڑا لیکن گرتے گرتے بھی اس نے یہ
احتیاط برتی تھی کہ اس کے کیپٹن اشرف خان کی لاش کو کوئی گزند نہ پہنچے۔
اور پھر کچھ سائے پاکستانی سرحد سے اسے اپنی طرف بھاگتے نظر آئے۔ شاید وہ اپنے ان
ساتھیوں کو بچانے کے لیے جہنم میں کود گئے تھے۔
تمام احتیاطوں پر لعنت بھیج کر ----!
اس نے ایک سائے کو خود پر جھکتے دیکھا اور اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبنے لگا۔
اس کی سماعت سے آخری آواز اسی نائیک کی ٹکرائی تھی۔ "چھوڑ دو مجھے ---- میں
ان کافروں کو مار ڈالوں گا۔ میرے صاحب کو مار ڈالا۔ میرا سب کچھ ادھر سری نگر میں رہ
گیا ---- میں واپس نہیں جاؤں گا ---- چھوڑ دو مجھے ---- اللہ اکبر ---- یا علیؓ ----
اللہ اکبر ---- یا علیؓ۔" اس کے ساتھ ہی شیرو کی تمام حسیات کو موت آ گئی۔ پھر اسے
ہوش ایک فوجی ہسپتال میں آیا تھا۔
مظفر آباد کے اس قصبے میں جب شیرو نے ویگن سے نیچے قدم رکھا تو اس وقت شام اس
بستی میں اترنے لگی تھی۔ اسے ہسپتال سے تقریباً ایک ماہ بعد صحت یابی پر رخصت ملی تھی۔

وہاں موجود ہر فوجی کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ [illegible]
دوبارہ جا پڑا تھا۔
ملک کی گراں قدر خدمات پر شہدا کے لیے [illegible]
وہ لوگ اس کی ہر طرح خدمت کے لیے موجود تھے' لیکن [illegible]
کرتا۔ بس کبھی کبھی کوئی بڑا افسر اس سے [illegible]
پچھلے ایک ماہ کی کارروائی لکھانے لگتا ورنہ سارا دن بستر پر لیٹے [illegible]
تمام پرانے رفقاء اس سے ملنے آ چکے تھے۔ فوجی جیپ اسے [illegible]
لیے تیار کھڑی تھی' لیکن اس نے ان لوگوں کی پیشکش قبول نہ کی۔
ویگن سے اتر کر وہ پیدل ایک طرف چلنے لگا۔ سورج اس کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا۔
اس نے اب سرخ آگ کے گولے کا روپ دھار کر ماحول کو لہو رنگ [illegible] کر دیا تھا۔
سڑک کے دونوں کناروں پر لگے درختوں کی سرگوشیاں بڑی واضح [illegible] رہی تھیں۔
آہستہ آہستہ سرکنے والی ہوا نے موسم کی خنکی اور ٹھنڈک میں خاصا اضافہ کر دیا تھا۔ گرم
چادر اس کے کندھے پر دھری تھی' لیکن اس نے اسے کندھے پر پھیلانے کا تکلف نہ کیا۔
ٹھنڈی ہوا میں وہ خاصا سکون محسوس کر رہا تھا۔
آبادی کے ایک کونے میں بنے مکان کی دہلیز سے کئی زہراں اور بوڑھے نورولی کی بیوی
نے اکٹھے ہی اس سمت دیکھا تھا۔ "یہ تو شیرو ہے ---- شیرو ہے زہراں ---- میں بچوں کو
بتاتی ہوں۔" کہہ کر وہ بچوں کو آوازیں دیتی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ وہ شیرو سے پہچان
میں مل چکی تھی۔
مکان کے دروازے کے باہر دو بچے حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات لیے "اجنبی
چاچا" کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان سے کچھ فاصلے پر شیرو رک گیا۔ اس نے زمین پر بیٹھتے
ہوئے اپنی دونوں بانہیں پھیلا دیں۔ دونوں بچوں نے ایک لمحے کے لیے ایک دوسرے کی
طرف دیکھا۔ پہلے وہ جھجکے' لیکن پھر دونوں ایک ساتھ ہی دوڑتے ہوئے اس کی پھیلی ہوئی
بانہوں میں سمٹ گئے۔
باپ کی وفات کے بعد سے وہ لاشعوری طور پر جو ایک خلا سا محسوس کرنے لگے تھے'
ان بانہوں میں سمٹ کر انہیں اپنا ادھورا پن مکمل ہوتا محسوس ہوا۔ جیسے وہ کسی پناہ گاہ میں
پہنچ چکے ہوں۔ شیرو کی چھاتی سے چمٹے ہوئے دونوں بچے نہ دیکھ سکے تھے کہ اس کی آنکھیں

بھیگ چلی تھیں۔ بڑے نامحسوس طریقے سے اس نے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر کے بچوں کو سینے سے چمٹائے اپنی آنکھیں صاف کر لیں۔

"تم بالآخر آ ہی گئے شیرو۔" دروازے پر کھڑی زہراں آہستہ سے بڑبڑائی اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار گرم گرم آنسوؤں کے قطرے اس کے گالوں پر بہنے لگے۔

ساتھ والے مکان میں چلتے ریڈیو کی آواز خاصی بلند تھی۔ بہت سے لوگ کورس کی شکل میں چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا رہے تھے۔

وطن ہمارا آزاد کشمیر........ وطن ہمارا آزاد کشمیر۔

ستمبر ۸۴ء لاہور۔

کمانڈو
میں ایک جاڈوس تھا
وادیِ لہُو رنگ
چناروں کے آنسو
کہساروں کی آگ
بھٹکا ہُوا راہی
وطن کی مٹی گواہ رہنا
لہُو کا سفر